



188559

188559

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188559

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۲۳۵۲

Accession No. ۶۶۰۰

Author دغتری - ص

Title

مارکوس رودگری

This book should be returned on or before the date last marked below.

سلسلہٴ شریعت علیہ السلام

(بی۔ اے۔ کے لیے)

رولرز آف انڈیا

(ہند کے حکمران)

مارکوس ویلزلی

(ہند میں کمپنی کا ترقی کرتے کرتے سب سے بڑی قوت ہو جانا)

مصنفہ

سٹر ڈبلیو۔ ایچ جین بی۔ ڈی۔

مولوی محمود شوکت صاحب دہلوی

مددگار مہتمم انجمن ترقی اردو اور گنگ آباد دکن

۱۳۴۰ھ م ۱۳۳۱ھ م ۱۹۲۲ء

سلسلہٴ شریعت علیہ السلام

فہرست مضامین

صفحہ	از
۳	۱
۹	۱
۱۷	۱۰
۳۹	۱۷
۵۶	۳۶
۷۸	۵۶
۱۰۳	۷۸
۱۲۰	۱۰۳
۱۴۴	۱۲۰
۱۵۸	۱۴۴

دیباچہ

پہلی فصل - ولادت و تربیت

دوسری فصل - ہندوستان میں کام کی ابتدا - اعلیٰ حضرت نظام الملک، احاطہ بہش و مدرک

تیسری فصل - تسخیر میور

چوتھی فصل - کرناٹک - تنجوڑ - اودھ -

پانچویں فصل - ویلزلی اور مرہٹے -

چھٹی فصل - حکومت تعلیم اور فوج -

ساتھیں فصل - مالیہ - تجارت اور ناظموں سے منہاتے -

آٹھویں فصل - بعد کی زندگی -

نویں فصل - مدار المہام اعظم - اُس کی شہرت، اُس کے کارنامے -

تَمَمٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

ویلزلی کی سوانح عمری کو ابھی ایسے چمانے پر لکھنے کی ضرورت باقی ہے جو موضوع کی اہمیت اور عظمت سے مناسبت رکھتی ہو۔ اس وقت تین مشہور سوانح عمریاں موجود ہیں۔ سب سے پہلی مسٹر پیس کی جو ۱۸۴۱ء میں بیٹیلے نے تین جلدوں میں شائع کی اس میں انور کی بھرتی بہت ہے اس لیے کچھ زیادہ اہم نہیں دوسری میکلاٹارٹس کی درخشاں "تاریخی تصویر" جسے جیٹو ایڈیٹرز نے ۱۸۸۰ء میں چھاپا۔ لیکن یہ سلسلہ وار منضبط نہیں ہے۔ تیسرا کرنل مایلسن کا خاکہ۔ اس میں قصور صرف یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ مختصر ہے۔ جب تک کہ اس جلیل القدر تدبیر کی ایک کامل یادگار کوئی ایسا شخص صفحہ قرطاس پر رقم نہ کرے جو ایک تو معاملات اور واقعات کو صحیح طور پر جانچنے اور دوسرے ان کا نقشہ پوری طرح کھینچنے کا اہل ہو اس وقت تک امید ہے کہ چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھنے میں کسی کو تعزیر نہ ہوگا اسی قبیل کی تصانیف میں اس سعی کو بھی جو اگرچہ حقیقہ تو ہے خدا کرے جگہ مل جائے۔

اس موضوع پر سندیں تو اتنی موجود ہیں کہ جن کا شمار نہیں۔ خاص خاص مہتمات اور خاص خاص اصحاب سے قطع نظر کر کے کیوں کہ ان کے حوالے کتاب کے حواشی کی صورت میں دیدے گئے ہیں۔ صرف بڑے بڑے موزوں میں سے مفصلہ ذیل کے نام بتائے دیتا ہوں۔ کپتان گرائڈف کرنل ولکس سر جان مالکم اور مسٹر جیمس مل موزلڈر کی تصنیف میں گو عالی دماغی اور بلند نظری کے بہت کچھ منظر ہیں لیکن اس پر واقعات یا اصول کا احصاء و حقیقت متانت سے بعید ہوگا مسٹر ماشنگرمی مارٹن کی کتاب جیمس ویلزلی کے مراسلات، روئدادیں اور خط و کتابت ہے اور جسے ڈبلیو ایچ ایلن نے ۱۸۸۴ء میں دوسرے بار چھپوایا تھا۔ جلیل القدر گورنر جنرل کے کارناموں کے

ضمن میں ہر محقق کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مسٹر سٹڈی آؤن کے اس کتاب کے استنباط (مطبوعہ کلیرنٹن پریس ۱۸۷۸ء) لائق توصیف ہیں اور انھوں نے بالکل جائز شہرت حاصل کر لی ہے۔ مارکونیس کے دیگر خطوط مختلف کتابوں میں طبع ہوئے ہیں مثلاً ان میں سے بعض جو خاص اُس کی ذات سے وابستہ معلوم ہوتے ہیں مسٹر پیرس اور مسٹر ٹائیس کی تصانیف میں پائے جاتے ہیں۔ مسٹر جی ولیم فارسٹ نے اس کے خطوط مراسلات اور دیگر سرکاری کاغذات کا جو بمبئی کے سکریٹریٹ میں مرہٹوں کے معاملات کے سلسلے میں خطوط تھے انتخاب چھپوایا۔ اس کتاب کی پہلی جلد مطبوعہ بمبئی ۱۸۸۵ء میں بھی ان کے بعض دلچسپ خطوط ہیں جو

جو سالہ ابتک شائع نہیں ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اتنا ہی اہم اور با وقعت ہے جتنا کہ وہ جو چھپ چکا ہے۔ مسٹر فورٹس کوکے قلمی نسخے جو ڈراپور میں محفوظ ہیں ہٹاریکل مینس کریپٹ کمیشن کے لیے دیکھے گئے تھے۔ ۱۸۹۲ء میں ان کمیشن کی رپورٹ کی پہلی جلد شائع ہو گئی ہے یہ حد درجہ قیمتی ہے اور میں نے بہت کچھ اس سے استفادہ کیا ہے۔ برٹش میوزم میں تقریباً چار سو جلدیں ایسی ہیں جو لارڈ ویلزلی کے نمائندوں نے دی تھیں۔ ان میں دو جلدوں میں "منتخب کمیشن" کے نام ۱۷۹۸ء سے ۱۸۰۲ء تک کے خطوط ہیں۔ ایک جلد میں ۱۸۰۵ء-۱۷۹۹ء تک (محکمہ خفیہ) پر جو روپیہ صرف ہوا اس کی تفصیل ہے۔ تائیس جلدیں سرکاری اور راز کی خط و کتابت (ان میں سے بہت کچھ شائع ہو چکی ہیں)۔ خطوط کے مسودے ہیں لیکن زیادہ ایسے جو بھیج نہ جاسکے تھے۔ ہندوستان کے مالیات پر نوٹادیں ہیں کاغذات ہیں رپورٹیں ہیں اور گورنر جنرل کے خانگی خطے اور اخراجات کے متعلق کتابیں ہیں۔ اور ۱۸۲۲ء سے ۱۸۲۳ء کے درمیانی زمانے کے متعلق خطوط اور کاغذات کی کچھ تعداد ہے جو

انڈیا آفس کے محاط خانے میں بھی قلمی کاغذات کا بہت بڑا ذخیرہ ہے لیکن اس میں سے زیادہ حصہ ایسا ہے جس کے متعلق مجھے گمان ہے کہ ویلزلی کے سوانح عمری نگاروں نے استعمال نہیں کیا۔ اس ذخیرہ عظیم میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی مجلس کی روٹادیں ہیں اور وہ مراسلات اور ان کے جوابات ہیں جو انھوں نے

بنگال بھیجی تھیں۔ اور اس زمانے کے متعلق حکومت ہند کی تمام کارروائیوں کی مثالیں ہیں۔ اور ویلزلی کے کاغذات کی چوبیس جلدیں ہیں جن میں مدراس۔ بمبئی کے مرسلہ خطوط ہیں ان کے علاوہ ایک اور مجموعہ ہے جس میں فسطح پیرز اور متفرق کاغذات ہیں۔ اس میں بھی بڑا بیش قیمت مواد موجود ہے۔ اس مجموعے کے ٹھوٹے حصے کی تو فہرست بھی طبع ہو گئی ہے۔ سر ہنری وارٹر فیلڈ نے سیاسیات اور تجارت کے متعلق کاغذات کے بہت بڑے انبار کی ایک سرسری فہرست تیار کی تھی اور وہ ۱۸۵۵ء میں چھپ بھی گئی تھی۔ ان کے علاوہ اور کاغذات کی قلمی فہرستیں ہیں لیکن وہ مکمل ہونے کی مدعی نہیں۔ میں افسرانِ محاط خانہ کا بہت مشکور ہوں جنہوں نے ایڈیا آفس کے کاغذات کی چھان بین میں مجھے مدد دی۔ میں نے قلمی مواد کا بعد استعمال کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ان میں سے بعض اقتباسات مثلاً ہندوستانی نظم و نسق کے متعلق ویلزلی اور ڈنڈاس کی رائے (ص ۱۵-۱۱۳) اور رسول ملازمین کی تعلیم کے متعلق وارن ہسٹنگز کے مراسلات۔ (ص ۲۲-۱۲۳) نہایت دلچسپ ہیں۔ میں اپنے دوست پادری رولنڈ ایمن کا بہت ممنون ہوں جنہوں نے بکال نوازش میرے پروفز دیکھے اور نکتہ چینی کر کے مجھے بے حد فائدہ پہنچایا۔ علی ہذا میں اپنے دوست ریچنلڈ وان وارٹر کی دوستانہ امداد کا بھی شکر گزار ہوں۔ میں اس سلسلہ کتب کے مدیر کی عنایت اور استقلال اور ہندوستان کے متعلق اس کی بے مثل واقفیت کا بھی شکر ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مارکوئیس ویلزلی

پہلی فصل

ہلاوت و تربیت

ہندوستان کے برطانوی حکمرانوں کی فہرست میں کوئی نام رچرڈ مارکوئیس ویلزلی سے بڑھ کر نہیں ہے۔ انکے پیشہ دوں میں صرف وارن ہسٹنگز ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن ان کے جانشینوں میں کوئی اس سے لگا نہیں کھاتا۔ تنظیم اور مدبر ہونے کی دونوں حیثیتوں میں وہ اپنے منصوبوں اور کامیابیوں میں اپنے تمام ہم عصر مشاہیر میں ممتاز نظر آتا ہے۔ اگر اس سے زیادہ عظیم الشان کامیابیاں دیکھنے کا شوق دامنگیر ہو تو پھر دور و دراز زمانے اور بالکل ہی مختلف حالات میں اپنی نگاہ تجسس کو دوڑانا چاہئے۔ اصل یہ ہے کہ مشاہیر کی فتوحات ملکی و سیاسی کا مقابلہ و موازنہ ایک فعل عبث ہے۔ اگر کلائپو نے ملک فتح کیا اور ہسٹنگز نے اس وسیع جزیرہ مناس میں انگریزوں کے قدم جماے رکھے تو ویلزلی یقیناً وہ شخصیت ہے جس نے برطانوی سلطنت کا سنگ بنیاد مشرق میں رکھا۔ جب وہ ہندوستان میں آیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی ایک تجارتی جماعت سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی۔ لیکن جب وہ یہاں سے واپس گیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی علی الرغم خود ملک میں سب سے زبردست طاقت بن گئی تھی۔ مشاہیر کے نسب نامے کا مطالعہ اکثر ایک بے مزہ اور بے سود سی چیز ہوتی ہے لیکن ویلزلی کے آبا و اجداد کی کیفیت میں ایک خاص لطف ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا خاص وصف تھا وہ کس قسم کی جدوجہد تھی جس کی بدولت ان چاروں بھائیوں نے جو سب نہایت ممتاز اور یہ دونوں بوجہ مشہور ہوئے تھے اتنا اقتدار حاصل کیا۔ اسکا ہمیں کوئی اطمینان بخش

جواب نہیں ملتا۔
 آئرلینڈ میں ایک قدیم خاندان تھا جسکو ویسلی کہتے تھے۔ اور جس کی ایک شاخ نے اٹھارویں
 صدی کا زبردست رہنما پیدا کیا۔ اس وقت جبکہ اصول ہجرا مضبوط نہ ہوئے تھے اس کو ویلزلی یا
 ویلزلی لکھا جاتا تھا۔ یہ گھرانہ اگرچہ اس نے کوئی خاص شہرت و امتیاز حاصل نہیں کیا
 تھا، صدیوں سے خوش حال چلا آتا تھا اس گھرانے کا ایک فوگیرٹ ویلزلی تھا۔ جو
 سوفٹ کا ہمسایہ اور دوست تھا یہ شخص نہایت راستبازی اور پالہ امنی سے زندگی
 بسر کرنے کے بعد اولاد عالم بقا کو سدھار گیا چالیس ویلزلی بیہوش طریقت کا خوش نوا مطرب
 اگرچہ ہوتا تو گیرٹ ویلزلی کا وارث بن جاتا۔ لیکن اسے انکار کر دیا اور اسلئے ایک دوسرے
 رشتے دار کیسل کا بری کے چرڈ کوئے کو متبنی کیا گیا اور جب وہ سن بلوغ کو پہنچا تو خاندان
 کے نام اور جاگیر کا مالک ہوا۔ حالانکہ حکومت کی اسے کوئی اہم خدمت انجام نہیں دی تھی
 لیکن اس کے خاندان کی عزت افزائی اس صورت سے کی گئی کہ چرڈ آئرلینڈ کے طبقہ اعلیٰ
 میں داخل کر لیا گیا۔ چنانچہ اسے چرڈ کوئے ویلزلی آئرلینڈ کے طبقہ کا ڈائریکٹر مارننگٹن
 کے خطاب سے موسوم ہوا۔ اسے فنون لطیفہ میں تھوڑا بہت درک تھا، اور اس کا بیٹا
 گیرٹ ویلزلی تو مشہور ماہر علم موسیقی گزرا ہے اُن دنوں یہ بات عجوبہ روزگار سمجھی
 جاتی تھی، کہ ایک امیر ابن امیر اور علی الخصوص آئرلینڈ کا امیر تماشگاہ کے طائفہ نقصن سرور
 کا میر ہو۔ لیکن لارڈ مارننگٹن ثانی ایسی افسانیت رکھتا تھا کہ ہر شخص اسکی تنظیم و تنظیم
 کرتا تھا، اور فن موسیقی میں اس کے کمال کا ہر ایک شخص معترف تھا۔ اور اسی لحاظ سے
 وہ اب تک لوگوں کو یاد ہے اسکی شادی آرتھر ہل ٹریورڈ (جو بعد میں لارڈ ڈون گیسٹن
 ہو گیا تھا) کی بیٹی این سے ۱۷۵۹ء میں ہوئی۔ اور اسی سال وہ ارل (نواب) کے
 رتبے پر فائز کر دیا گیا۔

اس قابل مطرب باب اور تربیت یافتہ ماں کا پہلوئی کا لکھا چرڈ کوئے ویلزلی ڈنکر کیسل ضلع متھ
 میں ۲۰ جون ۱۷۶۶ء کو پیدا ہوا۔ اسکے بھائی ولیم بعد میں ارل آف میری براکے خطاب سے مشہور ہوا
 لے کہا جاتا ہے کہ چرڈ ویسلی نے اپنے نام کو این میں ویلزلی لکھنا شروع کیا تھا۔ آگسٹ ۱۷۸۵ء سے اُسے
 ویلزلی کے نام سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بھائی آرتھر نے عرصہ دراز تک اپنے نام کو
 ویلزلی ہی لکھا اسکی بہت سی ہندوستانی مراسلتوں پر یہی دستخط موجود ہے۔ ۱۲

آرتھر، دشہرہ آفاق ڈیوک آف ویلنگٹن، اور ہنری تھے۔ موخر الذکر لارڈ کوکے نام سے اور پیرس میں برطانوی سفیر کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہے۔ تینوں علی الترتیب ۱۶۳۷ء، ۱۶۹۷ء اور ۱۷۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ ایک روزانہ کی مرس والدہ گاڑی میں بیٹھی ہوئی چلی جا رہی تھی کہ اس کے بیٹوں کے مداحوں نے گاڑی روک لی۔ گھر پہنچنے میں دیر ہو گئی، تو مرس والدہ نے بیٹوں سے قابل عفو نازش کے ساتھ کہا کہ لگتی کائی کی مان ہونے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔

پچھڑے موقع ٹرم کے مکتب میں کچھ دنوں تعلیم پانے کے بعد ہیر و مہیر یا گیا، مگر چند روز بعد اسے یہ مدرسہ چھوڑنا پڑا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ایٹن کے مسٹر ہیتھ ہیر و کا صدر مدرس پر تقرر ہوا۔ لڑکے انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ایک دوسرے شخص سیمول پارکوٹریج دیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کر کے ہیتھ کا تبادلہ فرسخ کرانے اور اسکی بجائے سیمول پارکوٹریج کی کوشش کی۔ گو سیموئل پار نے ہیتھ کے بعد بڑی شہرت حاصل کی، لیکن اس سازش میں شریک ہونے کا ویلزلی کے حق میں نتیجہ یہ نکلا کہ اس یازدہ سالہ لڑکے کو ایٹن بھیجا گیا۔ اس مدرسے سے اسے اتنی محبت ہو گئی، کہ اس پر کسی مذہب کے نئے پیر کی طرح دل و جان سے فدا تھا۔ یہی مدرسہ ہے، جہاں اُس نے یونانی اور لاطینی علوم و فنون میں ایسی نظر اور تحریر میں ایسی بے مثل صفائی حاصل کی، جو اسکی تمام زندگی میں طواعتیابی ہی۔ ایک سرگرم مداح لیکن نکتہ چیں نقاد ڈاکٹر کڈال کا جو بعد میں ایٹن کا ہیڈ ماسٹر بھی رہا خیال تھا، کہ وہ پورسین سے باعتبار علم و فضل کہیں زیادہ ہیں۔ وہ اپنے بھائی آرتھر کے ساتھ ایک ہی مکان میں مقیم تھا۔ ولیم گریٹول اور سر جان نیو پورٹ اس کے ہم مکتب تھے۔ اور تمام عمر اس کے یار وفادار بنے رہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی تقاریر کے موقع پر اس نے جارج سوم کے ایسے درد انگیز لب و لہجے میں سطر نفور کی تقریر دہرائی، کہ بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو ڈھب آئے۔ اور جب وہ وہاں آج بپ کارنوالس کے ساتھ حسب معمول لیمنہتہ واپس آیا، اور ریک سے ملاقات ہوئی تو اثنائے گفتگو میں لیک نے کہا،

”آپ نے وہ کام کیا جو میں کبھی نہ کر سکتا تھا۔ آپ نے شاہ کو رلا دیا“ ویلزلی نے جواب دیا۔
 ”جی ہاں، لیکن آپ نے کبھی شاہ کے حضور میں ایسے شخص کی صورت بنا کر بات
 نہیں کی، جو ایک منہ چڑھے ہوئے، نظر سے گرے ہوئے خود مختار ”ذیر کیلئے زیبا ہیں“
 دسمبر ۱۸۸۰ء میں وہ ایڈمنسٹریٹو سے کرائسٹ چرچ کلج تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے
 گیا۔ ۱۸۸۰ء میں اس نے لائسنس نظم میں امیر جامعہ کا انعام (پرائسز پر اعزاز) جیتا۔ نظم کا
 موضوع پکتان گلگ کی موت تھی ۱۸۸۱ء میں اس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ اور اس پر
 باپ کا قرضہ ادا کرنے اور بھائیوں کی تعلیم کا بار پڑا۔ لیکن اس نے کمال ہمت و عزت
 اور کامیابی سے اس کام کو پورا کیا۔
 گریٹن کا دور دورہ تھا۔ نوجوان لارڈ مارننگٹن کی قابلیتوں نے آئرلینڈ کے دارالامرا
 میں بحیثیت رکن سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ جب اس کا دوست ولیم گرینول آئرلینڈ
 کا چیف سکریٹری مقرر ہوا، تو ان دونوں میں خوب خط و کتابت ہوتی رہی موضوع سیاسی امور
 تھے۔ مارننگٹن کے جوش کا حد و حساب نہ تھا۔ اس نے گرینول کو ایک
 مکتوب میں لکھا۔

”مجھے اُس دن بڑی خوشی، بڑا غرہوگا جس دن میں پارلیمنٹ کے اندر اور پارلیمنٹ کے
 باہر آپ کا رفیق کار ہوں گا۔ اور نہایت مستعدی اور تڑن دہی سے آپکی توجہ کو کامیاب
 بنانے اور جامعہ عمل پہنچانے میں اپنی تمام قابلیت صرف کروں گا۔ درحقیقت میں اپنی
 تمام سماجی کوہاری اس جگہ دوستی، وفا شعاری اور وضع داری کی ادنیٰ نذر سمجھوں گا
 جس نے ہر حالت میں میری مدد کی ہے، اور اپنی خدمات ایسی حکومت کے لئے وقف کروں گا
 جو صحیح اور عمدہ اصولوں پر جاری ہے۔“

.... آپ مجھے اپنا ایک مددگار مستعد تصور کریں، میں بادشاہ کا خادم ہوں، غلام نہیں۔
 اور میں آپ کے ساتھ اتنی ہی محنت اور جانفشانی سے کام کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ
 ہوں، جتنی کہ ہم لینڈ کے متعلق نظم لکھتے، اور مذہبی گیت موزوں کرتے، اور کافورنگری
 کرتے تھے۔“

لے کرائسٹ چرچ کے ڈین اور ویر نے باتفاق رائے انہیں اپنے کالج کا طالب علم منتخب کر دیا کیونکہ مارکونیس ویلزلی
 ہمشائر کالج میں سکریٹ کیشن۔ ڈراپ مور کے قلمی نسخے ہند اول ص ۱۶۷

ان کے سنج کے خطوط میں آئرش دارالشوری کی اتر حالت کی بڑی عجیب اور پین تصویر
 نظر آتی ہے۔ ۱۸۴۱ء میں وہ قصبہ پیر اسمٹن کی طرف سے انگریزی دارالشوری میں
 بطور ایک رکن داخل ہوا۔ لیکن ۱۸۴۸ء میں اُس نے اپنی جگہ دوسرے کی رکیت سے اور
 ۱۸۶۶ء میں اولڈ سمرم کی رکیت سے تبدیل کر لی۔ دارالشوری میں بہت جلد اسکی
 قابلیت اور طاقت کا سکہ بیٹھ گیا۔ سینٹ پیٹرک کے خطاب کے عالم وجود میں آنے
 پر وہ اس کے اولین نانٹ میں اس خطاب پر فائز ہوا۔ ۱۸۶۶ء میں خزانے کا افسر اعلیٰ مقرر ہوا۔
 ابتداءً اس کی سیاسیات پر احرار کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ گرینٹن کے وہ بڑے مداح تھے
 اور آخر میں پیٹ کا گہرا دوست ہو گیا۔ چنانچہ آئر لینڈ کے متعلق پیٹ کی تجاویز کا بڑا مؤید
 اور مصین تھا۔ ۱۸۶۷ء میں آئرش پارلیمنٹ کی اس درخواست کی اس نے مخالفت کی کہ
 برنس آف ویلز کو غیر محدود اختیارات کے ساتھ نائب السلطنت کر دیا جائے۔ ولیم فورس
 سے اسے کامل ہمدردی تھی۔ اور ۱۸۶۲ء کے مناظروں میں اس نے یہ تجویز پیش کی،
 کہ غلامی کو فوراً منسوخ کر دیا جائے۔ ان دنوں اسکی انگریزی اور آئرش پارلیمنٹ میں جدوجہد
 اس اصرار پر دلالت کرتی ہے کہ وہ روشن خیال اور آزاد تھا۔ لیکن انقلاب فرانس
 کی شورش بڑھنے کے ساتھ فاکس کے تابعین سے اسکا اختلاف اور طعنہ کا بھڑ بھڑ
 نمایاں ہوتی گئی۔ انتہا یہ کہ دارالشوری کی اصلاح کا دشمن ہو گیا اور ۱۸۶۳ء کو اسنے
 لارڈ کرے کی تحریک کی مخالفت کی۔ انقلاب کے دہشت انگیز خیال نے جیسا کہ اسکے
 دلائل و براہین سے ظاہر ہوتا ہے اس کی حریت پسند رائے میں یک گونہ تبدیلی پیدا
 کر دی تھی، لیکن انقلاب کے متعلق جب یہ خطرات نازل ہو گئے تو اپنے قدیم مد مقابل
 کے تحت میں وہ اس حکومت کا ایک فرد تھا، جسے ۱۸۳۲ء کے قانون اصلاح کو
 نافذ کر دیا۔ ۱۸۶۹ء میں خرابی صحت کے باعث اسنے یورپ کی سیاحت کی تھی اور
 پیرس میں ان مظالم اور بدعنوانیوں کو جو عوام الناس اور ملکی مجلس کی کارروائیوں میں
 جو اسی وقت سے پیدا ہو گئے تھے بچشم خود دیکھا تھا، اُس نے انکا نقشہ ولیم گرینول
 لہ گرینول کے نام ایک خط میں اس نے گرینٹن کی نسبت لکھا تھا کہ "میلر دوست گرینٹن قابلیت اور نیکو کاری کے
 اعتبار سے افضل الناس ہے" ہٹاریکل کمیشن رپورٹ۔ ڈراپ مور کے قلمی نسخے جلد اول ص ۱۶۷۔
 ۱۸۷۰ ڈراپ مور کے قلمی نسخوں کی فہرست جلد اول ص ۱۰۷-۱۰۸۔

کے نام ایک خط میں نہایت تند اور مسخر انگیز الفاظ میں پھینچا اُس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ ان تلخ تجربوں نے اسکی رائے کو کتنا متاثر کر دیا تھا۔

لارڈ مارننگٹن کے خیالات اپنے عہد کے اکثر جوانوں کے مانند تھے، کمنہ و فرسودہ اور

تنگ خیال فرقہ و باز سے اسے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ امور خارجہ کے متعلق اس کی

نظر بہت وسیع تھی، اور رفاه عام کی تحریکوں میں اسے انتہائی شغف تھا۔ لیکن

قدیم قانون اساسی کا وہ بہت دلدادہ تھا۔ اگرچہ اس میں اصلاح کی ضرورت کی نسبت

اس نے آنکھوں پر پھیکری نہیں رکھی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس قدامت پسندی

کا مجسم نمونہ تھا جس نے سٹ اور برک کے زمانے میں جنم لیا تھا۔ ۲۱ جنوری ۱۸۴۹ء

کو اس نے انقلاب فرانس پر جو طویل طویل تقریر کی تھی، اس میں یہ اصول صاف طور

پر نظر آتے ہیں۔ جبکہ اس نے خود درست کر کے رسالے کی صورت میں شائع کرایا تھا،

عشر ٹین نے ترکی پر ترکی جواب دیا، اور اس جواب کو شائع کرایا اور اسے خوب

الم فشر کیا۔ لارڈ مارننگٹن نے جو عظمت اور مرتبت حاصل کر لی تھی، اسکی کافی شہادت

اس امر سے ملتی ہے کہ اسکی تقریروں کا جواب اُس زمانے کے مشہور و معروف مقرر

دیا کرتے تھے۔ مگر اس قسم کے مجاہدوں میں وہ ہمیشہ کامیاب نہیں رہا ایک مشہور

معمر مناظرہ کے متعلق ولبر فورس نے اپنے روزنامے میں لکھا ہے، کہ غریب مارننگٹن

گمراہ تھا، اور عشر ٹین اس پر بے رحمی سے پلاڑتا تھا۔

۱۸۴۳ء میں لارڈ مارننگٹن سے حلف لیکر برطانوی پریوی کونسل میں وہ داخل

کیا گیا۔ اور اسی سال نگران مجلس کی رکنیت کی وجہ سے ہندوستانی معاملات سے اسکے

تعلقات شروع ہوئے اور اس کے قبل ہی ہندوستان کی تاریخ اور اس نوع کے

دیگر علوم کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو خوب تیار کر لیا تھا۔ اس کے بعد چار سال تک

ہندوستانی مسائل و کوائف کو بہ نظر فائر دیکھتا رہا۔ اسکی تقریروں میں جا بجا مشرق

کی حالت اور انگلستان کی حکمت عملی کا ذکر ہے۔ اسے ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ

۱۸۴۸ء کو اس نے برائنٹن سے گریبول کو لکھا کہ اجمل میں اورم چلہ رہا ہوں اور ان سے

درخواست کی کہ ہندوستان میں یورپین بستیوں کے متعلق حالات سے آگاہ کریں۔

لارڈ کارنوالس پوری واقفیت تھی۔ اس غریب کی تمام عمر باد مخالف میں گزری تھی، اور صرف ہندوستان ایک ایسا ملک تھا، جہاں کے نظم و نسق میں اُسے اعلیٰ کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ ۱۷۹۶ء میں اُس کا بھائی آر تھر مدراس آیا۔ کارنوالس نے اسکے متعلق لکھا تھا کہ ”وہ ایک سمجھ دار آدمی اور عمدہ افسر ہے“

لارڈ مارننگٹن کو آر تھر کے خطوط برابر ملتے رہتے تھے اور ان کی عبارت ویسی ہی مختصر صاف اور بے لاگ ہوتی تھی، جیسی کہ اُس کے آخری زمانے کے زیادہ مشہور خطوں میں پائی جاتی ہے۔

اسی سال ہندوستانی انتظام میں تغیر و تبدل کی ضرورت لاحق ہوئی، کلکتے میں سر جان پور اور مدراس میں لارڈ ہاربرٹ ایک دوسرے کے خیالات سے بالکل متفق تھے، موخر الذکر کو اُمید تھی کہ وہ گورنر جنرل کے عہدہ پر سرفراز کیا جائے گا۔ لیکن حکومت وطن اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ اس منصب کا اہل نہیں ہے۔ کارنوالس آمادہ کیا گیا کہ وہ اس عہدے کو دوبارہ قبول کر لے، اور مارج ۱۷۹۷ء میں مارننگٹن کو غیر سرکاری طور پر فورٹ سینٹ جارج (مدراس) کی گورنری پیش کی گئی اور وعدہ کیا گیا کہ وہاں سے اس کا تبادلہ گورنر جنرلی پر کر دیا جائیگا۔ اس نے اسے منظور کر لیا۔ اور بہت مدت نگہبانی تھی کہ گورنر جنرلی بھی اس کی قسمت میں آگئی۔

۲۶ جولائی کو علی الصباح لارڈ مارننگٹن مدراس جانے کے لئے دربار شاہی میں وداعی سلام کرنے حاضر ہوا۔ اُس وقت یہ معلوم ہوا کہ انگریزوں میں تبدیلیوں نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ یہ محسوس کیا گیا کہ لارڈ کارنوالس کو وہاں سے نہیں ہٹایا جاسکتا۔ ہولووڈ میں ایک ہفتہ، پٹ کے ساتھ ہندوستانی مقبوضات، کی ضروریات اور آئندہ توقعات کے متعلق نہایت ترقی و انگیز بحث میں گزارنے کے بعد آخر کار یہ طے ہوا کہ مارننگٹن کو ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی اسے برطانوی طبقہ امر میں جگہ دی گئی جس کا وہ عرصے سے خواہشمند تھا اور اب وہ بیرن ویلنزی ہو گیا۔ اور آخر اکتوبر میں وہ اس عظیم الشان ضیافت میں شریک ہوا، جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے کیمپ ڈاؤن کے فاتح کے اعزاز میں دی تھی۔ اس نے اس موقع کے مناسب من چلے امیر البحر کی فتح و نصرت پر ایک نظم لکھی اور گواس کی نظم ڈیڈن اور براہم کی اُن نظمیں

لگا نہیں کھاتی جس سے کہ وہ دونوں مشہور ہو گئے، لیکن بایں ہمہ اس کی نظم کا اسی سرگرمی سے خیر مقدم کیا گیا جکا اظہار بالعموم ڈائری کے کی نظم پر ہوا کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسے انگریزی کی نسبت لاطینی میں شعر کہنے کی زیادہ مشق تھی۔ انقلاب فرانس کے جہاد اور محترم دکن کی صفات پر جو مسندس عین اُس پر آشوب زمانے میں اسنے بمقام دار صر لکھا، اور جو جیکوین کے مخالف رسالے میں شائع ہوا، درحقیقت اسکی شاعری کے زیادہ نمایاں تھا۔

لارڈ مارنٹن، نومبر کو جہاز میں سوار ہوا۔ اس نے شروع ہی سے وہ تمام کرد و فرج ایک وسیع و رفیع سلطنت کے لئے زیبا ہے اختیار کر لیا تھا، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سالہا سال پہلے جب وہ اول بار آئر لینڈ کے دارالامرا میں گیا تو اس کی شان و شکوہ دیکھ کر ناظرین سے رہانہ گیا، اور انہوں نے وہیں اس پر آواز سے کہنے۔ ایک چلتے تن شخص نے یہاں تک کیا کہ اس کے انداز پر گیرک (رشاد قصہ بد انجام) کی پچھتی گئی اس نے عمارت مملکت کی ظاہر آشوکت و تجمل، حسن و ادا خاص طور پر سیکھی تھی اس کی چال و حال اور لب و لہجے میں، وضع قطع اور دارالشوری کی تقریروں میں نمکنت و سطوت کا ایک خاص انداز ہمیشہ نظر آتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسے حق حاصل ہے کہ بات کہنے پر لوگوں کو ہمہ تن محوش اور طبع و منتقاد کر لے۔ علیٰ ہذا چھوٹی چھوٹی باتیں میں بھی اسکے تکلف و تصنع کا یہی حال تھا۔ اگرچہ سمندر کا سفر اسے ہمیشہ ناموافق سمجھا۔ اور ان تکالیف کو وہ بہت کچھ رنج و تعب کے ساتھ برداشت کیا کرتا تھا۔ لیکن ٹھاٹھ میں کوئی فرق نہ آیا، وہاں بھی کھانے کے واسطے لباس اسی توجہ سے پہنا جاتا تھا جیسا کہ گھر میں۔ مارننگ کرینگل نے اس کی روانگی کی خبر دج اخبار کرنے میں بطور طعنہ لکھا تھا۔

”چھوٹے سے جہاز پر ذخائر کا طیاں اور دیگر اسباب اتنا لاد گیا ہے، کہ اگر دشمن سامنے آجائے اور مہر کے ٹھکان لے، تو لارڈ مارنٹن بلا شک و شبہ، صرف پانچ منٹ میں دو ہزار پاؤنڈ کا سامان اس کی نذر کر بیٹھیں“

نیا گورنر جنرل جب ہندوستان کی طرف روانہ ہوا تو اپنے پیشمر وڈوں کے برعکس لے آئر لینڈ کے دریائی سفر میں بھی اسکا مزاج اتنا بد مزہ ہو جاتا تھا کہ سفر سے نہ اٹھ سکے۔

ڈراپ مور کے قلمی نسخوں کی نہرت جلد اول ص ۲۲۵

اس نے کسی نظام عمل کی پابندی کا وعدہ نہیں کیا اور نہ جن معاملات کی باگ اس کے ہاتھ میں دی گئی تھی۔ اُن سے ذاتی طور پر اسے عملاً کوئی دلچسپی تھی۔ یہ سچ ہے کہ اُس کا بھائی آر تھم پہلے سے ہندوستان میں موجود تھا، اور اس نے اپنے ہمراہ اپنے سب سے چھوٹے بھائی ہنری کو بھی بحیثیت سیاسی معتد ساتھ لے لیا تھا۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ اپنے عزیز واقارب اور بھائیوں کو اس درجے تک ترقی دینے کا تمہنی تھا جو اس کے لئے مضر ثابت ہو۔ لیکن اس کے سوا اور کسی معاملے میں رتی بھر شبہ کی گنجائش نہیں۔ کہ اسے اپنے فرائض منصبی کے دائرے سے باہر کسی سے بھی کچھ علاقہ ہو۔ نہ بذات خود اور نہ کسی ایجنٹ کے ذریعے سے، چوری چھپے تجارت سے اس کا کوئی تعلق تھا۔ لارڈ کارنوالس کی طرح نہ تو اُس نے فوجی تربیت پائی تھی، اور نہ اس طرف اس کا کچھ میلان طبع ہی تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اور بہت سے لوگوں کی طرح وہ بھی ڈنڈا اس کے زیر اثر تھا۔ تاہم وہ کسی طرح بھی ڈنڈا کا مطیع و نقاد نہ تھا۔ نہ پہلے سے اس کے کمپنی کے ساتھ کوئی تعلقات و مراسم تھے، نہ وہ اپنی ترقی کے لئے اس کا ممنون تھا اور نہ اُغندہ ہی کسی قسم کی مایہ اور اعانت کا اُس پر بھروسہ تھا۔ اُس کے حق میں یہ بات بڑی مفید ثابت ہوئی کہ وہ سر جان شور جیسے شخص کے بعد آیا۔ خود رائے اور بکے ایماندار زمین ظاہر میں لوگوں کے لئے کوئی کشش نہیں ہوتی، چنانچہ مارتنگٹن کی پہلک زندگی گواہ تھا کہ قابل احترام تھی، لیکن اسکے پیشرو کی زندگی کے بالکل برعکس تھی۔ مبداء فیض سے اُسے وارن ہیسٹنگز کی جدت طبع ملی تھی۔ اور اسکے برخلاف اسکے تمام کاموں میں کورانہ مخالفت کہیں بھی اسکے مانع نہیں ہوئی۔ شور نے چھوٹے سے خطہ ملک میں خوب کام کیا، لیکن مارتنگٹن کی نسبت اُس کے ایک دوست پارلیمنٹ کے سپیکر مارتنگٹن نے ہندوستان آنے سے چند سال پہلے خوب کہا تھا کہ۔

»آپ کو کام کرنے کے لئے وسیع فضا کی ضرورت ہے یہاں کی پابندیاں آپ کو

کماے جاتی ہیں۔«

دوسری فصل

ہندوستان میں کام کی ابتدا۔ اعلیٰ حضرت نظام الملک۔

احاطہ بمبئی و مدراس

سرجمین سٹیفن اور سر جان اسٹریچی کی تصانیف کے بعد جمیس مل کے ایک طرفہ اور غیر تاریخی خود سرانہ فیصلے کی صحت پر اصرار کرنا فضول ہوگا۔ صرف اتنا کم دینا کافی ہے کہ اس نے مارننگٹن کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس میں بے سوچے سمجھے محبت سے کام لیا ہے اور اس کی منزلت ”دغل و معقولات“ سے زیادہ نہیں۔ وارن ہیسٹنگز پر بھی اس نے اسی طرح لے دے مچائی ہے۔ مل نے اس شہادت کی طرف سے عمداً آنکھیں بند کر لیں جسے وہ خود اقرار کرتا ہے کہ اس نے کتاب لکھتے وقت مطالعہ کیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ نئے گورنر جنرل کے پاس

”ہندوستان کے پیچیدہ معاملات سمجھنے کے لئے تو بہت کم

وقت تھا۔ اسکی تمام توجہ ایک خاص مسئلہ پر بغایت مبذول تھی

خود اسکے پاس وقت کم تھا یا زیادہ اس سے بحث نہیں لیکن جو اسلٹین راس امید سے ۲۳ اور ۲۸ فروری ۱۸۵۸ء کو بھیجی ہیں، ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس وقت کو کس خوبی سے استعمال کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ راس امید میں لارڈ میکارتھی گورنر کیمپ کا لوئی سے اسکی ملاقات ہوئی۔ یہ مدراس میں گورنر رہ چکا تھا اسکے علاوہ لارڈ ہاٹسٹرٹ ٹیوڈ ڈیئر ڈبھی وہیں اس سے ملا۔ یہ ٹیسویر میں قید رہا تھا اور صلح بنگلور کے بعد اس کی شرائط کے مطابق رہا ہوا تھا۔ اور اس لئے اسکے پاس تصفیہ کرنے کے لئے بہترین ذرائع تھے کہ انگریزوں کے متعلق ٹیپو سلطان کے گہرا خیالات ہیں۔ میجر برٹک ریڈیڈنٹ حیدرآباد بھی اپنی خدمات سے سبکدوش ہو کر انگلستان واپس جا رہا تھا۔ موخر الذکر نے اس نے وہ معلومات حاصل کی تھیں

لے ”فدکمار اینڈ ایچ“ مطبوعہ ۱۸۵۸ء اور ”ہیسٹنگز اینڈ دی روہلا دار“ مطبوعہ ۱۸۵۹ء

جن کا ڈنڈ اس خصوصیت سے طالب تھا۔ ڈنڈ اس یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ فوجی نظام عمل کیا ہے جس پر ہندوستان کے فرماں روا عمل کر کے یورپین یا امریکن فوجی افسروں کو لازم رکھتے تھے اور برطانوی طریق پر اپنی فوج کو تعلیم و تربیت دلاتے تھے۔ مارٹنگٹن نے ہندوستان آتے ہی سب سے پہلے ایک قواس بات پر اور دوسرے نظام الملک کے کمپنی سے تعلقات پر اپنی تمام توجہ منعطف کر دی تھی۔

نظام الملک کی فوج ایک فرانسیسی افسر ریچمڈ نامی کی سرکردگی میں دس ہزار سے اوپر تھی اور تیس توپیں تھیں جن کے افسر اور فوجی ہندوستانی تھے۔ نظام الملک نے حکم دے دیا تھا کہ فوج کی تعداد بڑھا کر چودہ ہزار کر دی جائے اور ملک کا ایک سب سے علاقہ جس کی ایک طرف حد کرنا تک سے ملتی تھی، فوج کی تنخواہ کے لئے بطور ضمانت مخصوص کر دیا تھا۔ اس وقت اس امر کا قوی شبہ کیا گیا تھا، جو بعد میں بالکل صحیح ثابت ہوا، کہ اس فوج کے سردار نظام الملک کی منظوری سے فرانسیسیوں کی طرفداری اور خیانتی میں نظام الملک سے زیادہ خطرناک میسور کے فرماں روا سے خط و کتابت میں مصروف ہیں۔ معذرا دوسری دیسی ریاستوں نے اس فوج کے برابر اپنے ہاں فوجیں طلباء کی تھیں اور یہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ تمام کارروائی ہندوستان میں فرانسیسی اثر کی صحت اور قوی معاہدہ ہے۔ مارٹنگٹن نے اس ذیل میں اپنے

مراسلہ میں لکھا۔

مجھے اس میں مطلق شبہ نہیں کہ ہمارے خاص انخاص اتحادیوں کے رکن یکیں کے دباؤں اس قسم کے گردہ کلمے روک اور تیز رفتی کا چند روز میں لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ ریاست ہمارے اغراض و مقاصد سے یکسر بے تعلق ہو جائیگی اور آخر کار وہ ہمارے دشمنوں میں شامل ہو جائیگی اور پھر اسکی محاسن شوریٰ ہمارے دشمنوں کی زیر سیادت آ جائیگی اور اسکی تمام فوجی طاقت ان کے اشارے پر کام کریگی۔ ریسنڈ کی فوج اس وقت تربیت و اسلوب اور میدانیں کا رگزاری کے اعتبار سے خواہ کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو کیا یہ ذرا کی بات ہے کہ ایک ایسی عظیم جماعت کو جو بعینہ ہمارے فوجی تربیت کے اصول پر اسلوب پانے کیلئے تیار کیا گیا ہو، ایسی حالت میں چھوڑ دیا جائے کہ اسکا نظام ترکیبی ان

فرانسیسی افسروں کی قابلیت، محنت اور جوش و خروش سے ہر قسم کی ترقی اور فروغ حاصل کیا اور اپنے نئے رہبروں کی دلی تمناؤں کو ہر طرح سے پورا کرے، جو اس متعدد کے لئے خاص طور پر یورپ سے بھیجے گئے ہیں۔ یہ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ فوج جو اس وقت ایک سیاسی جماعت سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی اور نظام الملک کے اور ہمارے لئے یکساں بے کار ہے، ہمارے دشمنوں کی تعلیم و تربیت سے بہت جلد ایک اعلیٰ فوجی طاقت بن جائے گی۔

وہ پیش بندیاں جو مارٹنگٹن نے کرک پیٹرک کی صلاح سے اس خطرے کے مقابلے کے لئے تجویز کی تھیں، بہت جلد مکمل کی گئیں۔ اور یہی پیش بندیاں تھیں جن پر اس نے حقیقت میں عمل کیا۔ تجاویز یہ تھیں کہ سفارت اور مطالبے کے ذریعے ریسنڈ کی فوج کو منتشر کیا جائے اور اس کی بجائے برطانوی کنشٹنٹ میں جکے معارف نظام الملک کے ذمے تھے، اضافہ کیا جائے۔ اور اسکے متعلق نظام الملک کے اختیارات میں اتنی مزید توسیع کی جائے، کہ جب ضرورت ہو تو اسکو مرہٹوں کی غاصبانہ دست اندازی کے خلاف اسے کام میں لائیں، مارٹنگٹن نے ۲۳۔ فروری اور زیادہ تفصیل سے ۲۸۔ فروری کے مراسلوں میں برطانوی طاقت کے ایسی ریاستوں کے ساتھ تعلقات پر بحث کی اور اس میں ظاہر کر دیا کہ صورت حالات پر اسکو کیسی استادانہ قدرت اور مشکلات سے کیسی گہری واقفیت حاصل ہے، اور یہ کہ وہ ہندوستانی سیاسیات کے مسائل میں نو آموز نہیں ہے۔ یہ امر کہ یہ تمام تجاویز کرک پیٹرک ہی کی نہ تھیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے کرک پیٹرک کی بعض تجاویز پر پوری بحث کی، اور بعض کو مسترد کر دیا، سرزمین ہند پر قدم رکھتے ہی انہوں نے سب سے پہلے حیدرآباد کی طرف توجہ کی۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دیگر خدمات کے قبل نظام الملک سے اس کے تعلقات کا نقشہ کھینچا جائے۔

اس وقت نظام الملک کی حیثیت برطانوی طاقت کے لئے بالخصوص اس لئے خطرناک تھی کہ وہ میسور کے جگموہران کے ہمسایہ تھے اور ان پر شبہ تھا کہ وہ ٹیپو سے خفیہ ساز باز کرتے ہیں۔ ٹیپو سلطان وہ دشمن تھا جس سے صوبہ مدراس کو ہر وقت کھٹکا لگا ہوا تھا۔ اور مارٹنگٹن نے ناٹ لیا تھا کہ اس کی طاقت کو فوراً توڑ دینے کی ضرورت ہے۔ لیکن فورٹ سینٹ جارج کی مجلس کوتاہ بین اور ڈرپوک تھی اس کے

زہن سے حیدر علی کے مشہور واقعہ کرناٹک کی یاد مجھ نہ ہوئی تھی۔ اور وہ اس کے خوشخوار اور ظالم بیٹے سے معروف پیکار ہونے سے ڈرتی تھی۔ اس کی آنکھوں پر ایسا پردہ پڑ گیا تھا کہ اب تک وہ اسی کو قرین مصلحت سمجھتی تھی کہ ٹیپو سلطان کی طاقت کو مرہٹوں کے مقابل اتنا بڑھنے دیا جائے کہ ان دونوں کے درمیان موازنہ قائم ہو جائے۔

مارکوئیس کو پہلے ہی ٹیپو کے حریفانہ ارادوں کا ثبوت مل چکا تھا اور وہ اس معاملے میں تاخیر کو دیکھی خیال کرتا تھا، وہ جانتا تھا کہ میسور کا خزانہ سے اتحاد ہے۔ اور حیدر آباد کی فوج پر اگر فرانسیسی افسروں کا تسلط رہا، تو جلد یا بدیر وہ بھی میسور کی تقلید کرے گا۔ اس لئے یہ اشد ضروری تصور کیا گیا کہ فوراً کوئی تدبیر عمل میں لائی جائے۔ چنانچہ گجرات میں کلہر کرک پٹک کو ہدایت کی گئی کہ وہ نظام الملک اور ان کے صاحبزادے عظیم الامرا (سکندر جاہ) سے ایسے عہد نامے کے متعلق گفتگو کریں۔ جو زیادہ صاف و

صریح ہو۔ اور جسکی پابندی زیادہ لازمی ہو۔ اس نامہ و پیام کی تفصیل اس کی بیچ کی خط و کتابت میں دیکھی جاسکتی ہے لیکن فوراً عمل درآمد کیا گیا اور وہ کارگر ثابت ہوا۔ اور ویلزلی نے بتا دیا کہ اس میں نہ صرف تدبیر کی بے باک جدت طرازی ہے بلکہ یہ وصف بھی ہے جو بہت کم پایا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے منصوبوں کو کارگر بنانے کے لئے ایسے لوگوں کا انتخاب کرے جو اسی کی مثل حرارت و عزم رکھتے ہوں۔ ان سب میں پیش پیش ایک نوجوان افسر ملکہ نامی تھا۔ اس کی نسبت اسے اپنے بھائی ہمنری سے معلوم ہوا تھا کہ وہ ہندوستانی زبانوں کا بڑا ماہر ہے اور اسکا ہندی سیاسیات کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔

چنانچہ ستمبر ۱۷۹۸ء میں ملکہ کا حیدر آباد میں بحیثیت مددگار تقرر کیا گیا۔ اسکی دانائی و حکمت، اور بہت نہایت مفید مطلب نکلی، اور بعد میں اس کا دور عمل ایسا درخشاں رہا کہ اس کا انتخاب ہزاروں میں ایک ثابت ہوا۔ اسنے بذات خود بہت نمایاں کام کیا تھا اور

یکم ستمبر ۱۷۹۸ء کو حیدر آباد میں ایک عہد نامے پر دستخط ہوئے جس میں شرط یہ تھی کہ نظام الملک کو چھ ہزار سپاہ کی امداد دی جائے۔ جس کے مصارف وہ خود اٹھائیں۔ اس فوج کے ساتھ توپ خانہ بھی ہو، اور اس کے افسر انگریز ہوں۔ فرانسیسی فوج

۱۷۹۸ء ہٹاریکل مینسکرپٹ "پریال کمیشن کی چھٹی رپورٹ۔ سرای۔ اسٹریٹ کے قلمی نسخے میں کرک پٹک کی طرف سے کئی خط ہیں۔

کے افسر اور سپاہی ایک قلم موقوف کر دیئے جائیں۔ اور اس فوج کو اس طرح منتشر اور
 ویرم برہم کیا جائے کہ اسکا وجود کا عدم ہو جائے، "نظام الملک آئندہ کسی فرانسیسی کو ملازم
 نہ رکھیں اور نہ کسی اور یورپین کو تا وقتیکہ کمپنی کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے؛
 یہ تھا عہد نامہ، لیکن اس کی شرائط کی تعمیل مشکل معلوم ہوتی تھی۔ مگر ویلزلی کے نائب
 بھی اسکو مرض عمل میں لانے کے پورے اہل تھے۔ اگر ریمنڈ زندہ ہوتا، تو ممکن ہے
 لڑائی چھڑ جاتی مگر وہ مرجھا تھا، اور اس کا جانشین موسیو پیرن اس معاملے سے الگ
 ہو جانے میں خوش معلوم ہوتا تھا۔ بہر کیف کنٹرل رابرٹس کی صحت اور فرسٹ کی بدولت
 فرانسیسی فوج کے اسلحہ آسانی سے لے لئے گئے اور حیدر آباد میں ایک دفعہ بھ
 برطانوی ستارہ اتہال افق پر نظر آنے لگا اور ٹیپو سلطان کی لڑائی سے پہلے ہی جبکہ ممکن ہے
 کہ کمپنی کو ہندوستان میں اگر سب سے بڑی فوجی کارروائی میں مشغول ہونا پڑتا۔
 احاطہ انداز کا پہلو بالکل محفوظ ہو گیا۔ اور وہ جو کسی زمانے میں خطرہ سمجھا جاتا تھا۔ اب
 انگریزوں کا معاون و مددگار بن گیا؛

ویلزلی کے نظام الملک سے تعلقات کے بیان کو مکمل کرنے کیلئے یہ کہہ دینا چاہئے
 کہ جنگ میسور میں نظام الملک نے ساتھ دیا اور مفتوحہ ملک میں سے انہیں بہت معقول حصہ
 دیا گیا۔ چند روز بعد ایک نئے عہد نامے کی ضرورت ہوئی، نظام الملک کی
 حالت توی تھی مرہٹوں نے نالکیں دم کر دیا تھا۔ وہ ہمیشہ برسرِ پیکار، اور چوتھ کے طلبگار تھے
 اپنے دعووں پر اب بھی زور دے رہے تھے۔ نظام الملک کی سبباً جگہ ریاستوں کو
 جو مرہٹوں کو بھی حراج دیتی تھیں، انہوں نے محاصل کے نہ ادا کرنے پر ورغلا نا تھا۔
 نظام الملک ان ریاستوں پر کوئی دباؤ نہ ڈال سکتے تھے، اس لئے کہ ان کی فوج
 ناکافی تھی، اور برطانوی فوج کو عہد نامے کی رو سے وہ صرف کسی خارجی حملے کی مدافعت
 کے لئے کام میں لا سکتے تھے۔ اور ایک ایسی فوج حسیا کرنا جن پر یورپین افسر مقرر ہوں
 مشکل تھا۔ اور یہ ہر وقت ممکن تھا کہ مرہٹے حیدر آباد پر حملہ کر سکیں۔ مشکل پر مشکل
 یہ تھی کہ فتح میسور کے بعد جو علاقہ ان کے ہاتھ آیا تھا، اُس میں سے بھی وہ کچھ روپیہ
 وصول نہیں کر سکتے تھے اور انگریزوں کا امدادی روپیہ ابھی انکے ذمے باقی تھا؛
 ان وجوہات کے باعث اکتوبر ۱۷۸۲ء میں اتحاد مدافعانہ کی بنا پر ایک عہد نامہ

ہو جس کے ذریعے سے ویلزی نے حیدرآباد کی مشکلات کا خاتمہ کر دیا۔ دکن کی انگریزی فوج بڑھانے کے دس ہزار کر دی گئی، اور اس کو اجازت دیدی گئی، کہ اعلیٰ حضرت نظام الملک کے برخلاف ہر قسم کے حملے کی مدافعت کرے۔ اعلیٰ حضرت نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے تمام منافقین کپنی کے سامنے فیصلے کے لئے پیش کریں گے۔ اور انہوں نے انگریزوں کو وہ تمام ملک لکھدیا جو بیوسلطان سے ہاتھ لگا تھا۔ چنانچہ اس طرح میور کا شمالی حصہ انگریزوں کے قبضے میں آگیا۔ اور اس صورت سے جنوبی حصے کا تحفظ بھی زیادہ یقینی ہو گیا۔ گورنر جنرل کا پہلا کارنامہ فرانسیسی فوج کا منتشر کرنا تھا۔ انگلستان میں اسے بڑی پسندیدہ نظروں سے دیکھا گیا۔ چنانچہ ڈنڈا اس نے اسے لکھا۔

نظام الملک سے تمہارا وعدہ نامہ اس حصہ ملک کے متعلق ہر قسم کے خطے کا قطعاً خاتمہ کر دیگا۔ اور خواہ تم اس معاملے کو اس پہلو سے دیکھو کہ اسکے ذریعے فرانسیسی فوج ہمارے ہمسایہ سے نابود ہو گئی یا اس پہلو سے دیکھو کہ اسکے ذریعے ہمیں کتنی مزید توت محال ہو گئی ہے اور ہمارے مالیہ کو کتنی مدد پہنچی ہے، غرض یہ ہے کہ ہر پہلو سے اس سود سے ہمارے طرح طرح کے فائدے ہیں..... تم نے تو پہلے ہی سمجھ لیا ہوگا، کہ اس معاملے سے مجھے کتنی طمانیت حاصل ہوئی ہوگی جو حقیقت یہ ہے کہ نہایت ہی خوب اور مفید طریقے سے انجام کو پہنچا۔

اعلیٰ حضرت نظام الملک سے معاملات کے دوران میں گورنر جنرل کو فورٹ سینٹ جارج کی کونسل اور گورنر سے لگاتار سابقہ پڑتا رہا۔ مقبوضات پر کپنی کی حکومت میں سب سے بڑی کمزوری یہ تھی، کہ دور سے ان پر نگرانی کرنا مشکل تھا۔ چنانچہ لارڈ مابرٹ اور سر جان شور کے زمانے میں اس نے بہت جبری صورت اختیار کر لی تھی۔ مارٹنگٹن کے لئے متبرکہ ذمہ داری ناقابل برداشت تھی۔ چنانچہ لارڈ کلایو کے گورنر مدراس ہو کر آئے ہی مارٹنگٹن نے اسے ایک خط لکھا، اور اس میں اس کی حیثیت اور فرائض کے متعلق پند و نصائح کا باغ و کھولا، جو بہت آگاہی بخش ہے۔ خط کا لہجہ نرم، محبت آمیز اور دوستانہ ہے، لارڈ کلایو کے تفرکاحال سکر مارٹنگٹن کو سجدہ مسرت ہوئی، لیکن باوجود اس کے اس نے صاف گوئی میں تامل نہ کیا۔ اس نے اس بات پر زور دیا، کہ خط و کتابت میں اخفائے رائے کتنی ضروری چیز ہے۔ اس کے بعد مدراس کے طبقہ بول سدس پروردہ گیری کی آدھوٹے افسروں کو بڑے افسروں کے ساتھ معاملات میں خلل ہونیکے

خلاف سمت حدود و قیود لگائیں، اور کہا کہ عہد و معاہدہ جنگ اور مراحل کے متعلق یا کپینی کے مقبوضات فوجی اور ملکی معاملات میں جھوٹے صوبوں کو کوئی کام نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ انکا فرض صرف اتنا ہے کہ

”وہ ان امور کی تعمیل میں دل و جان سے شریک ہو جائیں جن کے تعین کا اختیار گورنر جنرل اور اس کی کونسل کو ہے، اور نہ ہی جھوٹے صوبوں کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ گورنر جنرل اور اس کی کونسل کے اختیارات کی رسمی اطاعت کے ساتھ اسپر بلا واسطہ یا بلا واسطہ تیر ملا مت بھی برائیں، اور یہ تو ہرگز ان کا منصب نہیں ہے کہ گورنر جنرل مع کونسل کے فیصلوں سے پہلے، خواہ وہ کسی ملک سے متعلق ہوں، خاص رائے قائم کریں یا کوئی صلاح پیش کرنی شروع کر دیں خاص کر ایسے موقع پر جبکہ اس قسم کی مداخلت نہ صرف گورنر جنرل کے منصوبوں کو ٹوڑ دے گی، بلکہ ایسی خرابی اور غلط فہمی پیدا کر دے گی، جو غیر منہج عائدین حکومت اور متضاد صلاحوں کا لازمی نتیجہ ہیں۔ متکبر گورنر جنرل نے اس سے آگے لکھا تھا کہ۔

”خود سنٹ جاچ کی سرکاری مشنوں کا معائنہ اس امر کو صاف و صریح طور پر بتا دے گا کہ اس مملکت غلطی کی طرف حکومت کا کس قدر رجحان طبع پایا جاتا ہے، اور جب سے میں گال میں آیا ہوں، مجھے یہ بہت ہی ضروری معلوم ہوا کہ میں مرض کے اعادے کا سد باب کروں۔

بہت ہی اچھا ہوا جو اس نے شروع ہی میں صاف گوئی سے کام لیا۔ اور حق یہ ہے کہ لارڈ کلائیو نے بھی کمال دانائی اور تحمل سے کام لیا، اور جو حدود اُن کے افسر اعلیٰ نے مقرر کر دی تھیں، اُن سے باہر قدم نہ نکالا۔ اس نے نکتہ چینی کی ”مملکت غلطی“ سے احتراز کیا، اور گورنر جنرل اپنی شاہانہ راہ پر بلا تکلف اور بلا مخالفت چلے گئے اور اپنے دور حکومت کے اختتام تک لارڈ کلائیو جو کجاوے سے روز اول ایسا عہدہ سبق پڑھایا تھا، اُن کا نہایت ادب، انکی نہایت عزت، اور اُن سے نہایت محبت کرتے تھے۔“

لیکن اصل یہ ہے کہ مدراس کونسل سے سچیدگیاں پیدا ہو گئی تھیں خصوصاً نواب ارکاٹ کے معاملے میں حکام کے آپس کے تعلقات ایسے ہو گئے تھے جیسے کہ آر تھرننگ کے بقول مدراس انگلستان کے امریکہ کے ساتھ۔ اُنہوں نے اپنا اصول یہ قرار دے لیا تھا، کہ امریکہ والے نے بہترین سند کو لارڈ کلائیو نے جو خط لکھا وہ بڑے خشک کے نام متفقہ داخل کرنے کے ساتھ سبھا تھا اُسے

دیکھئے مراسلات ویلزلی جلد پنجم ص ۲۲۲

جو کہیں اسکی مخالفت کر دے، لیکن ویلزلی اور کلایو کی سچی دوستی کی وجہ سے اُن کو صل کرنے میں آسانی ہوئی اور مدراس کی حالت بھی جیسی نہ ہونے پائی۔ بمبئی کی کیفیت کا چربہ ویلزلی کے بہائی آرکھر نے (باوجودیکہ انہوں نے اس موقع پر ایک نہایت دل چسپ واقعہ بھی بیان کیا ہے اور عشق و عاشقی کا بھی ذکر کیا ہے) اپنی تطامت کے دوران میں کونسل سے تعلقات کے متعلق ان تلخ و ترش الفاظ میں کھینچا ہے۔

بمبئی کے عملہ حکومت میں دو فریق ہیں، ایک ملکی دوسرا فوجی پھر فوجی کے دو فریق ہیں۔ ایک وہ جو شاہ کے ملازم ہیں، دوسرے وہ جو کمپنی کے۔ حکومت بمبئی کے ہر آدمی کا کام صرف یہ ہے کہ ان دونوں فریق کے لڑائی دنگے میں حصہ لے۔ لفظ یہ ہے کہ ان لوگوں کی گونٹ کی طرف سے بھی ہمت افزائی کی جاتی ہے کیونکہ ان کی باہمی خط و کتابت پر کوئی روک ٹوک نہیں، اور سرکاری مراسلوں میں ان لوگوں کے منفردانہ حوالے اور نام لے جاتے ہیں۔ مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ ان لوگوں میں کوئی چیز کامیاب ہونے والی نہیں، اور میری تو خدا سے یہ دعا ہے کہ ان سے الگ رکھے جائیں۔

تیسری فصل

تسخیر میسور

عام لوگوں کے دلوں میں ویلزلی کی شہرت کا جو سکہ ٹھیکہ گیا تھا، اور اب تک بیٹھا ہوا ہے اس میں بالکل شبہ نہیں کہ اس کی وجہ صرف تسخیر میسور ہے۔ بعض نظائر سے جو بادی النظر میں بے وضاحتی معلوم ہوتی ہیں، ثابت ہوتا ہے، کہ ہندوستانی کمپنی کو ایک بڑی عورت تصور کرتے تھے۔ کمپنی کا طور و طریق ہی ایسا تھا، کہ اس پر یہ نام بڑی خوبی سے پھبتا تھا۔ اہل برطانیہ ہندوستان کے حالات سے بہت بے خبر تھے وہ صرف آشنا جانتے تھے، کہ ہندوستانی ریاستیں دولت سے معمور ہیں، اور ظلم و ستم کی ان میں حد نہیں۔ اور یہ کہ ہندوستان جنت کا

۱۷ "ہو بیے اینڈ ویسٹرن انڈیا" مولفہ جیمس ڈیکلس جلد دوم صفحہ ۴

۱۸ "نومبر ۱۸۰۰ء" انتخاب از مراسلات ویلزلی مولفہ آؤن ص ۳۲

۱۹ لارڈ ویلن شیا کے آنے کی اطلاع ویلزلی کو ان الفاظ میں کی گئی تھی:۔ حضور کی بہن کے صاحبزادے اور منہ پھنی کے پوتے قشرب لائے ہیں۔ نامہ از ویلزلی ص ۲۳

لکھا ہے، جہاں کمپنی نے انگریزوں کو اور مسٹر ڈنڈاس نے اسکاٹ لینڈ والوں کو بھیج رکھا ہے، جو عرصہ دراز تک وہاں رہتے ہیں، اور واپس آتے ہیں تو سوکھ کے کانٹا ہو جاتے ہیں اور بد مزاج و تند خو۔ مگر دولت اُن کے پاس اتنی ہوتی ہے، کہ وہ پارلیمنٹ کے انتخابات کو خرید سکتے ہیں۔ اور بھوکے ننگے رشتہ دار جب اُن کے یہ ٹھکانے دیکھتے تو ان کا دل بھی لپکا جاتا تھا۔ صرف ایک مشرتی سردار ہی یوروپین سیاست کے دائرے میں آیا خواہ اس وجہ سے کہ وہ فرانسیسوں کا اتحادی سمجھا جاتا تھا یا اس وجہ سے کہ بہت سے برطانوی اس کے ہاں قید رہ چکے تھے۔ ٹیبو سلطان کا نام اسکے ظلم و تعدی کی وجہ سے انگلستان میں گھر گھر مشہور تھا۔ انگریزی ماؤن نے ٹیبو کو سچ جچ ہوا بنا رکھا تھا، وہ اپنے شہریر و شوخ بچوں کو اس کے نام سے ڈراتی تھیں۔

میسور میں برطانوی قیدیوں نے جو مصائب اٹھائے ان کا تفصیلی حال کرنل دکنس نے لکھا ہے۔ اور بہت سے انگریزی گھرانوں کو یہ معلوم تھا کہ وہ صبح میں جب جنرل بیرڈ کی والدہ نے سنا کہ قیدیوں کو کس طرح ملا کے باندھا اور کس طرح توپ کے ساتھ ساتھ گھیسے گئے تھے تو اس نے صرف اتنا کہا کہ مجھے اس شخص کے حال پر بہت افسوس ہوتا ہے جو میرے بچے ڈلوئی کے ساتھ بندھا ہو۔ لیکن انگلستان میں بہت کم لوگ ایسے تھے جو اس معاملے کو اتنی بے رخی سے دیکھتے! جب لوگوں کو برطانوی قیدیوں کی مصیبت کا علم ہوا تو، اُن کے ذہن میں اُس سلطان کی طاقت کے متعلق بڑے لمبے چوڑے خیالات گشت لگا لگے، جس نے اتنے انگریزوں کو زہر دیکر مار ڈالا، اور قتل کر دیا تھا۔ حیدر علی نے میدان کارزار میں کمپنی کی فوج کو شکست فاش دی تھی اور ٹیبو سلطان منگلو کی صلح کے موقع پر ۱۷۸۲ء میں ایک فاتح کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اس وقت کے بعد سے پندرہ سال کے اندر اس کی طاقت باوجود کارنوالس سے شکست کھانے کے گھٹتی تو کچھ بڑھتی معلوم ہوتی تھی، لیکن چند ماہ کے عرصے میں دفعۃً اس کی تمام قوت خاک میں مل گئی اسکا ملک بٹ گیا، اس کا خاندان تخت سے برطرف کر دیا گیا، اور برطانوی فوج کو اتنا مال غنیمت ہاتھ لگا کہ اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ برطانوی تخیل میں اس درخشان کامیابی سے چکا چوند آگئی، اور جب لوگ انگلستان میں

دریافت کرتے تھے کہ یہ کام کس کا ہے، اور اینگلو انڈین، ملکی و فوجی ملازموں کی زبان سے بے ساختہ یہی نکلتا تھا، کہ مارنگلٹن کا "تو ایک متفقہ اور متحدہ تصدیق سے تمام انگلستان جوش مسرت سے جاے میں پھولا نہیں سماتا تھا، "ویلزلی" "ٹیپو" "سرنگا پٹم" یہ نام تھے، جو کئی نسلوں تک انگریزوں کے ذہن پر نقش رہے، اور انگریزی تاریخ میں انہیں بقائے دوام حاصل ہو گئی۔

مارنگلٹن کے ہندوستان میں آنے کے وقت میسور کی لڑائی کے متعلق کوئی نقشہ اسکے ذہن میں نہ تھا ڈیڈاس نے اُس کو صرف یہ ہدایت دی تھی، کہ وہ سرنگا پٹم کے عہد نامے (۱۷۹۲ء) کے اصول کے مطابق ہندوستانی فرار واکوں میں توازن قوت قائم رکھے۔ راس امید میں انگریزوں سے جو اس کی گفتگو ہوئی، اور ہندوستانی مراسلات جن کو اس نے راستے میں کھول کے پڑھا، ان سے اس نے تاڑ لیا کہ مذکورہ توازن قوت بہت کچھ درہم برہم ہو گیا ہے، مہارٹھ ریاستوں کی حالت ایسی ابتر ہو گئی تھی کہ اُن سے کسی طرح کا اندیشہ نہیں رہا تھا۔ دولت راکھندھیہا کے لڑکپن نے قوت کی اس برتری و عروج کو متاثر کر دیا تھا، جو اس کے پیشرو و ماد ہو جی نے پیدا کر لیا تھا۔ اندو کی طاقت اس وجہ سے کمزور ہو گئی تھی کہ کیکا جی ہلکر کی گدی کے مدعی آپس میں برسر پیکار تھے۔ البتہ ناگپور میں بہت کس بل تھا، لیکن وہ برطانیہ سے روایہ متحدہ چلی آتی تھی۔ نواب نظام الملک ظاہر پہلے کے مقابلے میں کمزور نظر آتے تھے۔ جنوب یا وسط ہند میں میسور کے علاوہ اور کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو قابل ذکر ہو۔ صوبہ شمال مغربی (موجودہ صوبہ مالک متحدہ) میں اودھ کی کمزوری نہ صرف اپنے بلکہ انگریزوں کیلئے باعث خطر ہو گئی تھی۔ اور زمان شاہ، امیر کابل کی یورش کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔ جس کی قوت نہایت حیرت انگیز سرعت سے بڑھتی تھی، اور جس کے متعلق یہ مشہور ہو گیا تھا کہ ہندوستان کی تمام ایسی ریاستیں جو انگریزوں سے پرفاش رکھتی ہیں، اس کی حلیف بن گئی ہیں۔ ممکن ہے کہ اس خطرے کو مبالغہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہو، لیکن اس میں کلام نہیں کہ ہندوستان کے تمام برطانوی مدبرین اور اعلیٰ افسران فوجی کی نگاہ میں یہ خطرہ لہ ویلزلی کی مراسلات کے علاوہ اس موضوع پر ٹیپو سلطان کے خطوط بھی ہیں، جن کی ترتیب اور ترجمہ کرنل ڈیوکرک پٹرک نے ۱۸۱۷ء میں کیا تھا۔

اصلی خطرے سے کم نہ تھا، اس تمام معاملے میں سب سے زیادہ خطرناک بات زمان شاہ اور ٹیپو سلطان کے درمیان ساز باز تھا۔ چنانچہ مارٹنگٹن نے اس امید سے ہی ڈمکس کو جو خط لکھا، اور اس میں اُن تبدیلیوں کا صاف ذکر کیا ہے جو صلح سرنگا پٹم کے بعد سے ٹیپو سلطان کی حیثیت میں پیدا ہو گئیں :-

سرنگا پٹم کی صلح کے بعد سے اب تک اس کے اندرون ملک میں کامل امن دسکوں ہے اور آغا لیک اس کے گرد پیش کے ہمارے اتحادی اندرونی بغاوتوں، باہمی لڑائیوں اور پیہم انقلابات کے باعث خستہ حال ہیں، اور اب اُن میں بالکل دم نہیں رہا ہے۔ ٹیپو سلطان اپنی قوت مجتمع کرنے، اپنے محاصل بڑھانے، اور اپنی فوج کو تربیت کے اعلیٰ پایہ پر پہنچانے میں مصروف ہے، تھوڑے عرصے سے وہ دیسی طاقتوں کو ہمارے خلاف اگسٹے میں بہت کوشاں نظر آتا ہے۔ یواب نظام الملک سے تو یقیناً اس نے ہمارے خلاف درخواست کی، اور غنیمت الامراء کی غیبت میں، جبکہ وہ پونا گیا ہوا تھا، اس نے حیدر آباد کی بے طاعت سیاست پر بہت گہرا اثر ڈال دیا تھا، اب وہاں اسکا ایک دکیل رہتا ہے، اور بہت سے طرفدار ہیں، جن میں سے بعض کو ریمنڈ کی فوج کے اور بعض احمد الدولہ کے (جو پائیکہ کے فریق کا سرکردہ ہے) سردار ہیں، اور بعض امتیاز الدولہ اور زادہ نو نظام الملک کے ملازم ہیں۔ ٹیپو سلطان نے پونا میں بھی دکیل بھیجے ہیں، مقصد وہی ہے کہ ہمارے خلاف شعلہ خصومت بھڑکائے۔

اس کے بعد اُس نے اس بات سے بحث کی ہے کہ ہمیں دوسری ریاستوں کے ساتھ کیا حکمتِ عملی اختیار کرنی چاہئے۔ پھر لکھتا ہے :-

میں نے اس خط میں ٹیپو سلطان کی ان روز افزوں کاوشوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو اُس نے دیسی طاقتوں کو ہمارے خلاف اُجماع کرنے میں کی ہیں، اور زمان شاہ سے اُس کی ساز باز کا حال بھی بیان کیا ہے۔ اب میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا ہم بلا فہمائش اور بلا نیات ٹیپو کے علانیہ دشمنی کا صبر سے بیٹھے سبے جائیں یا اس معاملے میں میری رائے یہ ہے کہ ایک تو ہم ٹیپو کو خطاب کرتے ہوئے کوئی سخت کلمہ نہ کہیں، اور دوسرے ہم اسکی چالبازیوں پر چٹم پوشی نہ کریں بلکہ اسے بتا دیں کہ اس کی تمام دغا بازی ہم سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور اسے یہ محسوس کرا دیں کہ ہم اسکی تمام باتوں سے باخبر ہیں۔ اسوقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ

جہاں کہیں وہ چاہے جا رہے بر خلاف دشمنی پیدا کرنے کی اسکو اجازت ہے اور ذرا بھی کوشش اس امر کی نہیں کیجانی کہ اسکو ایسی تجویز پراورد دوسری ریاست کو اس تجویز پر کان نہ دھرنے پر زبرد تو بھیج کریں۔

لیکن جب ٹیپو کے فرانسیسیوں سے تعلقات کا راز معلوم ہو گیا، تو اعتدال سے کام کرنا ناممکن ہو گیا۔ وہ کچھ عرصے سے (جیسا کہ ان کا غذات سے معلوم ہوتا ہے جو سرنگاپٹم (سرینگ پٹن میں ملے) ماریشمس کے فرانسیسی گورنر سے خط و کتابت کر رہا تھا۔ ان خطوں میں اسنے ہندوستان کی حالت کے متعلق اسکو مطلع کیا تھا اور ہندوستان پر فوراً حملہ کرینکی تاکید تھی۔ کچھ دنوں تک نورسل درساہل کا سلسلہ جاری رہا، پھر ٹیپو کے سفیروں سے دوبارہ گفتگو کرنے کے بعد ماریشمس کے گورنر نے ٹیپو سلطان کی دعوت کو قبول کیا۔

گورنر مالارٹی نے جنوری میں جو اعلان شایع کیا تھا مارٹنگٹن نے ۲۸۔ جون کو اسے کلکتہ کے ایک اخبار میں پڑھا۔ اس اعلان میں ٹیپو کی امداد کی درخواست اور انگریزوں کے مقابلے میں فرانسیسی مدد کے وعدے و وعید تھے۔ اس میں ٹیپو سلطان نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ اسکی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں، اور فرانسیسی فوج جسکے تمام اخراجات وہ خود برداشت کرے گا فوراً دست و گریبان ہونے کے لئے ہر طرح تیار پائی گئی۔ اور انگریزوں کے خلاف طباہ جنگ بجانے میں وہ صرف فرانسیسیوں کا منتظر ہے، اور اسکی دلی خواہش ہے کہ وہ انگریزوں کو ہندوستان سے باہر نکال دے۔ ان بیانات کی بنا پر اعلان میں اپیل کی گئی تھی کہ لوگ عام طور پر فوج میں بھرتی ہوں، اور ان سب لوگوں کو جو بھرتی ہونا چاہیں، اس امر کا اطمینان دلایا گیا تھا، کہ ٹیپو انھیں بہت معقول تنخواہ اور الاؤنس دے گا۔ اور اسکا تعین اس کے سفیروں کے ذریعے فوج کی روانگی سے پہلے کر لیا جائیگا۔

مارٹنگٹن نے اس اعلان کے پڑھنے ہی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اور مدراس میں جنرل ہیبرس کو فوراً لکھا کہ وہ بھی تیاری شروع کر دے۔ مدراس کے ڈیپوٹ افسروں نے نصیحتوں کا تار باندھ دیا، ان میں سب سے زیادہ جوشیا ویس کی یادداشت تھی۔ جو احاطہ مدراس کی حکومت کا ایماندار اور قابل مقتدا تھا۔ اسنے برطانوی پالیسی کے اصل اصول پر زور دیا تھا، کہ "برطانوی پالیسی" کے اصول کا پابند رہنا چاہئے۔ کہ ٹیپو کی طاقت کو برقرار رکھا جائے اور اس سے نہایت غلام ملک اور مرہٹوں کی طاقت کے توازن کو قائم رکھا جائے

اسکے علاوہ فوجی طاقت کمزوری، ذرائع اور وسائل کو تاہی اور احاطہ مدراس کے دیوالیہ ہونے۔ ٹیپو کے مورچوں کی مضبوطی، انگریزی اتحادیوں کی کمزوری پر توجہ دلائی تھی۔ اس نے لکھا تھا کہ ”مجھے اسکے ساتھ اور کچھ نظر نہیں آتا، کہ ٹیپو کے ساتھ جنگ کرنا چاہیے لے اڑیں مضر ہوگا۔“

یہی اور سب بھی کہتے تھے۔ جنرل ہیئر نے بھی مشکلات کو شد و مد سے بیان کیا، اننگلٹن خود بھی اتحادیوں کی ضرورت سے بے خبر نہ تھا۔ اور وہ مانتا تھا کہ نواب نظام الملک مرہٹوں سے طول و طویل لڑائیاں لڑا کر تھکے کمزور ہو گئے ہیں، اگر ان سے کوئی توقع نہیں کیجا سکتی، رہا پونا، وہاں کا حال بھی یہ ہے کہ خانہ جنگیاں اور سندھیا دونوں کسی علمی مداخلت کی اجازت نہیں دیتے۔ اور وہاں صرف ایک اصول ساری و طاری ہے، کہ حیدر آباد سے نفرت و حقارت کیجائے۔ مگر خوش قسمتی سے وطن سے مدد کی امید تھی۔ جونہی خفیہ کمیٹی کو اس اعلان کی خبر ملی اس نے فوراً ہدایت کی، کہ اگر ٹیپو سلطان کے منصوبے وہی ہیں، جو اعلان سے ظاہر ہوتے ہیں، تو اس کے حملے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ فوراً اعلان جنگ کر کے اس کے ملک پر حملہ آور ہو جانا چاہیے، مارنگلٹن کو یہ خط ۱۸ اکتوبر کو ملا۔ اور اسکو اسی وقت نیپولین کی مصری ہم کا حال معلوم ہوا۔ اب معاملہ بالکل صاف تھا کہ ایک لمحہ بھی بے کار نہیں کھونا چاہیے۔ اس نے مدراس کے حکام کے نام احکام جاری کئے کہ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ حیدر آباد میں فرانسیسی فوج کے موقوف اور منتشر کر کے کا سخت تقاضا کیا، اسکے خطوط سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مقاصد اور ان کے حصول کے ذرائع کا کتنا صحیح خیال اس کے ذہن میں تھا۔ معلوم ہوتا ہے، کہ اصول اور اس کے جزئیات دونوں پر اس کی نگاہ محیط تھی۔ ۱۲ اگست ۱۷۹۵ء کی روداد جو کونسل کیلئے لکھی گئی تھی، اور پچاس صفحوں میں ختم ہوئی تھی، انتہائے جدت طرازی کی بین دلیل ہے۔ صرف وہی اس لئے کافی ہے کہ اپنے مصنف کے دعوے کو ثابت کر دے کہ وہ اعلیٰ ترین درجے کا مدبر ہے۔ مارنگلٹن نے اپنے مقاصد کو مجملہ اس طرح بیان کیا تھا کہ۔

”پہلے تو ہمیں اس تمام سمنہ کے علاقے کو چھین لینا چاہیے، جو ساحل مالا بار مغربی پر گھاٹ

کے نیچے اسکے قبضے میں ہے تاکہ ہم اسکا فرانسیسیوں کے ساتھ سلسلہ رسل و رسائل بند کر دیں

دوسرے میں ساحل کاروماٹیل سے خط مستقیم اس کی دارالسلطنت پر بغاوت کرنی چاہیے،

تاکہ وہ مجبور ہو جائے کہ ساحل مالابار کے مسخر شدہ علاقوں کو باضابطہ طور پر ہمارے حوالے کر کے صلح کر لے۔ تیسرے اُسے مجبور کرنا چاہئے کہ وہ ہمارے مصارف جنگ ادا کرے۔ اور اس طرح ہمیں دوسرا فائدہ حاصل کرنا چاہئے۔ ایک تو اسکی دشمنی کی پاداش میں تاوان جنگ کا، اور دوسرے اپنی آئندہ حفاظت کے خیال سے اس کے محاصل گٹھا دینے کا۔ جو تھے اسے مجبور کرنا چاہئے کہ وہ ہمارے اور ہمارے اتحادیوں کے سفیروں کو مستقل طور پر اپنے دربار میں رکھے۔ اس ترکیب سے ہم اس کی تمام کارروائیوں کی روک تھام بہت کر سکیں گے، اور اسکی دغا بازی کی چالوں کا نوٹ کرتے رہیں گے۔ پانچویں تمام باشندگان فرانس کو اسکی فوجی یا سول ملازمت سے ہمیشہ کے لئے برطرف کر دیا جائے۔ اگر صلح کی جائے تو عہد نامہ ان پانچ شرائط پر مشتمل ہونا چاہئے۔

ان صاف و صیح آرر اور ان فیصل شدہ تدبیروں کو لیکر وہ نہایت سرعت کے ساتھ اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے بڑھا۔ چوتھی نومبر کو اس نے ٹیپو سلطان کو مصر میں برطانوی کامیابی کی اطلاع دی۔ آٹھویں کو اس امید میں کہ اب بھی جنگ رک جائے گی پر شکوہ خط بھیجا، اور اس میں زور دیا کہ فرانس سے اتحاد و ارتباط ترک کر دیا جائے۔ پندرہ اے کے کرسٹس کے دن اس کے پاس ایک خط آیا، جس میں اصل مطلب سے گریز پائی جاتی تھی۔ اور غلط خبروں کی اشاعت فرانسیزیوں کی طرف منسوب کی گئی تھی۔ یہ خط صبح مشرقی انداز حکم پر ختم کیا گیا تھا۔

آپ بڑے سردار ہیں، دوست راسخ ہیں، اور تمام چیزوں کو رو بہ لانے والے، آپ کی قوت فیصلہ نہایت عمدہ ہے اور اس لئے مجھے قوی امید ہے کہ دانا و فرنا نہ اصحاب کے دل شکوک اور بدگمانیوں سے میلے نہ ہوں گے۔ بلکہ میرے متعلق ہی خیال کریں گے کہ میں دل سے اتحاد و دوستی کا خواہشمند ہوں۔ آپ کے خطوط آنے سے مجھے جو مسرت ہوتی ہے اُسے مرعی رکھیے، اور اپنی خیریت مزاج کی حالات سے شاداں کیجئے۔ اور کیا لکھوں۔

ازنگٹن اپنے منصوبوں کی طرف سچے قدم سے بڑھا۔ اس گستاخانہ تحریر کے وصول ہوتے ہی وہ مدراس روانہ ہو گیا۔ ۳۱۔ دسمبر کو وہاں پہنچا اور ۲۔ جنوری ۱۷۹۹ء سے سارے معاملات کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ ۹۔ کو اس نے صاف اور زوردار خط ٹیپو کو لکھا، اور اس میں یہ بھی واضح کر دیا کہ ٹیپو کا فرانسیزیوں سے جو نامہ پیام ہو رہا ہے، اس کا حال اُسے

اچھی طرح معلوم ہے۔ اور صحیح طور پر لکھا کہ وہ انگریزی ایلمی کو اپنے دربار میں رکھے اور کمپنی اور اس کے اتحادیوں سے شرائط صلح کرے۔ اس کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں ملا۔ اور نہ مصر سے ہی فرانسیسیوں کے حشر کی کچھ خبر آئی۔ خطہ بڑھتا جاتا تھا۔ (سلطان ترکی نے خود ٹیموکو خط لکھا، اور آرزوئی کہ وہ برطانیوں سے مل جائے۔ لیکن فرانسیسی اتحاد پر ٹیموکو جواہر مدد بھی اس سے وہ اب بھی دست بردار نہ ہونا چاہتا تھا۔ ٹیموکو کا جواب یہ تھا کہ وہ شکار کھیلنے جا رہا ہے۔ ٹیموکو کا سپاہ نہ لبریز ہو گیا تھا۔ چنانچہ مارنگلٹن نے بھی کچھ دیر نہ کی!) اس میں کوئی کلام نہیں کر سکتا کہ کمپنی کے عہدہ داروں نے ٹیموکو کی قوت کے عروج اور دیگر ریاستوں کے زوال کے متعلق جو رائے قائم کی تھی وہ صحیح تھی۔ اور اس میں بھی شبہ کی گنجائش نہیں کہ فرانسیسیوں سے اس کی یقیناً ساز و بااثر تھی۔ اب صرف دو باتیں ہیں جن پر مسٹر مل نے بہت زور دیا ہے۔ ایک تو یہ کہ "کسا ویلزلی نے جنگ کے اعلان میں عجلت سے کام لیا" وہ طویل میعاد جس میں تاج ویزیر غور کیا گیا اور جنگ کی تیاریاں کی گئیں، ہمارے زمانے کی لڑائیوں کے اعلان جنگ کی میعاد سے نسبتاً اتنی طویل ہے کہ وہ خود اس الزام کو رد کرتی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ تاخیر ہر اعتبار سے ٹیموکو کے لئے مفید تھی، کیونکہ اس سے فرانسیسیوں کی امیدیں زیادہ توی ہوئی تھیں اور اُسے خود وقت ملتا تھا کہ وہ مورچوں کو مضبوط بنائے۔ اگر اس سے جنگ کی ضرورت تھی تو یقیناً دانائی اسی میں تھی کہ جلد سے جلد جنگ شروع کر دی جائے۔

ایک اور الزام بھی ہے اور وہ زیادہ سخت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ٹیموکو ایک دیندار آدمی تھا، اور اس کے مزاج میں بہت اعتدال پسندی تھی۔

(اپنے ملک کے بادشاہ ہونے کی حیثیت سے وہ مشرق کے بڑے سے بڑے تاجدار پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔۔۔۔۔ اس کے وقیعہ سنج دماغ اور نکتہ رس طبیعت نے اس بات کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا اور زیادہ مہذب ملکوں کے تاجدار اس بات کو کم محسوس کرتے ہیں کہ مزدور سی پیشہ لوگوں کی فلاح و بہبود میں ریاستوں کی فلاح و بہبود کا اصول مضمر ہے۔ اور اس لئے اس نے اس بات کو اپنا فرض قرار دے لیا تھا کہ وہ ان کو اونچے طبقے کے لوگوں سے مصروف و مامون رکھے، جن کے ظلم و ستم سے ان لوگوں کو بچانا بڑا مشکل کام تھا۔ چنانچہ کم از کم اس کے حکومت کے نصف اول اور عہدہ عہد حکومت کے دوران میں

اس کے ملک کی نداشت و فلاح نہایت اعلیٰ جانے پہنچے۔ اس کی رعایا ہندوستان میں نہایت خوش حال تھی، ورنہ حاکم انگریزوں اور ان کے باج گزاروں کے ملک، مثلاً اودھ اور کرناٹک، ویران اور غیر آباد ہوئے جاتے تھے، اور صفی دہریاں سے بدتر کوئی مملکت نظر نہ آتی تھی۔

ان مملکتوں سے مقابلے کے متعلق جن پر کمپنی کا اس وقت کوئی تسلط یا ان میں اصلاح کا کوئی اختیار نہ تھا، اتنا کمنا کچھ بھی نہ کہنے کے برابر ہے کہ یہ مل کا کمینہ پن ہے۔ اس بات میں سیاحوں اور باشندوں کی شہادت مسٹر مل کے خود ساختہ بیانات سے بہت بعید ہے۔ برطانوی حکومت کے تحت میں ملک کی روز افزوں ترقی کی ناقابل رد شہادت موجود ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے مسٹر مل نے کن واقعات کی بنا پر اپنے اعلیٰ خیالات کو سلطان میسور کی زراعت پیشہ رعایا پر عائد کیا۔ اصل یہ ہے کہ ٹیپو کے عہد میں محصول اراضی ظالمانہ تھا، اور کاشتکاروں کو حل جوتے کے لئے بڑی بڑی زمینیں اور کرنی پڑتی تھیں۔

تمہید اور جواز غل کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ ۲۲۔ فروری ۱۷۹۹ء کو مارٹنگٹن نے مدراس میں جنگ کے وجود پر اعلان جاری کیا، اور اسی روز جنرل ہیبرس کو کم کے سیاسی انتظام کے متعلق ہدایات بھیجیں۔ ان میں سب سے بڑی بات ایک کمیشن کا تقرر تھا جس کا آرٹھر ویلز کی سرکردہ تجویز کیا گیا تھا تاکہ وہ ٹیپو کی ایسی باج گزار ریاستوں یا رعایا سے نامہ و پیام کرے جو انگریزوں سے مل جانے کی خواہش رکھتے ہوں، اور مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کی تالیف قلوب کریں، اور میسور کے اس قدیم حکمران خاندان میں سے جسے حیدر علی نے بے دخل کر دیا تھا اگر کوئی بچا کھچا فروغ کیا ہو، تو اسے اپنے زیر سایہ لے لیں۔

مارٹنگٹن نے اپنے ایکسچ کے خط میں جو جنرل ہیبرس کے نام لکھا گیا تھا، لڑائی کے مفید مطلب حالات شروع ہونے پر اظہار مسرت کیا ہے۔ کرناٹک کی فوج جسکی ہیبرس کمان کرنے والا تھا، بلا شک و شبہ۔

بہترین موقع و محل پر موجود اعلیٰ قسم کے آلات حرب و ضرب سے کمال طور پر آراستہ کمال درجے کی تربیت یافتہ ہے، اور اسے دافسا نو سامان رسد مہیا ہے، اور یہ بڑی

خوش قسمت ہے کہ اسکے افسرہر شعبہ میں مسلمہ تجربہ اور قابلیت رکھتے ہیں، ایسی فوج نے شاید ہی کبھی سرزمین ہند میں سحر کر آرائی کی ہو۔

اعلیٰ ہذا سائل مالابار کی فوج بھی اتنی ہی عمدہ تھی۔ دونوں کے رسالے زبردست تھے، اور ویلزلی کو توقع تھی، مگر یہ توقع ایک حد تک بہت زیادہ تھی کہ نواب نظام الملک نے جس جوش کا اظہار کیا تھا، اس کا عمدہ نتیجہ نظر آئے، اور مرہٹوں کے مشہور رسالے کی بھی پوری مدد مل گئی۔ جنرل ہیرس کو کامل اختیارات دے دئے گئے تھے کہ وہ سول افسروں کی مزاحمت سے آزاد رہ کر کام کرے، جنہوں نے گزشتہ زمانے میں بہت سی برطانوی ہمنو کا ٹاس کر دیا تھا، جنگ کا مقصد ایک، صاف اور واضح تھا، اور اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں نے عرصہ دراز سے تمام وسائل کا بغور مطالعہ کر لیا تھا جو اسکی روح رواں تھے۔ برطانوی اسٹاف کا ہر فرد بشہرہ رور کے فرائض، جنرل فرائض اور دفاعی مورچوں سے بخوبی واقف تھا۔

اس کے برعکس معلوم ہوا ہے کہ ٹیپو کی فوج کو پچھلی لڑائی میں اسکے بعد قہدار اور تربیت کے اعتبار سے سخت نقصان پہنچا ہے۔ اور ٹیپو کے ہاتھ میں سخت ابتری پھیلی ہوئی ہے اور فوج کا اس پر اعتماد نہیں ہے۔ فرقہ بندی سے اس کے مشیروں میں کھلبلی پڑی ہوئی ہے اور فرانسیزیوں کی مدد نہ پہنچنے، زمان شاہ کے واپس چلے جانے، پونا اور حیدرآباد میں اس کی ساز باز ناکام رہنے، اور ہماری فوجی عمل کی وسعت، ہماری جبلت اور ہمارے لڑائی جوش و طاقت نے اس کی اولالغزبی کو بیکا کر دیا ہے۔

یہ ایک ایسی پھر کاتی ہوئی تصویر تھی، جس کے رنگ و روغن کی چمک دکھانے میں سچا ہی کو بھی باہمت بنا دیا تھا۔ مارٹنگٹن جانتا تھا کہ لڑائی کا تقارہ کسے سبانا چاہئے، اور کسی حالت کے متعلق مسودہ سفارت کس طرح رقم کرنا چاہئے، یا سیاسی حقائق کا زاویہ کس طرح کیسینا چاہئے اس نے ایک بار اور جنگ کی حمایت میں مجلس نظام کو زور و دھمک لکھا، اس سے پہلے ہی اس نے فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیدیا تھا۔ اسی روز جس روز کہ جنگ کا باقاعدہ افتتاح ہوا، جنرل جنرل نے کرنل ہارمر ریئر ٹیڈنٹ پونا کو ایک خط لکھا، اور مختصر لیکن صاف و صریح پیرایے میں اس کو اپنی منشا سے آگاہ کیا۔

توسیع مملکت کا مجھے کوئی خیال نہیں ہے، بلکہ اس جنگ سے میرا دعائرن یہ ہے کہ ٹیپو سلطان کی

بارعانہ کارروائیوں سے اتحادیوں پر جو مرنہ عظیم ٹپا ہے اسکا پرچار اتنا جان حاصل کر لیا جائے، اور اس شہزادے کی سینہ زوریوں اور دغا بازیوں کا سدباب کرنے کی غرض سے معقول ضمانت حاصل کر لی جائے۔ لیکن ان میں سے کسی مقصد کے لئے بھی عام فواید کو نقصان پہنچائے بغیر نامہ پیام نہیں کیا جاسکتا، جب تک کہ سلطان کو بجز اس بات کا اسکا ذکر دیا جائے کہ سرنگاپٹم کی سلامتی معرض خطر میں آچکی ہے۔ لہذا میں نے تمہیہ کر لیا ہے کہ اس کی کسی استدعا پر کان نہ دہروں گا تا وقتیکہ ہم ایسی حیثیت قائم نہ کر لیں، جو اسکی دوستی و بے وفائی کے خلاف کافی دوائی محافظ نہ ہو۔ مجھے کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس غم بالہیم میں پیشہ اور نامہ فروریس میری دل سے مدد و اعانت کریں گے۔

تیسری فروری کو جنرل ہیرس نے کمان لی۔ پانچویں مارچ کو اسکی افواج سرحد میسر میں داخل ہوئیں۔ جنرل ایٹورٹ کے زیر کمان بھی کٹھنٹ ٹرٹھا تاکہ مدراس کی فوج سے مل جائے۔ یہ کوچ فوجی کوچ نہ تھا، اور نہ اُس نے اس مسافت کو اس ترتیب اور باقاعدگی سے طے کیا، جو ایک اچھی تربیت یافتہ فوج کے شایان شان ہے آمد و رفت کے ذرائع کھلے رکھنے کی دقتیں بہت ہیڈ صعب تھیں، اور ان سے زیادہ بار برداری کی، اور ان سے بھی زیادہ رسد کے فراہم کرنے کی۔ اسٹیرٹ لوڈی چرن گھاٹ کی راہ سے چلا اور سیدامیری اور سیداپور کے درمیان اپنی فوج کو خیمہ زن کیا۔ ٹیپو سلطان نے ہمیں اس پر چھاپا مارا۔ مگر اس نے نہایت قتل خون کے ساتھ اُسے پسایا۔ اسکے بعد مدراس اور بمبئی کی متحدہ افواج کان کان ہلی کی راہ سے آگے بڑھیں، ٹیپو سلطان جو شکرت کھانے کے بعد سرنگاپٹم چلا گیا تھا، پھر تھالے پر آیا، مگر اب کے لڑائی کا نقشہ جانے میں متاثر اور غیر متیقن تھا۔ مالوہلی میں آخر کار وہ معرکہ آرا ہوا۔ لڑائی تیز و تند ہوئی، اور میسور کی فوج نے داد و دھجی بھی دی، لیکن فتح کا سہرا پھر برطانوی افواج کے سر ہوا۔ اور ٹیپو سلطان پھر سرنگاپٹم چلا گیا۔ یہ واقعہ ۲۷ مارچ کا ہے۔ ۵۔ اپریل کو جنرل ہیرس محاصرے کے انتظام سے فارغ ہوا اور اسی روز سے باقاعدہ محاصرہ شروع کر دیا۔ محاصرے کا عمل کمال سرعت کیا گیا، اس لئے کہ دیر بہت ہوگئی تھی اور سامان رسد کی کمی محسوس ہونے لگی تھی، محاصرے کی پشت پر جو قلعے تھے، وہ بھی زیر نیلگیں نہیں ہوئے تھے، حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بہادرانہ یورش تھی، اور ہم چیز کو سرعت، قتل و حرکت پر منحصر کر دیا گیا تھا۔

تو پھانے نے فصیل میں جو رخنے ڈالا تھا، وہ تیسری اپریل کی شام کو اندر گھس پڑنے کے قابل تصور کیا گیا، چنانچہ چوتھی اپریل کو میجر جنرل سیرٹ کی زیرِ کمان ہتھ کیا گیا، ”خندقوں سے نکلنے کے سات منٹ کے اندر اندر برطانوی جھنڈا رخنے فصیل پر لہا رہا تھا، مگر فصیل کے اندر بڑی خونریز دافعت ہوئی، ٹیپو سلطان خود وہاں موجود تھا، خوب جی گھول کے لڑا اور عین اسوقت جبکہ انگریزی سپاہ قلعہ کے اندر پہنچی تو وہ زخموں سے بے دم ہو کر مارا گیا۔ انگریزوں کو کامل فتح نصیب ہوئی۔

بیرٹ جو پہلے کی کمان کر رہا تھا، ٹیپو کے ہاتھوں سخت قیدِ بھگت چکا تھا، اور نرم دلی کی لئے بھی بہت شہرت نہ رکھتا تھا۔ لیکن سلاطین کے بچوں کے ساتھ اس کا برتاؤ نہایت اچھا اور فیاضانہ تھا۔ جب اس نے چھوٹے چھوٹے شہزادوں کو لڑتے اور کاسپتے دیکھا، تو اپنی گھوڑی سے دیکھنے والا بیان کرتا ہے، کہ اس کا دل پیچ گیا، دھواے کے وقت اس کی جانب بازی اتنی نمایاں نہ تھی، جتنی کہ اس کی انسانیت و رحمتی، جس کا اس نے اسوقت اظہار کیا۔ وہ شہزادوں کے ساتھ ہر طرح انتہات اور عزت سے پیش آیا اور ان کو بار بار اطمینان دلایا کہ ان کے ساتھ نہ کوئی سختی کی جائے گی اور نہ انکی بے حرمتی کی جائے گی۔ اور ان کو دو افسروں کے سپرد کر دیا کہ انہیں کمپ کے صدر مقام پر پہنچا دیں۔

ٹیپو سلطان کی موت کے ساتھ لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ میسور کے دوسرے قلعوں نے فوراً ہتھیار ڈال دیے، مخلوق نے آقاؤں کی تبدیلی پر بظاہر اظہارِ مسرت کیا مگر دل چلے فراق، ڈھونڈیا و آغ نے کچھ عرصے تک بے قاعدہ لڑائی جاری رکھی۔ آخر شرس وہ آرتھر ویلزی کے ہاتھ سے شکست کھا کر مارا گیا۔

میسور کی تنظیم و تنسیق کے وقت گورنر جنرل کے پیش نظر دو مقصد تھے، اول تو اشد ضرورت

سے محاصرہ کے دوران میں ٹیپو سلطان کی مردانگی کا حال اور اس کی زندگی کے آخری دن کی کیفیت میر حسین علیخان کی فارسی کی تاریخ میں خوب ہے۔ اس کا ترجمہ کرنل مائلز نے کیا ہے، اور علامہ امین میر ترمذی شائع ہوا۔ میر حسین علیخان ٹیپو سلطان کو بڑا بہادر اور شہید تصور کرتے ہیں۔ میر حسین علیخان کیا تمام مسلمانوں نے ٹیپو سلطان کو جی بہادر اور شہید مانا ہے (منہجی تنقید)

سے بیٹس نے اپنی کتاب مسمومہ ”ٹیپو سلطان کے ساتھ جنگ کے خیالات“ میں اس شخص کا نام میجر ایلسن لکھا ہے۔ دیکھو نمبر ۴۲۔

تھا کہ مصارف جنگ کا پورا تاوان لیا جائے۔ اور دوسرے مدارس کو محفوظ کر لیا جائے تاکہ ایسے عظیم خطے کا اعادہ نہ ہو، جو جنوب میں اسلامی ریاست کے قیام و ترقی سے پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن ملک اور قوت کی تقسیم کا کامت شکل تھا۔ نواب نظام الملک اور مرہٹوں کو ان کی امداد و اعانت کا صلہ دینا ضروری تھا۔ نواب نظام الملک نے کچھ قیمتی مدد پہنچائی تھی، اور انکو توقع تھی کہ علاقہ مفتوحہ میں سے بڑا حصہ انہیں ملے گا۔ لیکن اگر ان کو مفتوحہ ملک میں سے کمپنی کے مساوی حصہ دیا جاتا، تو یقیناً ان کی طاقت اتنی بڑھ جاتی، جو مصالح ملکی کے خلاف ہوتی۔ علاوہ بریں اسی تقسیم سے مرہٹوں کے تن بدن میں رشک وحد کی آگ سلگ جاتی ہے۔ برطانوی مرہٹوں نے جنگ میں کچھ مدد بھی نہیں دی تھی، ان کا رویہ محض خادمانہ تعلق تھا۔ لیکن گہڑیاں کے مثل وہ بھی اپنے کو حصہ دار سمجھتے تھے۔ مانیٹگٹن نے ان کے متعلق بڑے انصاف کے ساتھ یہ کیا کہ جو کچھ بھی انہیں دیا جائے گا، وہ کمپنی اور نواب نظام الملک کی طرف سے گھاتے ہیں ان کے ہتھے لگائے گا۔ نواب نظام الملک یا برطانیہ کے برابر ان کو حصہ دینا نہ صرف خلاف مصلحت بلکہ نا انصافی بھی ہے۔

اگر ملک کو اس طرح تقسیم کیا جانا، کہ مرہٹے اور نواب نظام الملک خوش ہو جاتے، تو برطانوی حدود وغیرہ مضوں رہتی تھیں۔ اور مانیٹگٹن اس بات کو بھی مصلحت کے خلاف سمجھتا تھا کہ کمپنی کی مملکت میں دیسی ریاستوں سے نسبتاً زیادہ حصہ شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ مانیٹگٹن نے جیسا کہ اس نے مجلس نظام کو لکھا۔ حسب ذیل اصول پر ملک کو تقسیم کیا۔

ان اہم مسائل کے ہر ایک ممکن پہلو پر نہایت غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پہنچا ہوں میوہ میں ایک علیحدہ مرکزی حکومت کمپنی کے زیر اثر و سیادت قائم کرنا، اور مفتوحہ ملک کی تقسیم میں ایک حد تک مرہٹوں کو بھی شریک کرنا میرے نزدیک بہترین اور محسن ترین طریقے ہیں جن سے تمام فریقوں کو تسلی و تشفی ہو جائے گی اور اس طرح کمپنی کو ایسی فوجی قوت، ایسے تجارتی فوائد، ایسے ذرائع اور ایسے ماحصل حاصل ہو جائیگی جو کسی دوسری تقسیم میں ملنے ممکن نہیں، اور اس کے ذریعے سے ہندوستان میں کامل امن و امان کی کیفیت پیدا کر دی جائے چنانچہ علاقہ مذکور۔

مندرجہ ذیل طریقے سے تقسیم کیا گیا۔

۱۔ انگریزوں نے گنا را کا صوبہ، کو بیٹور، والا پورم اور دیناٹھ کے اضلاع، اور تمام وہ قطع جو مالابار اور کرناٹک کے درمیان زیریں گھاٹ واقع ہیں لے لیا۔ اور اس طرح

کارومنڈل سے لے کر بالابارتیک تمام اقطاع ملک مع تمام ساحل ریاست میسور ان کے قبضے و تصرف میں آگیا۔ اس کے علاوہ قلعہ سرنگاپٹم اور وہ تمام دوسرے قلعے جو گھاٹ کے دروں کے ناکوں پر چھائے ہوئے تھے، انگریزوں کے قبضے میں دیدئے گئے۔

۲۔ نواب نظام الملک نے گوئی گئی، اور گرم کوٹدار کم کٹہ کے علاقے اور پتیل درگ تک تمام اقطاع زمین اور میسور کے تمام سرحدی قلعے اپنے زیر نگین کئے۔

۳۔ مرہٹوں کو ایسا حصہ ملک دیا گیا جو دونوں طاقتوں کے حصے سے نصف سے زیادہ قیمت رکھتا تھا، لیکن شرط یہ تھی کہ پیشوا فرانسیسیوں کے خلاف صاف و صیح معاہدہ کرے، اور کمپنی کی مرضی کے بغیر کسی یورپین کو ملازم نہ رکھے، اور میسور میں جو ریاست قائم کیا جا رہی تھی، اس کی استواری اور استحکام کی ضمانت دے۔ پیشوا نے غیر معمولی اندھے پن سے اس شرط کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ اس کے حصے کو انگریزوں اور نواب نظام الملک نے آپس میں بانٹ بھی لیا۔

۴۔ ٹیمپو کی بقیہ مملکت جو اب شرفاغر با کمپنی کے ملک سے گھری ہوئی تھی، اور شمال میں قلعوں کا ایک سلسلہ اس کی حفاظت کرتا تھا، قدیم ہندو راجہ کی اولاد کو دیدی گئی جنہیں حیدر علی نے بے دخل کر دیا تھا۔ ہندو راجہ کو گتسی پر بٹھانے میں ایک سیاسی مصلحت تھی، اس سے ہندوؤں کی تالیف قلوب مقصود تھی جو اسلامی حکومت سے نفرت بھی کرتے تھے، اور ڈرتے بھی تھے۔ لیکن سرنگاپٹم کے عبداللہ نے جس پر ۲۲ جون ۱۷۹۹ء کو دستخط ہوئے تھے، نئے راجہ کی حکومت کو برطانیوں کا بالکل ماتحت کر دیا، اور جس طاقت نے اُسے گننامی سے نکال کر تاج و تخت دیا، اسکا وہ اسدر جہ رہیں منت و ممنون احسان ہو گیا کہ اُس نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔

ملکی تقسیم کا معاملہ ایک کمیشن کے سپرد کر دیا گیا تھا جس میں مارنگٹن کے بھائی آر تھروڈ ہنری شامل تھے، آر تھروڈ نے جنگ میں خاص امتیاز اور شہرت حاصل کی تھی۔ کمیشن کی کاروائی ختم ہونے کے بعد کرنل کلوز میسور کا ریزڈنٹ مقرر ہوا۔ اور آر تھروڈ ویزلی اس فوج کا جواہر چھوڑ کر گئی تھی سپہ سالار کیا گیا۔

مارنگٹن کے لئے یہ موقع حقیقی فخر و مباہات کا تھا، اس لئے اسکی دلیری اور مرعہ عمل نے ایسے عمدہ نتائج پیدا کئے تھے۔ اس کے ہندوستان میں آنے سے ایک سال پہلے

یہ ناممکن معلوم ہوتا تھا کہ کمپنی کسی طرح ٹیپو سلطان کی طاقت کو اس طرح تہہ بالا کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ لیکن مارٹنلٹن کی اولوالعزمی نے صرف دو ماہ میں نہایت سہولت سے اس ہم کو اتمام کو پہنچا دیا۔ اس نے مجلس نظام کے نام ایک مراسلہ میں ان فوائد کا جو اس فتح سے حاصل ہوئے ذکر کیا ہے۔ اس کی زبان ایسی ہے کہ اسکی ستانت و سنجیدگی میں بھی فخریہ انبساط اور مسرت نظر آتی ہے۔ مارٹنلٹن کو جن فوائد کی توقع تھی حسب ذیل ہیں۔

کمپنی کی اراضی میں دولاکھ اسیٹھ ہزار پونڈ کے محصول کا فوری اضافہ ہوتا تھا جو نوادہ ملک کی سالانہ رقم کی افزونی، اور اراضی کی عمدہ کاشت کی بدولت بہت جلد مارٹنلٹن کے تحفے کے بموجب دس لاکھ پونڈ سالانہ سے اوپر ہو جاتی۔ صوبہ کرناٹک کی اب کامل مدافعت کی جاسکتی تھی، چارم ٹیپو سلطان کی قیود اٹھ جانے سے انگریزی تجارت میں بہت بڑی توسیع کا امکان ہو گیا تھا، اب کمپنی کی فوج کو خوب ترقی دی جاسکتی تھی، اسلئے کہ ایک تو سامان رسد اور دوسرے آدمی بھرتی کرنے کے لئے نئی زمین اور نیا ملک ہاتھ آگیا تھا اور نوادہ صرف یہیں ختم نہیں ہوتے تھے بلکہ جیسا کہ اس نے مراسلت میں بیان کیا کہ۔

محاصل اراضی، تجارتی اور فوجی ذرائع کے متعلق فوائد کی تو میری نگاہ میں بڑی قدر ہے، لیکن میں اپنے حق میں ریاست میسور کے قیام کو بھی اسی کے برابر سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس سے آپکی سیاسی وقعت اور آپ کا اثر ہندوستانی ریاستوں میں ایک گونہ بڑھ جائے گا۔ معہذا آپ کی رعایا اور آپ کے متوسلین میں مضابطہ اور امن و سکون قائم رکھنے کے ذرائع میں توسیع ہو جائے گی، اور آپ اپنی مقبوضات کو دشمنوں سے خواہ وہ یورپین ہوں یا ایشیائی محفوظ رکھ سکیں گے۔

اور سب سے آخر میں گورنر جنرل کی پیش بینی کے مطابق اس جنگ نے فرانسیسی اثر کو ہندوستان سے قطعاً نازل کر دیا۔

میسور کے قلعے اور اسکے حقیقی نتائج کے متعلق ایک اور بات بہت ضروری ہے۔ اسوقت بمقابلہ اور تمام ریاستوں کے جو انگریزی سیادت میں آچکی تھیں، میسور میں کمپنی کی طاقت کی دھاک زیادہ بیٹھ گئی تھی، اس کی وجہ مارٹنلٹن کے خط میں یہی ہے کہ۔

ادومہ، کرناٹک اور تنجور میں دو علی اور متضاد حکام کی بدولت ایسی دقتیں اور الجھنیں پیدا ہو گئی تھیں کہ میں نے تمہیہ کر لیا تھا کہ آئندہ کمپنی کے لئے نہایت وسیع اور ناقابل گرفت

اختیارات مخصوص کر لئے جائیں۔

راجہ چونکہ انگریزوں کا آورہ تھا، اس لئے ان کا حلقہ بگوش تھا۔ بادشاہت عملاً میسور کے فائین کے ہاتھ تھی۔ زمانہ مستقبل نے مارنگٹن کے اس طرز عمل کی دانائی کی پوری تصدیق کر دی، آرتھر ویلزی نے ۱۸۰۱ء میں لکھا تھا،

راجہ کی حکومت نہایت سرسبز اور کامیاب حالت میں ہے۔ ملک کی رونق اتنی بڑھتی جاتی ہے کہ آبادیاں گل و گلزار معلوم ہوتی ہیں مخلوق جوق جوق ان مقامات پر واپس آرہی ہے۔ جہاں سے اس وحشی نے انہیں ترک وطن پر مجبور کر دیا تھا..... میسور ایک خوبصورت اور بڑا شہر ہوتا جاتا ہے آبادی سے کچا کچھ بھر گیا ہے۔ اور تمام ملک میں امن و عافیت قائم ہو گیا ہے۔ مجھے یقین ہے، راجہ کا خزانہ پر ہے، وہ اپنی قسطیں باقاعدہ ادا کر رہا ہے پورنیا (میسور کا وزیر اعظم تھا اور جسے انگریزوں نے دیوان کی حیثیت سے بحال رکھا) ملک کی آئندہ صلاح و بوسودی اور افزائش محاصل کے لئے کوشاں ہے۔ اس نے بے شمار تاباںوں کی مرمت کرائی ہے بہت سے قصبوں اور قلعوں کو از سر نو تعمیر کرایا ہے۔ اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ تمام ملک میں تقاویاں دے دے کر اور معافیاں کر کے لوگوں کی ہمتیں بڑھاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ راجہ کی بحالی توقعات کے مطابق ثابت ہوئی۔ اور آثار و قرائن کہتے ہیں کہ اسکی خوشحالی مستقل ہوگی۔“

آرتھر نے ۱۸۰۲ء میں پھر ایک سرکاری مراسلت میں گورنر جنرل کو نئی ریاست کی حالت کے تفصیلی حالات بطور مبارک باد لکھے۔ اسکے دو سال بعد اس نے پھر لکھا، کہ۔

میسور کی حکومت کی جو حالت ہے، اور برطانوی افسروں اور حکومت میسور میں جو محبت آئینہ اتحاد و ارتباط قائم ہے، اور برطانوی حکومت کی جدید مشکلات میں ریاست نے جاہم تعدیت اور حقیقی مدد دی ہے، وہ ان اصول کی دانائی کی زبردست شہادت ہے جن پر ان تعلقات کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

سرنگاپٹم کی تسخیر کے خیر جب ہندوستان میں پھیلی ہے، تو برطانوی آبادیوں کے جوش مسرت کا لھکانا نہ رہا تھا۔ مبارکباد اور تمنیت کے خطبات کی گورنر جنرل پر بارش ہونے لگی اور اگر وہ اجازت دیتا تو تحفہ تحائف کی بھی ریل ریل ہو جاتی۔ ایک عظیم الشان جلسے میں اہل مدارس نے چوبیس سال تک مسلم سرفروشنوں کے خوف سے عالم یم ورجا میں رہے تھے، فغ کی خوشی میں

ایک فصیح و بلیغ خطبہ نہایت جوش و خروش، مسرت و انبساط کے ساتھ پیش کیا۔ اس میں مرقوم تعالٰیٰ پیش بینی اگر ذرا کوتاہ ہوئی، یا طاقتِ طاقت ہوئی، تو اسے سلطنتِ میور سے لڑائی کی مشکلات، حدودِ جہِ خوف زدہ کریتیں، لیکن یہ حضور ہی کا دل گردہ تھا، کہ مشکلات کی نوا اور بلیغ کو جانچا، اپنی قوت کا صحیح اندازہ کیا، اور ایسے وقت میں عمل شروع کیا، جو لڑائی کی جان تھا، اور فرہمی ساز و سامان جنگ کے ساتھ فوج اور ان کے افسروں میں جوش اور اتحاد کی ایسی روح پھونکی جو لڑائی کی اہمیت اور بہت سے مطابق تھی، حضور کی اس تمام کارروائی کا جو نتیجہ پیشو سلطان کی طاقتِ خاک میں طے نہیں نکلا، اس سے اب ہم قیادوں و قیاموں میں، اس کی خصوصیت کی خدمت اتنی بڑھ گئی تھی، کہ اب مصلحت مناسب ہی نہیں رہی تھی، انگلستان کے جانی دشمن سے اسکی دیوانہ وار محبت نے جھگ کو ناگزیر کر دیا تھا، یہ فتح و نصرت جو عاطفتِ الہی میں پاکلی زیر کی و دانائی اور فوج کی شجاعت و بسالت کی بدولت جس سرعت و محبت سے حاصل ہوئی ہے، انکا نقش ہمارے دلوں پر نقش ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نصرت اپنی اہمیت کے اعتبار سے برطانوی باغ ہند میں پناہ نظر نہیں رکھتی۔ اس فتح کی عظمت سے حضور کی حکومت کے متعلق جلال و فتح کی ایک لہر دوڑ گئی ہے، ان وسیع اثرات سے میں یقین کامل ہے، کہ حضور کا دور حکومت تمام ہندوستان میں سچا امن اور غیر متزلزل سکون قائم کر کے ختم ہو گا۔

علیٰ ہذا عجبی کی اطاعت اور فرماں برداری اس سے کم نصیب نہ تھی۔

اس فتح کے نتیجے میں جس کی تکمیل ایسی بے مثل سرعت کے ساتھ ہوئی ہے، جبکہ اہمیت اپنا جاب نہیں رکھتی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ظالم اور بے رحم دشمن کو بالکل نیست و نابود کر دیا اس فتح سے بے ہام ملک اور بیش قیمت طاقت ہمارے ہاتھ لگ گئی اس فتح سے ہمارے ہندوستانی اتحادوں کی طاقت خوب بڑھ گئی اور ایک تنہا ہی انگیز اتحاد کا قطعِ جمع ہو گیا۔ اس سے نہ صرف ہمیں آئندہ زمانے میں اندرونی امن و عافیت میسر آئیگی، بلکہ اس نے ہکو خارجی حملے اور ظلم و ستم کے اندیشے سے آزاد کر دیا۔ اور اب اچھی طرح ہمیں یقین ہو گیا کہ ہندوستانیوں کی و غایاریوں اور سازشوں کا خاتمہ کر دے گی جو انگلستان کے جانی دشمن ہیں، اور جو تمام عالم کی آزادی، امن و عافیت اور حکومت کے بھی عام دشمن ہیں۔

کلکتے نے جو کسی سے کم خوش نہ تھا، ذرا اپنے تئیں الفاظ سے کام لیا اور بیان کیا کہ انگلستان ان تمام عظیم الشان و لامعات کے برے کار آئے میں حضور کی تیز، عزم و بہمت،

اور وانا کی کار میں منت ہے۔“

ہلا مارا اور دارلعمام نے بھی اسی قسم کے الفاظ میں ایک زبان ہو کر شکر ادا یہ کیا۔ اور گورنر جنرل کی وانا کی قوت فیصلہ اور عزم بالہجم کی تعریف و توصیف کی۔ علی ہذا ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی اطاعت پذیر زبان میں اپنے ملازمین کے کارناموں کا اعتراف کیا۔

مارنگلٹن کے دل کو جو بات بلاشبہ سب سے زیادہ عزیز تھی وہ فوج کی غیر محدود اور قابل فکر ستائش اور اطاعت تھی۔ یہ بات بہت کم دیکھنے میں آئی ہے، کہ کسی فوجی کامیابی کی تمام وکمال عزت اور شرف کسی سول افسر کو دیا جائے یا یہ کہ سپاہی عزت فتح میں کسی غیر سپاہی کو شریک کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن مارنگلٹن نے کچھ اس قسم کا دونوں میں گھر کر لیا تھا، جو میٹ کی خدا داد جدت و سطوت کو حاصل تھا۔ فوج نے اُسے سینٹ پٹرک کے خطاب کا ستارہ اور نشان پیش کیا، جو ٹیپو کے جواہر ت سے بنایا گیا تھا، جنرل ہیرس نے یہ تحفہ ارسال کرتے وقت عرض کیا:۔

یہ سرت بخش فرض انجام دیتے ہوئے میں نہایت فخر کے ساتھ اس احساس کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس جہم میں متم باشندان کامیابی خدا کے کرم سے حضور کے مشورہ کی سبق آموز دانائی اور مخصوص عزم و ہمت کے طفیل حاصل ہوئی ہے۔ حضور کی کارفرمائی نے ہندوستان میں ایک یادگار زمانہ اس قائم کر دیا ہے، اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ کہنی کی روز افزوں خوشحالی کے لئے نیا منہج پیدا ہو گیا ہے، اور اب مشرق میں سلطنت برطانیہ کے عالمگیر اغراض و فوائد نے ایک مستحکم اور پائیدار بنیاد پر ایسی رفعت و منزلت حاصل کر لی ہے۔ جو اب تک کبھی خواب میں بھی نہیں آئی تھی۔ اور ان بیش بہا فوائد کے حاصل کرنے میں جو رفعت اور شہرت حضور کی سعادت سے مجھے نصیب ہوئی ہے، اس سے میرے دل میں امتنان و شکر کا دریا

اٹھ اٹھتا ہے، جس کے ادا کرنے سے زبان قلم قاصر ہے۔

اس تحفہ عظیم کا استقبال عجیب ہوا۔ گورنر جنرل نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ قانون اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے بعد جب ڈنڈا اس نے اسے لکھا کہ کہنی اسے مال غنیمت میں سے، پندرہ لاکھ روپے کا نذرانہ دینا چاہتی ہے تو اس نے اسے لینے سے پھر انکار کر دیا۔ اور جواب میں کمال عظمیٰ سے لکھا کہ میں اسے ہرگز پسند نہیں کرتا کہ فتح میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا ہے، اس سے سپاہیوں کو محروم کر دیا جائے کیونکہ

جب مجھے اس بات کا خیال آئے گا کہ میں نے دولت ان لوگوں کی بدولت سمیٹی ہے جو میری غیر مہذب محبت و نعمت اور شکر کے مستوجب ہیں، اور جو انصافاً بالکل ان جہان انعام و اکرام کے مستحق ہیں جو ایک شکر گزار ملک اور فیاض بادشاہ ان پر بھیا کر رہے ہیں تو میں اپنے آپ کو نہایت ہی بدبخت اور نامراد سمجھوں گا۔

ڈاکٹر کٹروں نے اس کے اس طرز عمل کو پسندیدہ نظروں سے دیکھا، لیکن اچھے ساتھ ہی بیس سال تک کے لئے پون لاکھ روپے سالانہ کا وظیفہ اس کے نام جاری کر دیا۔ اور خواہش ظاہر کی کہ وہ فوج کے تحفے کو قبول کر لے گا۔

ایک دوسرا انعام جسکی اس کی نگاہوں میں حدودِ جد و جہدِ نعمت تھی، تاج کی طرف سے سالانہ ۶۰۰۰ میں عطا کیا گیا۔ یہ اپنی نوعیت میں انوکھا تھا۔ یعنی اسے تمام افواجِ بلادِ ہند کا کپٹن جنرل اور کمانڈر انچیف (سپہ سالار) مقرر کر دیا۔ یہ ایک ایسا امتیاز تھا، جس سے اس کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اور اس نے فوراً تمام فوجی علامات و اختیارات پر کاربند ہونا شروع کر دیا، اسے بابرک پور میں رہنے میں خاص لطف آتا تھا، جہاں فوجی لوگوں سے وہ ہر وقت گھبراہٹا تھا اور جب موقع ملتا تو وہ لڑائی کے نقشے بنایا کرتا۔ جس سے زیادہ دور بینی اور باہر نہ قابلیت کے ساتھ کوئی سپاہی ہندوستان میں اُن کو تیار نہ کر سکتا تھا۔ شان و شکوہ کا وہ اتنا دلدادہ تھا اب حد سے گذر گئی تھی۔ باڈی گارڈ جس پر اس نے اتنا سامان کر فر صرف کیا تھا اب اس پر اس کا دوہرا حق ہو گیا تھا۔ مگر اس وقت اور اپنے دور حکومت کے آخر تک اس باڈی گارڈ کے سپاہی اسکو پوجنے کے لئے تیار تھے۔ اور وہ بھی اس کی کمان کرنا اپنے لئے عظیم ترین اعزاز خیال کرتا تھا۔

یہ تھے وہ انعامات جن کی وہ بہت قدر کرتا تھا، لیکن اپنی خدمات کی جس قسم کے اعتراف کی اسے توقع بلکہ آرزو تھی، وہ پوری نہیں ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ ڈیوک یا انگریزی طبقہ امراء میں سے کوئی اعلیٰ مرتبہ اسکا عین صلہ ہے۔ پٹ نے اسے لکھا تھا، کہ اس کو انٹرکینٹ کا مارکویس بنادیا جائیگا۔ اور ساتھ میں وہ تمام محبت اور پیار کی باتیں بھی کہیں جو ایک دوست دوست کے ساتھ کر سکتا ہے لیکن پارلیمنٹ نے جواب میں نہایت تلخ شکایت آمیز خط لکھا، کیونکہ جو چیز وہ چاہتا تھا وہ اسے نہیں ملی تھی۔

اس کی بیہودہ خود رانی اور خود غمانی کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اتنا کہ اصل حقیقت

سے بھی بڑھ گیا ہے۔ جائز طور پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ جو خطاب اور اعزازات سے ملاؤ مدت خدمت کی کمی کے مقابلے میں کیا کافی نہیں تھا؟ لیکن گورنر جنرل کی نگاہ میں یہ معاملہ بالکل ہی جداگانہ نظر رکھتا تھا۔ آئرلینڈ کے طبقہ امراء کے مزاج میں ایک درجہ کا بڑھنا، ارل آف مارنٹون سے مارکوکس آف ویلزلی ہو جانا، اس کی نظر میں ایک نہایت ہی قلیل صلہ تھا۔ پست بلے فل فٹس امیر (لارڈ) بنارہا تھا، اس لئے مارنٹون کی خدمت کے اعتراف میں کوئی خصوصیت نظر نہیں آتی تھی، اور اس کی فتوحات کے مقابلے میں یہ عزت بالکل معمولی سی بات تھی۔ کامیاب سوداگر، اچھے ووٹ دینے والے، ہاں میں ہاں ملانے والے، دو ہتھکنڈ لوگوں سے دارالامرا بھر دیا گیا تھا۔ ویلزلی نے ایک یورپین جنگ کے میدان کو ایشیا تک پھیلنے سے روک دیا تھا، اس نے ہندوستان کی سب سے زیادہ خوفناک طاقت کو بالکل تباہ کر دیا تھا۔ وہ محسوس کر سکتا تھا کہ اس نے ایک سلطنت پیدا کر دی۔ اور ان تمام خدمات کا صلہ یہ تھا کہ آئرش امیروں کے طبقے میں ایک درجہ کا اضافہ عطا کیا جائے۔ اس کے والد کو معمولی بیرن سے ان خدمات کے صلے میں ارل بنا دیا تھا، جسکی جستجو میں ہر ایک شخص حیران و پریشان رہ جاتا۔ جلیل القدر نائب حکومت کو اپنی قسمت پر رونا آتا تھا، اور وہ اپنے بچ کو چھپا بھی نہیں سکتا تھا۔

چوتھی فصل

کرناٹک، تنجور۔ اودھ

برطانوی طاقت کی باجگزار ریاستوں میں سے ایک بڑی ریاست کرناٹک تھی۔ لیکن یہاں انگریزی بستیوں کے شرع ہی کے زمانے ہی سے ابتری اور بد نظمی پھیلی ہوئی تھی۔ اور جتنا زمانہ گزرتا گیا، یہ ابتری اور بد نظمی او بچی بڑھتی گئی۔ سلسلہ مذا کی پہلی کتابوں میں نواب کرناٹک اور کہنی کے تعلقات تفصیل بیان کیے جا چکے ہیں۔ یہاں سر آر تھر ویلزلی کی یادداشت کے چند فقرے اس تفصیل کے اجمال میں کافی ہوں گے۔ جو اس نے ۱۷۸۷ء میں اپنے بنائی کے عہد حکومت کے دوران میں ہندوستان کی حالت پر

لکھتے تھے جو

ان کا عام مقصد ہمیشہ یہ رہا ہے کہ کمپنی کو نالاک کی حفاظت کرے، اس شرط پر کہ نواب کرناٹک کمپنی کو حفظ امن کی مقررہ رقم ہر مہینہ باقاعدگی سے ادا کرتا رہے اور یہ کہ نواب کسی خارجی طاقت سے کوئی سیاسی خط و کتابت نہ کرے، اگر کرے بھی تو کمپنی کے توسط سے یا اس کی منظوری سے۔ کمپنی نواب کے داخلی امور سے کوئی سروکار نہیں رکھے گی۔ ۱۸۹۱ء کے آخری عہد نامے میں یہ شرط خاص طور پر درج کی گئی تھی کہ اگر مقررہ ہدیہ حفظ امن کی ادائیگی نہ ہو، تو بعض اضلاع کمپنی کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔

اس سمجھوتے کی ایک شرط کا بھی تقریباً لحاظ نہیں کیا گیا، ایسی بے مبالغہ کاری کا رواج رکھنا ناممکن تھا۔ اور گو کمپنی کو نواب کی ریاست کے داخلی امور میں مداخلت کا کوئی حق نہیں تھا، لیکن کرناٹک کی انتظامی حالت اس درجہ بہتر تھی کہ مداخلت علی التواتر ضرور درسی تھی۔ ہر حفظ امن ایک ایسا بات تھا کہ مالیہ کانسٹیت کفایت شعاری اور احتیاط سے اہتمام ہی اس کی برداشت کر سکتا تھا، لیکن وہاں نہ کفایت شعاری کو مد نظر رکھا جاتا تھا، اور اہتمام کا تو ذکر ہی کیا:۔ نواب جن کی ذلت قابلِ رحم تھی ہمیشہ قرض خواہوں کے پٹے میں پھنسے رہتے تھے اور اس سے نکلنا ان کے لئے ناممکن تھا۔ وہ کمپنی کے ملازموں سے تین فیصدی ماہانہ سود کی شرح پر روپیہ قرض لیتا تھا، حالانکہ اس کا یہ فعل کمپنی کے احکام کے عین منافی تھا۔ اولے سود کی ضمانت میں یہ بد نصیب نواب مجبور تھے کہ اپنے قرض خواہوں کے سپرد بڑے بڑے قسطے کر دیں، لیکن اس طور سے کہ انھیں اضلاع کا محض قرض مقرر کر دیتے تھے۔

ویلنگٹن کہتا ہے کہ ”یہاں ایک ایسا نظام قائم ہو گیا تھا، جس کا نتیجہ نہ صرف یہ تھا کہ اس سے نہ صرف ملک کے باشندوں پر ظلم ہوتا تھا، بلکہ اس نے نواب کو مفلس و قلاش اور کرناٹک کے مداخل کو تباہ کر دیا تھا۔ لیکن یہ تمام تباہی کمپنی کے ملکی اور فوجی ملازموں اور برطانوی رعایا کے ہاتھوں عمل میں آئی تھی۔“ یہ تباہی جتنی یہاں مذکور ہوئی، اس سے کمیں زیادہ تھی، اس لئے کہ انگریز شرفا کا ایک گروہ نواب کے قرض خواہوں کی حیثیت سے اس میں ملوث تھا، اور اسلئے اس شرمناک صورت حالات نے یہ کیفیت مسٹر سٹرن کی آؤن کی قابلِ تعریف کتاب ”موسمہ“ انتخاب مراسلات و بلز“ سے اخذ کی گئی ہے۔

کو قائم رکھنا چاہتا تھا۔ ۱۹۰۲ء کے عہد نامہ میں یہ حکم تھا کہ وہ اضلاع جو کمپنی کو ہدیہ حفظ امن کی ضمانت کے طور پر دیئے جا چکے ہیں، کسی دوسرے کے نام منتقل نہ کئے جائیں، لیکن چونکہ نواب کو ان اضلاع کی بمبودی کا محض اسوجہ سے کہ وہ منتقل ہو چکے تھے، بمقابلہ دیگر اضلاع کے بہت کم خیال تھا، اس لیے ان کے دوبارہ انتقال میں انھیں کوئی تامل نہیں ہوتا تھا، اور نہ ان کے قرض خواہان انھیں لینے میں ہچکچاتے تھے، کیونکہ یہ ریاست کرناٹک کے سب سے زیادہ زرخیز علاقوں میں سے تھے۔

ان خدایوں کو نہ تو لارڈ کارنوالس اور نہ سر جان شور دوکر سکے، لارڈ مارنٹلٹن کی گورنری کے ابتدائی زمانے میں ٹیپو سلطان سے جنگ کے باعث حالات اور بھی پیچیدہ ہو گئے تھے۔ ۲۴۔ اپریل ۱۷۹۹ء کو مارنٹلٹن نے نواب کرناٹک کو ایک خط لکھا اور اس میں یہ بتایا کہ مسور سے جنگ کا اعلان ہونے کے باعث ۱۷۹۲ء کے عہد نامے کی رو سے کمپنی کے لئے یہ بات لازمی ہو گئی ہے کہ وہ کرناٹک کی نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لے اور اسکا داخل خود ہی چل کرے۔ اس نے گذشتہ عہد ناموں کی نقیض کی طرف بھی اشارہ کیا تو بہ منقطع کی، اور ایک نئے عہد نامے کے کے عنوانات تجویز کئے، جن کی رو سے کمپنی کے تحت میں بلا شرکت غیرے چند خاص اضلاع آتے تھے۔ نواب نے جب سرنگاپٹم کی تسخیر کا حال سن لیا تو مسہرئی کو اس کا جواب کچھ تاخیر کے ساتھ ایسا دیا کہ جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ ان مشکلات کے تصفیے سے بچنا چاہتے ہیں۔ لیکن خوبی قسمت سے سرنگاپٹم کی تسخیر کے بعد ویلزلی کے پاس ایسی چیز آگئی کہ وہ نواب کی گریز پائی کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ ٹیپو کے خطوں میں نواب محمد علی اور عہدہ الامراء کے حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے نام ایسے خطوط ملے، جنھوں نے صاف صاف برطانویوں کے ساتھ ان کی دغا بازی کو ثابت کر دیا۔

میں نے کہا ہے صاف صاف لیکن جیسے ملز کہتا ہے کہ نواب کے ان ایملچیوں کے بیانات پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، جو ٹیپو سلطان کے پاس گئے تھے اور جن کی بد میں

۱۔ متفرق خطوں کے قلمی نسخے ایذا آئیں، محفوظ ہیں، انکی انیسویں جلد میں ۱۸۰۰-۱۷۹۹ء کے لکھے ہوئے نواب کے متعدد خطوط ہیں، جو گورنر جنرل مسٹر ڈنلس اور لارڈ کلایو کے نام ہیں۔ ان میں نواب نے اپنے قرضوں کی اور اپنی مصیبت کی حالت بیان کی ہے، اور مختلف امور طے الخصوص لارڈ ہابرٹ کی حکومت کی بعض تبلیغ کا وعدہ انھوں پر صدائے احتجاج بلند کیا ہے۔

تفتیش کی گئی تھی کیونکہ انہوں نے کوئی بات اہم نہیں بیان کی اور یہ کہ خطوط سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی اور یہ کہ بھیڑ بکھڑ کو مارنے کے لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر لیتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نواب ایک معصوم بھٹیڑ نہیں تھی، بلکہ وہ ایک مکار اور گناہگار بھٹیڑ سے ملتی جلتی بھٹیڑ تھی۔ جن واقعات کا دل خود مقرر ہے، اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب کے ساتھ کوئی چال نہیں چلی گئی۔ شہادت کی جرح و قبح کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا گیا تھا، جیسے مسٹر ویب اور کرنل کلوز تھے۔ یہ دونوں نام راستبازی کے مراد ہیں۔ مل کا بیان ہے کہ تحقیقات میں ہر طرح احتیاط کی گئی تھی مثلاً گواہوں کا آپس میں نامہ پیام نہیں مہر نے دیا تھا، اور اس قسم کے وسائل استعمال کیئے گئے تھے کہ شہادت بالکل کھری اور بے ثبوت حاصل کی جائے اور اگر اس میں کھوٹ ہو تو اس کھوٹ کو پکڑا جائے۔ ہندوستان کے اکابر یعنی گورنر جنرل اور اس کی کونسل کے ارباب، گورنر مدراس اور اسکی کونسل کمیشن کے اراکین اور مسٹر نیل انڈسٹریل منسٹر فاری کو جو ایک لائق فائق سویلین تھے اس میں مطلق شبہ نہیں رہا تھا کہ نواب اور ٹیپو میں مفسدانہ تعلقات قائم تھے۔ مسٹر مل اسے ”طرف ماجرا“ بتلاتا ہے۔ طرف ماجرا تو اس وقت ہوتا جب یہ فیصلہ غلط ہوتا۔ لیکن طرف ترا میر ہے کہ انگلستان میں مسٹر ٹیپو اس اور مسٹر ٹیپو کیٹی نے بھی اس کی تصدیق کی! خود مارنگٹن کے مراسلہ مرقومہ ۲۸ مئی ۱۸۵۷ء میں اس بات کا میلان نہیں پایا جاتا، کہ شہادت کے وزن بنانے میں مبالغے سے کام لیا گیا، اور نہ اس امر کا شائبہ پایا جاتا ہے کہ نواب نے اس الزام کے باطل کرنے پر زور دیا ہو۔

تحقیقات میں عجلت نہیں کی گئی، خطوط کے ملنے اور گورنر جنرل کے فیصلے کے درمیان اٹھارہ ماہ سے زیادہ کا وقفہ گزر چکا تھا۔ ویلزلی آخری تصفیے کے لئے اور بھی انتظار کر سکتا تھا مگر ایسا وقت آنے سے پہلے ہی ۱۵ جولائی ۱۸۵۷ء کو عہدہ الامرا کی موت نے مشکل حل کر دی۔ ۲۸ مئی کو ویلزلی نے لارڈ کلائیو گورنر مدراس کو ایک مراسلت بھیجی، اور مختصر پیرے میں اسکو نواب کی فوجا بازی اور اس کی تفتیش کے متعلق واقعات سے آگاہ کیا معہذا اس سے درخواست کی تھی کہ وہ عہدہ الامرا کو اطلاع دیدے کہ کمپنی کے لئے اب یہ بات ضروری ہوتی جاتی ہے کہ وہ کرناٹک کے ملکی اور فوجی انتظام کو اپنی نگرانی میں کرے۔ اسی مضمون کا ایک سخت حکم نامہ اس نے نواب کے نام کلائیو کی مراسلت میں ملحوظ کر دیا تھا۔ تین دن بعد

اور پھر چوتھی جن کو ویلزی نے کلائو کے پاس ہدایات بھیجیں کہ نواب کے جو سخت بیمار تھے، انتقال کی صورت میں اسے کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ نواب کے اس دارفانی کو خیر باد کہتے ہی علی حسین، نواب مرحوم کے مشہور بیٹے اور عظیم الدولہ ان کے بھتیجے میں گدسی کے متعلق تکرار ہوئی اور اس تکرار نے انگریزوں کیلئے کرناٹک کا فیصلہ آسان کر دیا۔ علی حسین نے کیونکہ اسے ویلزی کی شرائط منظور نہ تھیں جانشینی قبول کرنے سے انکار کیا چنانچہ ۲۰ جولائی ۱۸۵۷ء کو موخر الذکر عہد نامے کی رو سے مقرر کیا گیا۔ ۲۴ جولائی کو ویلزی نے ایک اعلان کے ذریعے سے کرناٹک کو کمپنی کے حاکم محروسہ میں ضم کرنے کو جائز قرار دیا اور ملکی اور فوجی نظم و نسق کو کمپنی نے تمام اپنے اختیار میں لے لیا۔ داخل کا ایک ختم نواب کے نام کر دیا گیا اور اس امر کا بھی انتظام کیا گیا کہ اس کے تمام ایسے قرض جو تحریریں موجود تھے بتدریج ادا کر دیئے جائیں۔

مسطربل نے اس انتظام کے جواز پر اور ویلزی کے ذاتی فعل پر نکتہ چینی کی ہے۔ اس کی یہ نکتہ چینی اس گمان پر منحصر ہے کہ کرناٹک کے نواب ابتدا میں اور اس وقت بھی فی الواقع خود مختار فرماں رہا تھے۔ اس کا یہ گمان خلاف واقعہ ہے۔ بات اصل یہ ہے کہ یہ لوگ صوبہ دار دکن کے افسروں میں سے تھے۔ انگریزوں نے ہی ان کو آزاد و خود مختار کیا تھا۔ اس لیے انگریزوں کے یہ بندہ بے دام بن گئے تھے۔ ویلزی ایک حد تک انہی اس خود مختاری کا بظاہر معترف تھا جس کے ثبوت میں وہ کوئی دعویٰ نہ پیش کر سکتے تھے۔ لیکن وہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کرتا تھا جیسے کوئی بادشاہ منحرف نوابوں کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں متعدد انگریزی گورنروں نے ان کو بہت کچھ آزادی کی صورت اختیار کر لینے دی تھی۔ اس معاملے کے آخری تصفیے کے وقت اس سے حکومت کی قانونی حیثیت اور حقوق میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔

اس کا رویا کا نتیجہ ریاست کو ضم کرنے کے بجائے آئندہ کی حفاظت اور اس کی ضمانت تک ہی محدود رہا۔ اس سے قبل کمپنی کے سپرد یہ انتظام کیا گیا تھا کہ وہ کرناٹک کی بیرونی حفاظت کا سامان کرے، لیکن اس کو محفوظ کرنے کا کوئی اختیار اسے حاصل نہ تھا۔ وہ سرحد جبکی اپ وہ ذمہ دار ہو گئی تھی، بر معائنہ نہیں گئی تھی، بلکہ جہاں برطانوی طاقت برائے نام اور غیر محفوظ تھی، وہاں وہ محفوظ اور مضبوط ہو گئی۔ اب برطانوی گورنمنٹ کو حقیقی گوان کا

حق حاصل ہوتے ہی ملک میں خوشحالی اور فراغ البالی بڑھتی گئی اور اسکے مداخل میں دن دوئی رات چوگنی ترقی ہوتی گئی۔

ہندوستان آتے ہی مارنگٹن کو تنجور اور سورت کی مشکلوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس نے یہاں کی مشکلات کا دفعیہ بھی اسی ترکیب سے کیا جیسا کہ کرناٹک میں کرچکا تھا۔ بقول ڈنڈاس تنجور کے معاملات مقابلہ آرکٹ "اپنی نوعیت میں زیادہ سیدھے سادے اور انشائی اعتبار سے کم پیچیدہ تھے" مسئلہ یہ پیش تھا کہ آیا مرحوم راجہ کا سوتیلہ بھائی یا اس کا متبنی کون زیادہ متحق ہے؟ بھائی نے متبنی کے زمانہ نابالغی میں سمبھیت ولی ریاست کا انتظام و انصرام کیا تھا، قانونی حق کے متعلق پٹنوں سے استصواب کیا گیا تھا۔ انہوں نے متبنی راجہ کے متبنی سبربوجی کے حق میں فیصلہ کیا۔ لیکن اس فیصلے کو بروئے کار لانے میں بہت تاخیر ہو گئی۔ مرحوم راجہ نے اپنی حیات میں سبربوجی کو ڈنمارک کے ایک پادری شوارز کے سپرد کر دیا تھا۔ اب وہ ایک قابل اور شایستہ آدمی ہو گیا تھا۔ اسکا چچا امیرنگھ اصلی معنوں میں مشرقی بدلتھی کا مجھ تھا۔

۲۶ نومبر ۱۷۹۹ء کو سبربوجی سے ایک عہد نامے کی توثیق کھلتے میں کی گئی جسکا ویلزلی نے دو روز بعد مجلس راز کے نام ایک مراسلے میں یوں ذکر کیا ہے کہ آج کل میں تنجور کے ملکی اور فوجی تنظیم و تیشق کو انگلیہ کمپنی کی گورنمنٹ کے قبضے میں لایا ہوں۔ اس کے بعد سے ملک کی حالت درست پڑتی گئی، اور گورنر جنرل کے صبر و استقلال کی بدولت وہاں عمدہ نتائج پیدا ہوئے۔

۱۷۹۹ء آخر کے قلمی نسخہ ۲۰، جلد ۵۷ میں کرناٹک و تنجور کے مداخل کے انتظام کا حال درج ہے، اور ۱۷۹۹ء ۶۷-۶۸ کے مداخل سے مقابلہ بھی کیا گیا ہے۔

۱۷۹۹ء رجب صدی کے بدہشپ ہیلبر نے سبربوجی کے متعلق لکھا تھا کہ وہ نہایت ہی ذکی و فہیم مذہب و شائستہ آدمی ہے۔ مجھے ایسے لائق لوگوں سے کم ہی سابقہ پڑا ہے۔ وہ مشہور شاعر لیو اسٹر اور لیوٹس کے اشعار جا بجا نقل کرتا ہے۔ اور شیکسپیر کے ڈراموں کے اشخاص کی انتیازی خصوصیات کو خوب سمجھتا ہے اور قدر کرتا ہے۔ زبان انگریزی میں خاصہ شعر کہہ لیتا ہے۔ اور باہینہ رسالے کے افسروں سے گھوڑے کے حسن و قبح پر بحث کرنے میں کبھی نہیں ہارتا۔ علی ہذا شکاری بھی ایسا ہی ہے۔ بہت فاصلے سے نہرہ شیر کا بے خطا نشان اڑاتا ہے، پائیس مارکٹس

۵۔ مارچ ۱۸۹۱ء کو اس نے ڈیٹا اس کو لکھا کہ تنجور کے صحیح اور ٹھیک حالات معلوم کر لیں جس مشکلات کا مجھے سامنا کرنا پڑا، وہ بیان کرنا تو کجا ذہن میں بھی نہیں آسکتے تحقیقات کی سخت محنت کے بعد میں نے مختلف فریقوں کا اپنے رد و جوابات بلکہ تلخ مجادلہ کر لیا۔ اور تین یا چار روز کی محنت کے بعد میں نے اس تمام معاملے پر غور و خوض کرنا شروع کیا، اور مسئلے کے دونوں ضوں پر تمام دلائل اور واقعات کو پیش نظر رکھا، بالآخر مختلف فریقوں نے عدنانے کی مصلحت اور جواز کو جس صورت میں کہ وہ طے ہوا تھا یکر زبان ہو کر پسند کیا؛

سورت میں بھی کچھ اسی قسم کی مشکلات پیش آئیں اور اسی طور سے ان کا تصفیہ ہوا۔ یہ بندرگاہ اس وقت ہندوستان میں بحری تجارت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اور اس کی ظاہری شان سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں تجارت وسیع پیمانے پر جاری ہے، بے قیاس دولت ہے، بے شمار آبادی ہے، اور خاص قسم کی عملداری ہے۔ نواب اور انگریزی آبادی کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ نواب اور اس کے بیٹے کی وفات سے یہ فائدہ اٹھایا گیا کہ ان کے جانشین سے یہ عہد و پیمان کیا گیا کہ گدھی نشینی پر بیٹھنے کے وقت سے نو

سورت کے تھراس کے علاقے، دیگر تہامات، ماتحت ریاستوں کے داخل کی تحصیل اور ان کا بندہ بست دوا می طور پر کمپنی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اور عام طور پر ریاست سورت اور اس کی ماتحت ریاستوں کی عدالت ہائے دیوانی و نوحداری، اور اس کی ملکی و نجی حکومت سب دوا می طور پر اور بنا شراکت غیرے انریبل انگلش کمپنی کو انتظام و انصرام کے لئے تفویض کر دی جائے گی؛

کرناٹک، تنجور اور سورت تینوں ریاستوں میں جو اصل وقت تھی، اور جس کا ویلزلی کو مقابلہ کرنا تھا، وہ ایک قسم کی ہی تھی۔ جتنا صحیح و صحیح طور پر ہندوستان میں اس کو ٹاٹ لیا گیا تھا، اسی قدر انگلستان میں۔ ۲۱ مارچ ۱۸۹۱ء کو ڈیٹا اس نے ویلزلی کو لکھا کہ کرناٹک میں جو دو عملہ قائم ہے۔ اس کے متعلق عرصہ دراز سے یہ محسوس کیا جا رہا ہے، وہ اس ملک کے لیے سخت مصیبت ہے۔ اور یہی دو عملی کا نقص تھا، جس نے تنجور اور سورت میں مشرقی انتظامات کی خرابیوں کو اور بڑھا دیا تھا۔ اس زمانے میں اتحاد کی ہوا چل رہی تھی اور

ویلزلی اپنے وطن کے دوستوں کے مثل ایک پر جوش حامی اتحاد بنا ہوا تھا۔ ۱۷۹۹ء میں اس نے لارڈ کلنڈ کو آئرلینڈ کے متعلق لکھا، کہ ”مجھے یقین ہے آپ وہاں زبردستی اتحاد پیدا کرادیں گے“ ہندوستان کے متعلق بھی اس کا خیال یہی تھا۔ یہ بات نہیں ہے کہ اسے کسی ملک پر خواہ مخواہ قبضہ کرنے یا جارحانہ مداخلت میں مڑا تھا، بلکہ اسے دانا نظم کی اصل خواہش یہ تھی کہ وہ دارا اور غیر متقمم حکومت قائم ہو جائے۔
 اودھ کا معاملہ زیادہ پیچیدہ تھا، اور اس کے تصفے پر گرفت کی راہیں زیادہ کھلی ہوئی تھیں۔ ایک نہایت مستند اہل الرائے کتا ہے کہ ”لارڈ ویلزلی کے تمام معاملوں میں نواب وزیر وائی اودھ کا معاملہ بادی النظر میں سخت اور یک طرفہ نظر آتا ہے“ جب نیاں شاہ کی چڑھائی کا خشنہ حد کے درجے پر پہنچ گیا تھا، تو ویلزلی نے ۱۷۹۸ء میں سرجمس کریگ کی زیر کمان اودھ میں اپنی فوج مقیم کی۔ نواب وزیر وائی اودھ گو سرحد پر فوج کے اجتماع عظیم کی ضرورت کا کامل یقین رکھتا تھا، لیکن اس پر بھی برطانوی افواج میں سے ایک جمعیت طلب کی تاکہ وہ اس کے پاس رہے اور خود اسکی سرکش اور بے چین فوج کی شوریدہ سری کے خلاف اسکی حفاظت کریں۔ اس نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ لڑائی کے وقت یا کسی اور موقع پر اس فوج پر ہرگز اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ سرجمس کریگ نے اسکی تربیت اور ساز و سامان کا مطالعہ کیا، اس کے اصول اور متحدہ حکومتوں کے متعلق خیالات و فاداری کی نسبت معلومات چل کرینکے بعد یہ نتیجہ نکالا، کہ وہ صرف بیکار ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے بدتر ہے، خطرناک ہے اور ایسی ہے جیسے کہ عقب میں دشمن کا غیر مفتوحہ قلعہ۔ چنانچہ اس نے واقعی برطانوی فوج کی ایک جمعیت کو چھوڑ دیا تاکہ وہ اسکی اور اودھ کے شمالی مغربی سرحدی صوبہ روہیلکنڈ کے شورش پسند باشندوں کی نگرانی کرے۔

”اس ناکارہ انبوه کی جسے انگلستان میں سٹوڈنٹس اور ہندوستان میں انگریزی حکا ایسا ہی سمجھتے تھے ناگفتہ حالت ہی صرف مداخلت کی وجہ نہ تھی، بلکہ دو آہل کے علاقے کی کئی اہمیت بیان کرنے میں علی الخصوص ایسے وقت جب کہ ایک طرف مرہٹوں اور سکھوں کے حملے اور دوسری طرف افغانیوں کی چڑھائی کا خدشہ تھا، بہ مشکل مبالغے سے کام لیا جاسکتا تھا اودھ ایک ایسا گزور مقام تھا، جس میں سے گزر کر برطانوی علاقے پر نہایت آسانی سے

حملہ کیا جاسکتا تھا، اور اس وقت کی سیاسی حالت میں ایک ہی خطرے کا ذکر کیا جائے تو زماں شاہ کی طرف سے حقیقی اندیشہ تھا۔ کیونکہ اس کا ہمیشہ ڈر لگتا رہتا تھا۔ ٹیپو سلطان سے اس کے نامہ و پیام کا حال معلوم ہو چکا تھا، اور اس کی نقل و حرکت قطعی تردد و انگیز تھی۔ دو تین سال سے برابر اسکے ایلچیوں کی تعداد صوبہ اودھ و بنارس میں آ جا رہی تھی، اور مخلوق کے دلوں میں اسکی طاقت کا رعب بٹھا رہی تھی۔ اس نے سر جان شور اور ویلزلی کو ایک خط لکھا تھا، اور ہندوستان پر حملہ کرنے کے متعلق اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ انگلستان میں افسروں کو اس خطرے کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں تھا۔ ۱۸ اپریل ۱۷۹۹ء کو ڈاس نے ویلزلی کو صلاح دی تھی کہ خود زماں شاہ کی اقلیم میں شورش برپا کر دیجائے۔ راجپوتوں اور سکھوں کو ہر طرح ترغیب دیجائے کہ وہ اسے ستائیں اور خوب دق کریں اور اگر ممکن ہو تو اسکے خلاف سندھیا سے واضح طور پر دفاعی اتحاد قائم کیا جائے۔ اس حملے کے خوف کے عالم میں نواب وزیر کی طرف سے واقعی خدشہ تھا۔ نہ صرف اسکی سرحدیں حملے کے لیے کھلی ہوئی تھیں، نہ صرف اس کی فوج قابو سے باہر تھی بلکہ اس کا انتظام ملکی حدود پر ناقص تھا۔ اس معاملے میں بھی ویلزلی کو وطن سے ہدایات ملتی رہتی تھیں، مسٹر دنٹاس نے صاف طور پر جانچ لیا تھا کہ اودھ کی ضروریات یہ ہیں کہ نواب وزیر تو اپنے ملک میں تمام آلاتوں سے پاک اور انصاف سے معمور علداری قائم کریں دوسرے مستقل اور اعلیٰ قسم کی فوج رکھیں۔ اس نے لکھا تھا کہ یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک یہ «ناکارہ انبوه» منتشر نہ کر دیا جائے اور ایک دوسری فوج ہماری اہتمام اور تربیت سے تیار نہ کی جائے اور وہ براہ راست ہماری نگرانی میں نہ رکھی جائے۔

۲۳ دسمبر ۱۷۹۹ء کو مسٹر ملٹن کے نام ویلزلی نے ایک خط لکھا اور اپنی تجاویز کی اس میں تشریح کی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ دو آہ پر زماں شاہ اور مرہٹوں کے مقابلے میں حفظ ماتقدم کے خیال سے قبضہ کرے۔ اور اس «سلحہ انبوه» کو منتشر کر دے جس نے نواب وزیر کو خائف کر رکھا ہے جس سے اور اس کے دشمنوں کو اس پر حملہ کرنے کی تحریک ہوتی ہے۔ اور ان کی بجائے کمپنی کے رسالے اور پیدل کی تعداد زیادہ کر کے رکھی جائے پُر

اس سے زیادہ نازک مسئلہ نواب کے نظم و نسق کے متعلق تھا۔ یہ بات صاف طور پر

ظاہر تھی کہ مصیبت کا مارا نواب ہی صرف مورد الزام نہ تھا۔ اس کا معاملہ نواب کرناٹک سے مشابہ تھا۔ نواب کرناٹک کے مثل اس نے بھی یورپین لوگوں سے روپیہ لینے کی خوشی بے غل و غش منائی۔ چنانچہ اس کے ملک میں آسامی بازوں کی ایک کثیر تعداد جمع ہو گئی تھی، اور اس کی نظم و نسق میں مشرق اور مغرب دونوں ملکوں کی برائیوں کا حد و حساب نہ رہا۔ فوجی افسروں کی حیثیت سے یورپین لوگوں کی بڑی مانگ تھی، اس کی قلمرو میں یورپین تاجروں کا بڑی دل انبوه و رانبوه آگیا تھا، جو سود پر قرض دیکر وہاں پھل پھول رہے تھے۔ جس ملک کو ایسی چھڑیاں لپٹ جائیں، وہاں ایمانداری کی تجارت کب پنپ سکتی تھی؟ ویلزلی نے اس بات کو تاثر لیا، اور اسکے دل میں ان بد قماش لوگوں کے لئے رحم کی مطلق گنجائش نہ رہی۔

نواب وزیر کے حلقے، اخذ داخل کا لامتناہی نظام، اور عدل و انصاف کے تمام اصولوں کی خلاف ورزی کے متعلق جب تک کہ میں لکھنؤ خود کے صورت معاملات کو نہ دیکھ لوں کچھ بھی نہیں لکھا جاسکتا، اس وقت مجھے فورٹ سینٹ جارج جا۔ انکی ضرورت لاحق ہو رہی ہے، جہاں سے مجھے امید ہے ماہ مارچ میں فورٹ سینٹ ولیم واپس آ جاؤں، اور میری تجویز ہے کہ ماہ جون کے آخر میں لکھنؤ روانہ ہو جاؤں۔ میں آپ کی توجہ ایک دوسری نہایت ضروری بات کی طرف مبذول کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اودھ میں یورپین خصوصاً برطانوی رعایا جو آبا و اہل گئی ہے وہ ایک ایسی نقصان دہ چیز ہے، جو محتاج تنقید نہیں ہے، یہ عزم بالوہم کر لیا ہے کہ اودھ سے سب یورپین لوگوں کو سوائے کمپنی کے عمال کے اکھاڑ دوں۔ میرا راہہ ہے کہ ان یورپینوں کو جو اودھ میں اچھی طرح جم کر رہ گئے ہیں، پوری مہلت دوں، تاکہ وہ اپنے معاملات بطور آسان طے کر لیں۔ میں نے مہلت کی مدت زیادہ سے زیادہ اٹھارہ مہینے تک رکھی ہے؟ آپ ان تمام یورپینوں کو جو اودھ میں ہیں جہاں تک ممکن ہو ایک مکمل فہرست مرتب کر کے غیر سرکاری طور پر میرے پاس بھیج دیں، اور اس میں ان کے مختلف پیشے بھی تحریر کر دیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہ ان میں سے ہر ایک زیادہ سے زیادہ کتنی مدت میں اپنے معاملات کا تصفیہ کر سکتا ہے، میری خواہش ہے کہ ان کو جہاں تک ممکن ہو، کم تکلیف پہنچے، لیکن خدمت عامہ کی تعمیل میں کوئی فرق نہ آنا چاہیے۔ یہ توقع رکھنا تو بالکل بے جا ہے کہ اپنے عظیم تانوں کے نفاذ میں بعض لوگوں کو مصوبت نہ ہوگی۔

یہ ایک دلیرانہ عمل تھا، اور ایسا کہ چشم زون میں سیکڑوں دشمن کھڑے کر دیتا، جو انتقام کے لئے ہر موقع کی ٹانگ میں لگ جاتے، لیکن ویلزلی کا ثبات قدم تمام ایسے معاملات میں جو تجارتی ایمان داری یا انتظامی صفائی سے متعلق ہوں غیر متزلزل تھا۔

وہ معاملات جو قابل توجہ تھے ابھی ختم نہیں ہوئے تھے، کمپنی کی رسم تھی کہ ان تمام ریاستوں سے جو اسکی زیر سیادت تھیں، برطانوی فوج کے قیام کا بیج لیا کرتی تھی۔ یہی طریقہ اودھ میں بھی جاری تھا۔ سرچون شہر سے معاہدے کے موافق نواب سعادت علی کا فرض تھا کہ وہ ہر سال چھتر لاکھ روپیہ ۱۳ ہزار برطانوی فوج کے لئے ادا کیا کرے۔ یہ ظاہر تھا کہ اودھ جیسی وسیع مملکت کی حفاظت کے لئے ۱۳ ہزار فوج بالکل ناکافی تھی۔ ۱۷۹۹ء کو گورنر جنرل نے نواب دزیر کو یہ بات بتائی اور کہا کہ جب تک کمپنی اودھ میں کافی فوج نہیں رکھے گی، اس کے لئے ناممکن ہے کہ وہ اپنے معاہدے کو پورا اور دشمنوں سے اس کی مملکت کی حفاظت کر سکے، اگر وہ اس انبوه کو جو اس کے ہاں ہے، منتشر کر دے تو جو قوم اس طرح سے بچے، وہ برطانوی فوج کے اخراجات ادا کرنے میں صرف کیا جاسکتی ہے اور اس تبدیلی سے اس کے ملک کی حفاظت کو بے حد تقویت پہنچ سکتی ہے۔ بلاشبک و شبہ یہ بات بالکل سچ تھی، لیکن اس سے مملکت اودھ صان طور پر کمپنی کی پوری سیادت میں آجاتی تھی۔ اس تجویز کے برخلاف نواب نے ایسے ہاتھ پاؤں مارے جیسے جال میں پرند۔ کرنل اسکاٹ، ریزیڈنٹ لکھنؤ سے اسے بار بار اسکے متعلق گفتگو کی اور آخرش اس نے دفعۃً یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ منہ سے علیحدہ ہونا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں ان مصائب اور مشکلات سے عاجز آ گیا ہوں۔ میرے پاس ذمہ دار صلاح کا کبھی نہیں ہیں۔ میں چاہتا ہوں، کہ میں ان معاملات سے بالکل کنارہ کش ہو جاؤں۔

ظاہر ہے کہ سنجیدہ مزاج برطانوی کرنل کے لئے یہ تجویز حیرت و استعجاب سے مملو تھی، لیکن نواب اپنے ارادے پر اڑا ہوا تھا۔ ریزیڈنٹ نے ویلزلی سے ہدایات طلب کیں، گورنر جنرل نے فوراً ڈائرکٹروں کو لکھا، اور کرنل ولیم پیکل کو ہدایت کی کہ ریزیڈنٹ کو جواب لکھ دے یہ استنباط خلاف عقل نہیں کہ ویلزلی ان امید افزا لہ ویلزلی کے لٹری کرزی تھے یہ امیہ و خاندان میں سے تھے، جسکا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

حالات سے خوشی کے مارے پھولانہ سنا تھا۔ یہ اُن واقعات کی زنجیر میں ایک ایسی کڑی تھی جو برطانوی ہندوستان کی تاریخ میں اس کے دور حکومت کو چار چاند لگا دیتی، لیکن اگر اس بات سے اسے کچھ فخر و انبساط تھا، تو اس کو اس نے ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ نہایت احتیاط سے چھپا رکھا رہی تخت سے دست برداری، اس کے متعلق اس نے کہا کہ میں نہ تو یہ چاہتا ہوں نہ اسے پسند کرتا ہوں، لیکن اگر یہ لابدی ہو، تو پھر ایسی شرائط سے ہو جس سے برطانوی حکومت کو اطمینان کامل ہو جائے، ایک طویل طویل روکداد میں جو ۱۶ دسمبر ۱۷۹۹ء کو بھیجی گئی تھی، انھوں نے نہایت موثر پیرے میں ان تمام پیچیدگیوں اور مشکلات کو قلمبند کیا، جو نئے نواب کو پیش آنے والی تھیں۔ اس پر جو بار پڑنے والا تھا، وہ نہایت عظیم تھا، اور اس کے سنبھالنے کی استعداد بلاشبہ اس میں بہت کم تھی۔ صورت حالات کا ہر پہلو زبان حال سے اس مسئلے کو اس طرح حل کرنے کی طرف متوجہ کرتا تھا، جسے ویلزلی نے سمجھ رکھا تھا، کہ وہ اس قسم کے تمام معاملات میں بہترین حل ثابت ہوتا ہے۔ جہاں ذمہ داری ہوتی ہے وہاں اختیارات بھی ہونے چاہئیں۔ دو عملی یاس انگیز تھے۔ اس لئے مناسب یہی تھا کہ نیا نواب سلطنت کا مالک ہو، حاکم نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ کیا خود نواب اس طرز عمل کی ضرورت کا معترف نہ تھا؟

وہی دانی اور زیرکی جس نے حضور کی نگاہوں کے سامنے اُن مشکلات کی اصل نوعیت جنہوں نے آپ کو گمیر رکھا ہے، کھول کر رکھ دی ہے۔ اور جس نے حضور کو اس بات کا یقین دلادیا ہے کہ آپ اپنی کوششوں سے عہدہ برائیں ہو سکتے ہیں آپ کو اس بات کا اطمینان دلادے گی کہ ایسی سبب اور عظیم خرابیوں کا اسکے سوا اور کوئی علاج نہیں ہے کہ نظام ملک داری کو آہستہ آہستہ باضابطہ عمل سے ایسے سانچے میں ڈھال دیا جائے جو حقیقی انصاف اور سچی حکمت عملی کے اصول پر مبنی ہو، اور جسے برطانوی حکومت کے تمام زور اور قوت کے ذریعے سے معرض عمل میں لایا جائے۔ حضور پر یہ بات ضرور دشمن ہوگی کہ آپ بڑے یا کسی اور صاحبزادے کی سند نشینی اس نظام کے نفاذ کے لیے بالکل کافی اور قطعی ناسازگار ہوگی۔ جب حضور خود بدولت ہی اپنے تمام تجربہ اور علم کے باوجود امور عامہ کے تقاضوں کو رفع نہیں کر سکے، اور اس امر کے معترف ہیں کہ اصلاح آپ کے

تالو سے باہر ہو گئی ہے، تو بھلا ایسی حالت میں کیا اُمید کی جا سکتی ہے کہ ان نو جوان شہزادوں میں سے کوئی شہزادہ ان خرابیوں کو دور کرنے کے قابل ہوگا۔ آپ کے کسی ایسے جانشین کی فرماں روائی میں جو آپ کا سا علم و تجربہ نہ رکھتا ہو، لازمی ہے کہ مملکت کی تمام موجودہ خرابیاں اور نقائص، اور ملک اودھ کی خراب و خستہ حالت میں اور زیادتی ہو جائے گی۔ اور ملکی و فوجی حکومت کے پہلو بہ پہلو حضور کے بیرونی دشمن کا خطرہ اور باشندوں کی خانگی مصیبت بھی اسی تناسب سے بڑھ جائیگی۔ ایک طویل اور سخت تجربے نے اس بات کو عیاں کر دیا ہے، کہ اودھ کی نظم و نسق کی اصلاح کے لیے برطانوی حکومت کی بالواسطہ یا مشترکہ مداخلت بالکل بے سود ہوگی۔ وہی اسباب جنہوں نے کمپنی کی حکومت کی ہر اصلاحی سعی کو جو صلاح و فہمائش کے طور پر اس وقت تک کی گئی تھی، شکست کر دیا، وہی ہمیشہ مشترکہ حکومت پر نافذ العمل رہیں گے کمپنی کے انصاف اور عقل کی سخت سے سخت کوششوں سے بھی کسی مفید نتیجے کی توقع نہیں کی جا سکتی، جبکہ ملک میں ایک دوسری طاقت قائم ہو، جو ہر اصلاح کو معطل اور ہر تحریک کو رد کر دے۔“

مزید برائیں انھوں نے یہ بھی کہا کہ حکومت اودھ کا انتظام کبھی محسن و خوبی نہیں ہو سکتا جب تک کہ برطانوی طاقت کو بلا واسطہ پورا پورا دخل نہ دیدیا جائے، کوئی عارضی انتظام کارگر نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ مشترکہ حکومت ہمیشہ زیاں کا ر ثابت ہوئی ہے۔ اور جب نواب وزیر خود اس بات کا متیقن نظر آتا ہے کہ صرف برطانوی طاقت ہی اس کے ملک میں امن عام، داخلی سکون اور خارجی قوت بحال کر سکتی ہے تو پھر؟

گورنر جنرل نواب کو یہ صلاح دیتا ہے کہ وہ حکومت اودھ اور اسکی ریاستوں کے ملکی اور فوجی انتظام و انصرام کو بلا شرکت غیرے کمپنی کی تفویض میں دیدے اور اسکو اتنے وسیع اختیارات عطا کر دے کہ سلطنت کے ہر حکم اور شعبہ میں زور و شور سے عجلت کام کر سکے۔

یہ بات وزیر کے دل کو نہ لگی، دکھا دے کے لیے وہ علمداری اور تن آسانی کا خواہشمند تھا لیکن غالباً اس کا مدعا یہ تھا، کہ نامہ و پیام کو طول دے اور دیکھے کہ اس سودے میں اسکا کتنا فائدہ ہو سکتا ہے۔ رہا کمپنی کے سپہ و تمام اختیارات کو دنیا یہ ایک معاملہ ہی جدا تھا۔ چند روز بعد ویلزلی نے ڈائرکٹروں کو لکھا، مجھے اب بہمہ وجوہ یقین ہو گیا ہے کہ نواب وزیر نے جو اپنی اقلیم کی فرماں روائی سے دست کش ہونے کی تجویز کی تھی وہ

ابتدا ہی سے فریب اور دھوکا تھا، اور اس کا یہ منشا تھا کہ مصنوعی تاخیر سے اپنی فوجی حملے کی مجوزہ اصلاح کو باطل کر دیا جائے؛

وزیر نے حیلہ و حوالہ کرنے کے لیے غلط آدمی کا انتخاب کیا۔ یقیناً ویلزلی کی طرف سے نہ تو اس بات کی ابتدا ہی ہوئی تھی اور نہ اس نے اس معاملے میں اس کی بہت افزائی ہی کی تھی کہ نواب وزیر تخت سے دست بردار ہو جائے۔ لیکن جب یہ ارادہ ظاہر ہو چکا تو اب اس پر عمل کرنا بھی لازمی ہو گیا، یا اگر یہ نہیں تو ایسا التزام ہونا چاہیے تھا کہ جس سے کمپنی کو برابر کے فوائد حاصل ہوتے۔ ویلزلی نے ۹۔ فروری کو ایک خط بالکل صاف اور بے لاگ طور پر یہ اطلاع دینے کے لیے لکھا کہ ”نواب کے طریقے“ نے اس کے دل میں حیرت، افسوس اور غصہ کو بھر دیا ہے۔ یہ خط نہایت ٹھنڈے دل و دماغ سے موثر طریقے میں اتہام کے انداز میں لکھا گیا تھا۔ اس قسم کے خط کو لکھنے میں ویلزلی کو بے حد شوق تھی اس میں تمام کارروائی کا خاکہ اُس نے نہایت زوردار اور معقول الفاظ میں کھینچا تھا، اور اس کے بعد شتم گیس گورنر جنرل نے ایک ایسے شخص کو ”جو حضور کا سا اعلیٰ مرتبہ اور بلن و منزلت رکھتا ہو الزام لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی“ الزام دہی تھا جو اس نے ادب مجلس راز کو اپنے خط میں لکھا تھا۔

اس نے یہ بات اچھی طرح جتادی کہ برطانوی گورنمنٹ کے ساتھ جیل سازی ہرگز کارگر نہیں ہو سکتی۔ معاملات میں تاخیر کبھی نہیں کرنی چاہیے۔ اور دوا شدہ ضروری کام فوراً ہو جانے چاہئیں۔ ایک تو نواب کی فوج کی اصلاح اور دوسری کمپنی کی فوج متعینہ اودھ کی معقول امداد و اعانت۔ اگر یہ نہیں، تو جو کچھ پیش آئے گا اس کے ذمے دار آپ ہو گئے! ان دو ضروری امور میں سے کسی میں بھی ذرا تاخیر کی گئی یا ذرا فروگزاشت ہوئی، تو پھر اسکا سخت خمیازہ اٹھانا پڑے گا۔

جب تخت سے دست برداری کا حال صحیح یقین کیا گیا تھا، تو بنفس تجاویز سچی گئی تھیں اب کہ یہ خبر جھوٹی اور پر فریب معلوم ہوئی تو بھی ان تجاویز کو بروئے کار لانے میں کوئی مزاحمت نہیں کی گئی۔ افواج سوئے اودھ بھیجی جا چکی تھیں ایک دن بھی ان کا کچھ ملتوی نہیں کیا گیا، بلکہ نواب کو یہ تنبیہ کر دی گئی کہ وہ فوج کی تنخواہ دے اور اُسے سامان رسد بہم پہنچائے پھر اس کے بعد ایسا سکوت ہوا کہ جھہ کار لائل ”سکوت موت“

سے تبصرہ کیا بہت شائق تھا۔ بایں ہمہ وزیر ٹرس سے سس نہیں ہوئے۔ نہ تخت سے علمدہ ہونے میں کوئی جلدی کی اور نہ ہدیہ حفظ اسن کے ادا کرنے ہی میں سرعت سے کام لیا ویلزلی اس لیت و لعل کو کہاں گوارا کر سکتا تھا۔ اسکی شرائط اب اور بھی سخت و کرجت ہو گئیں کیونکہ انتظار کی کوفت نے اس پر تازیا نہ رسید کیا۔ ۲۲ جنوری ۱۸۵۷ء کو ویلزلی کرنل اسکاٹ کو ایک خط لکھا اور کہا کہ میں نے نواب کے سامنے بے حسینہ ایسا عہد نامہ پیش کیا ہے، جیسا کہ تنجور کے راجہ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اگر وہ اس عہد نامے کو رد کر دے تو اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسے پھر بھی بڑا نوبی فوج کی اضافی جمعیت کے اخراجات اٹھانے پڑیں گے، اور ان اخراجات کی ادائیگی میں اسے دوامی طور پر اپنے ملک کا معتد بہ علاقہ سرکار کمپنی کے زیر نگین کرنا ہوگا۔ دوآبہ اسے کمپنی کے حوالے کر دینا چاہیے اور دو میلہ کنڈ، ناکہ اور مدہ کی بقیہ ملک کے گرد کمپنی کے مقبوضات اسطرح پھیل جائیں، جیسے انھلی کے گرد چھلا۔ مثال وزیر کو ان دو باتوں میں سے ایک پسند کر لینی چاہیے، لیکن انتخاب فوراً ہونا چاہیے۔

یہ نکلن اسکاٹ کو لکھا، اور اسی قدر صاف بیانی اور زور کے ساتھ نواب وزیر کو لکھا۔ اس اتنا میں نواب وزیر کے پاس سے ایک خط موصول ہوا، جس میں اس نے اس بات کی بے حد کوشش کی، کہ پھر پھر اس کے کسی طرح آئاد ہو جائے۔ مگر ۵ اپریل کو ویلزلی نے اسے پھر نہایت سخت جواب لکھا، اور اس میں خود نواب وزیر کے تمام بیانات و مہر اسے، ملک کی ابتر حالت کو دکھایا اور یہ بات بتائی کہ برطانوی حکومت سے کتنے فوائد حاصل ہو گئے اور آخر میں یہ لکھا کہ۔

آپ اپنے خاندان اور اپنی رعایا پر ایسا کی سود و بھود کا اظہار اب مرث اسطرح ہی کر سکتے ہیں کہ دونوں تجویزوں میں سے ایک پسند کر کے مجھے فوراً مطلع کریں۔

کرنل اسکاٹ کو انہوں نے ایک اور مراسلت بھیجی، جس میں نواب کی اس دلیل کا جواب تھا کہ جب تک نواب وقت معینہ پر پورہ ادا کرتے رہے اس وقت تک کسی علاقے کی حوالگی کا مطالبہ نہ ہونا چاہیے، لیکن اب یہ بات ظاہر ہے کہ اگر کافی ضمانت اس وقت تک طلب نہ کی جائے، جب تک ملک کے تمام ذرائع آمدنی جواب نہ دیدیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کمپنی اس ضمانت سے ہاتھ دھو بیٹھے جسکی وہ مستحق ہے۔ مزید برآں انھوں نے کہا

کہ نواب نے منہ ہر دلیل کی قوت کو جو روپے کی بروقت ادا کر دینے کی بنا پر پیش کی گئی تھی، خود یہ انکار کر کے توڑ دیا ہے کہ ملک کی حالت حد درجہ تباہ ہے، تمام ذرائع آمدنی جواب دینے والے ہیں اور ان خرابیوں کے رفع کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں رہی ہے۔ اس نے کرنل اسکاٹ کو یہ بھی لکھا کہ اگر نواب اس جواب پر بھی دونوں تجاویز کو نامنظر کرے تو سمجھ لینا چاہیے کہ تلافی یافتہ کا وقت گزر گیا، اور پھر کرنل اسکاٹ کو یہ چاہیے کہ جو وہ صلاحیتوں کی فوری حوالگی کا مطالبہ کرے یا بڑھانویں فوج کو بھیجے کہ وہ فوراً ان پر قبضہ کر کے ایک دفعہ اور نواب نے ہاتھ پاؤں مارے، اور گورنر جنرل کے پاس اپنی شرائط پیش کریں۔ ویلزلی نے ان کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا، اور ریڈنٹ کو ہدایت کی کہ وہ جبر سے کام لے گا۔

سیاسی حکمت عملی کے ترکش کے تمام تیر ختم ہو گئے، فوجیت یہاں تک پہنچی کہ تعین دست و گریبان ہو جائیں، لیکن ایک دوسری گمنڈ ڈالی گئی۔ ۵ جولائی ۱۸۵۷ء کو گورنر جنرل نے انریبل ہنری ویلزلی کو ہدایت کی کہ وہ فوراً لکھنؤ جائے، اور اس کو پورے اختیارات دیئے گئے کہ وہ اسکاٹ کے مشورے سے سابقہ شرائط کے انداز پر معاہدہ کرے۔ لیکن جہاں تک ممکن ہو، جلد۔ اس کے لکھنؤ پہنچنے سے پہلے نواب بدل گیا۔ یا تو وہ باتوں ہی باتوں میں ٹال رہا تھا، اب اس نے صاف انکار کر دیا اور اپنی ضد پر اڑ گیا۔ اس کے خیال میں اس کے دسپینے سے قطعاً انکار کر دیا جائے گا۔

ہنری ویلزلی لکھنؤ ستمبر میں پہنچا۔ نواب تھوڑی سی جیھن بے کے بعد معاہدہ کرنے پر رضامند ہوا۔ گورنر جنرل نے تمہید کیا کہ خود لکھنؤ جا کے معاملات کا تصفیہ کرے، لیکن ابھی اسکا سرکاری بھراگو متی کے دعوے تک ہی پہنچا تھا، کہ اسے معلوم ہوا کہ نواب نے شرائط منظور کر لیں اور عہد نامہ پر دستخط ہو گئے۔ اس نے ڈائریکٹروں کو فوراً اطلاع دی کہ :-

نواب نے دوامی طور پر سرکار کبھی کو ان اضلاع کی پوری زبان روانی تفویض کر دی ہے جیسی فہرست منسلک مراسلہ ہذا کی جاتی ہے۔

میرا اودہ ہے کہ کمپنی کے ان مفوضہ علاقوں میں بندوبست کے لیے فوراً مامری حکومت قائم کروں۔ یہ حکومت مشروطہ شمل ہوگی ان افسروں پر، جن کمپنی کے علاقے انتہائی اور مالی صیغوں میں پورا تجربہ رکھتے ہیں، اور بڑے لائق اور مستعد ہیں۔ ان کا صدر دفتر ہنری

ویلزلی کو بتانا چاہتا ہوں، جسکی خوش سلیقگی، ذہانت اور استقلال کی بدولت اس قدر خیر و خوبی اور
 بخت سے اسے وسیع اور نریز علاقوں کا تقصیر ہو گیا ہے۔ وہ کبھی اس کی حق خدمات کی خاک کو
 منت پر نہیں ہے۔

اس طرح وہ تمام مفاد جو ویلزلی کے پیش نظر تھے، اکمال طور پر حاصل ہو گئے۔ علاقے جو
 کمپنی کے حوالے کئے گئے تھے، کسی بیرونی دشمن اور نواب وزیر کے درمیان حاکم تھے۔ نواب
 وزیر نے وعدہ کیا کہ وہ ملک میں ایسا انتظام کرے گا کہ جس سے اس کی رعایا کی خوشی و خرمی
 دولت و اقبال بڑھے۔ اودھ کی طرف سے سب خدمتے جاتے رہے اور امید ہو گئی
 کہ اس کے نظم و نسق کی حالت اچھی ہو جائے گی۔ گورنر جنرل نے ایک ماہ بعد ڈاکٹر ونگو
 ان نوڈ کی اطلاع دی، جنکی تصدیق اودھ سے توقع تھی۔ اپنے سفر کے دوران میں جہاں سے
 وہ گزرنا تھا برطانوی حکومت کے زیر سایہ ملک کی حالت نہایت عمدہ نظر آتی تھی۔ چنانچہ
 نواب کی حاجت از عدل عملداری کی بجائے اپنا نظام حکومت قائم کرنے میں اسے کوئی ممدولی و خوشی
 نہیں ہوئی تھی۔ اور نواب کی حکومت تو برطانوی حاکم کے زور پر قائم تھی!۔ ان قانون اور
 قاعدوں کے منفعیت بخش اثر کو ہر کہیں دیکھ کر اپنے طرز عمل کی عملی دانائی اور وسیع خیر
 گمانی کی وہ دل ہی دل میں داد دیتا تھا۔

وہ گھٹو گیا۔ اور وہاں اپنی مراد پانے کے بعد نواب سے بہت خاطر و مدارات اور عزت
 سے پیش آیا۔ دونوں میں روزانہ مشورت ہوتی رہی، اور ان میں مہانداری کی محنت و طریق پر
 سب اُدری نے یہی سہی مشکلات کو بھی صاف کر دیا۔ اب تو ویلزلی اپنے رہبران بالا دست
 کو یہ خوشخبری سننے کے قابل ہو گیا کہ اسے امید ہے کہ سترہ سالہ میں ممالک مغربی و شمالی
 کے معاملات کا امن اور صلح کے ساتھ فیصلہ ہو جائے گا۔ اور اسی سال ماہ مارچ میں اسے
 لکھا کہ صورت معاملات اسکی توقعات سے بھی کہیں زیادہ رو بہ نظر آئے گی۔ اور
 اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ نواب وزیر اور اسکا ہرمیت خود وہ انہوہ برطانوی حاکم کے
 متوجس خوابوں سے ہمیشہ کے لیے کافور ہو جائے گا۔

ویلزلی کو بظاہر امید تھی کہ اس کا یہ طرز عمل انگلستان میں پسندیدہ نظروں سے
 دیکھا جائے گا! اس لیے کہ اس نے کمپنی کی مقبوضات کی وسعت اور صلانت کو
 بڑھایا تھا اور ان کے محصولات میں اضافہ کر دیا تھا۔ اور یہی وجوہات ایسی تھیں

جن کو کمپنی کے احکام کی خلاف ورزی اس کے ملازمین اپنا بہترین پناہ خیال کرتے تھے کہ نفاذ اپنے گورنر جنرل سے پہلے ہی برگشتہ ہو گئے تھے۔ اسکے دوست تھے ایک تو یہ کہ اس نے انگریزوں کی بیچ کی تجارت کا قلع و قمع کر دیا تھا، دوسرے اس نے مطالبہ کیا تھا کہ کمپنی کے سول ملازمین کی تعلیم اعلیٰ قسم کی ہونی چاہیے۔ اس لیے یہ لوگ اودھ کے متعلق اسکی پالیسی کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے۔ انڈیا آفس کے قلمی نسخوں میں ایک مثل موجود ہے، جس میں اس ضمن میں گورنر جنرل کے خلاف الزامات کی فہرست منسلک ہے۔ اس مثل میں بلاشبہ انگریزوں کی ایک کثیر جماعت کی رائے شامل ہے۔ واقعات کے ایک طویل و طویل دفتر کے آخر میں یہ عبارت درج ہے۔

مندرجہ بالا بیان اور کیفیت سے جو توجہ نکالا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ۔ اول، وزیر کے اقتدار ملک میں برطانوی افواج کی تعداد میں زیادتی موجودہ معاہدوں کی صریح حد شکنی تھی، کیونکہ نہ تو اس اصلے کی ضرورت ہی تھی اور نہ وزیر ہی نے مطالبہ کیا تھا، بلکہ اسکی جبراً و قہراً منظوری کی گئی تھی۔ دوم، یہ کہ حفظ امن کی ادائی اور اضافی فوج کے متعلق بقایا کی ضمانت میں جو ملک مانگا گیا تھا، وہ عہد نامے کے منافی تھا۔ اس لیے کہ حفظ امن کی کوئی شرط باقی نہیں تھی، اور نہ عہد نامے میں اس کی رو سے وزیر سے مطالبہ کیا جاسکتا تھا کہ وہ بقایا کی ادائی کی ضمانت ملک کی حوالگی کی صورت میں دے۔ سوم، وہ ملک جو ۱۸۱۷ء کے عہد نامے کے ذریعہ حاصل کیا گیا، وزیر سے زبردستی چھینا گیا، کیونکہ اس نے ملک کے تفریق کرنے کی تجویز سے قطعاً صاف الفاظ میں انکار کر دیا تھا۔ اور علیٰ ہذا اپنے ملک کی فرماں برداری سے قطعاً دست کشی کو بھی مسترد کر دیا تھا لیکن چونکہ گورنر جنرل نے بار بار اپنے عزم بالجمہ کا اعادہ کیا اور کہا کہ وہ ملکی حوالگی کے مطالبے سے ہرگز نہ ہٹے گا، اور دو دفعہ بعض اضلاع پر قبضہ کرنے کی دھمکی دی، اس لیے نواب وزیر نے بادل ناخواستہ منظوری دیدی، مگر ساتھ میں یہ جنادیا کہ وہ خود گورنر جنرل کی دونوں احتجاجیوں سے ایک کو بھی ہرگز منظور نہیں کرنا، لیکن چونکہ اس کے پاس اسکے سوا کوئی جواب نہیں ہے کہ وہ بے چون و چرا جو کچھ گورنر جنرل کے اسے مانے وہ ان احتجاجیوں کو اپنی حد درجہ توہین و اہانت آمیز سمجھتا ہے اور اسے تمنا کہ اس عہد نامے کے بعد اپنی رعایا کو مشہدہ کہلانے کے قابل نہیں رہا۔ چہاں عہد نامہ لکھنؤ کو جو سطر ویلزلی نے ۱۸۱۷ء میں کیا تھا، نواب نے کبھی اپنی خوشی سے منظور نہیں کیا، بلکہ یہ ایک عہد نامہ تھا جس کی شرائط اس سے زبردستی منوائی گئی تھیں۔ اس کی لے انڈیا آفس کے محافظ خانے میں یہ قلمی نسخہ موسومہ "حکایات فسر" موجود ہے۔ (نبرہ ۵۵۷ء و ۵۵۸ء)

چھٹی شرط میں نواب کو مجبور کیا گیا ہے کہ وہ اپنی محفوظ تعلیم کے داخلی انتظامات میں کمپنی کے انیسویں کے صلاح و مشورے پر عمل کرے یہ چھٹی خلاف و منی تھی ان وعدہ ناموں کی جو ایک ٹولہ لارڈ کارنوالس نے ۱۷۸۷ء میں اور دوسرا گھنٹوں میں ۱۷۹۵ء میں قلمبند ہوئے تھے۔ ان دونوں میں یہ شرط مذکور ہے کہ کمپنی نواب کے داخلی انتظامات میں کوئی دخل نہیں دے گی بلکہ اسے اپنے داخلی معاملات، اپنی سرورنی سلطنت، اپنی فوج اور اپنی رعایا پر کامل اختیار ہوگا اور اس ذیل میں وہ بالکل آزاد اور خود مختار ہوں گے۔

لیکن بہر حال اس قسم کے الزامات مجلس نظام میں ان کے خاتم کو نظر سے گرانے کے لیے کافی نہ تھے، بیش بہا منافع اور معقول ضمانتیں یہ دونوں گھٹنا کھا ویلزی کی خود سری اور بالادستی کے طفیل بڑھ گئے تھے۔ لیکن ویلزی یہ بھول گیا تھا کہ مالکان کمپنی جتنے اپنے اغراض و فوائد کے لیے متردد تھے، اسی قدر وہ اپنے مرثی گری کے حق پر متعصب تھے۔ یہ مرثی گری کا ہی مسئلہ تھا جس نے مسٹر فاکس کے انڈیا بل کے ٹکڑے اٹا دئے اور اس کی وزارت کو تہ و بالا کر دیا۔ پٹ ان کی مرثی گری کی طرف جھلک گیا تھا اور اس لیے، اُسے یہ طرح تقویت پہنچی اور ملوک و اعانت ملی۔ لیکن یہاں گورنر جنرل نے، جو ان کا نوکر تھا، اپنے بھائی کو ایک نہایت اہم و نفع بخش خدمت پر مامور کر دیا تھا، جو کمپنی کا لازم نہ تھا اور فی الحقیقت یہ بات ان کے سول ملازمین کے جائز حقوق کی پامالی تھی۔ وہ کوئی عذر نہیں سنا چا سکتے تھے، وہ کسی ریپورٹ کے انتظار کرنے کی طرف راغب نہ تھے۔ انہوں نے صرف یہ حکم دیا کہ ”مسٹر ویلزی کو فوراً علیحدہ کر دیا جائے“ خوش قسمتی سے نگران مجلس ان احکام کے اجراء کو بہتر سمجھتی تھی اور ایک ادنیٰ سی بات پر ایسا سخت حکم اور ایسے شخص کے نام جھلکے ہاتھ میں اتنی بڑی ذمہ داری تھی، بھیجنا مصلحت کے خلاف سمجھتی تھی۔ وہ کسی عنوان سے گورنر جنرل کے ساتھ ایسا برتاؤ گوارا نہیں کر سکتی تھی جو ایک مرثی پوٹا سٹر یا مکینگی کے لازم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس تقریر پر تھوڑے عرصے کے لیے کمپنی کو کوئی حکم دینے سے منع کر دیا۔

نگران مجلس اور مجلس نظام میں جو خط و کتابت ہوئی کہ وہ گورنر جنرل کے پاس بھیج دی گئی۔ اگر کوئی چیز لیٹن ہال اسٹریٹ کے موجودہ حاکموں سے گورنر جنرل کو پہلے سے اور بھی زیادہ منحرف کر سکتی تھی، تو معلوم ہوتا تھا کہ بلاشبہ انکی یہ بے اعتمادی اسکا آخری زینہ ہوئی۔ ائمہ معلوم ہو گا کہ انھوں نے بار بار اس کے امور نامہ کے متعلق حکمت علی میں دوڑے اٹکائے

تھے، لیکن یہ ہتک ناقابل عفو تھی، جو اس کی ذاتی عزت کی گئی تھی۔ ہنری ویلزلی، جو بعد میں لارڈ کوئلے ہو گیا تھا، کی خدمات مابعد اسکے بھائی کے اس بطوت و عنایت کی کافی دلیل ہیں۔ نواب وزیر اودھ سے نامہ و پیام کرنے میں اس کا طرز عمل فرست اور استقلال کی قابل تعریف صفات سے ممتاز ہے۔ اور اگر اس کمپنی کی طرف سے کسی ناجائز آمدنی یا ذرائع کی طرف کٹنا یہ اشارہ کوئی بات چاہتی ہے تو بھی یہ کہا جائیگا کہ اس نے گورنر جنرل کے پریوینٹ سکرٹری کی تنخواہ کے علاوہ اور ہر چیز کے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور جب اودھ کے معاملے کا فیصلہ ہو گیا تو اسے اُس خدمت کو خیر باد کہہ دیا جس کے لیے وہ اتنا موزوں تھا؛

اس امر میں شک نہ کیا گیا ہے کہ آیا مفوضہ علاقوں پر بھاری حکومت سود مند ثابت ہوئی؟ اور اس بات سے انکار کیا گیا ہے کہ برطانوی مداخلت نے امتداد زمانہ میں ملک کی حالت کو بہت کچھ بہتر کر دیا تھا۔ سہارنپور ویلزلی کی یہ رائے نہیں ہے۔ اس نے اپنی مذکورہ بالا یادداشت میں یہ بیان کیا کہ ۱۸۰۲ء میں نواب نے خود کمپنی کے اس احسان کو کہ اس نے اُن کے ملک کی حفاظت کی، اچھی طرح محسوس کیا، نیز اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ پہلے زمانے کے مقابلے میں اب داخل زیادہ مقدار میں وصول ہوتے ہیں۔ اور اسکی فوج اور اس کے ملک کی حالت سابق کی بہ نسبت نہیں اچھی ہوئی ہے۔ بہر حال اس قسم کے مسائل کو اطمینان سے حل کرنے کے لیے ایک طویل بحث کی ضرورت ہے، لیکن کم از کم ایک بات ظاہر ہے کہ وہ مشکلات جو مقامی نظاموں اور چھوٹے چھوٹے سرکش و ایمان ریاست کے سر توڑنے میں پیش آتی تھیں وہ اب نہیں رہی تھیں، کیونکہ اب مال کا نظام یا ضابطہ، عدل و انصاف، انتظام و انصرام باقاعدہ ہو گیا تھا، اور یہ باتیں قطعی الدلالت طور پر ثابت کرتی ہیں کہ بد نظمی اور سرکشی کے دور دورے سے بلاشبہ برطانوی حکومت نے مفوضہ علاقوں کو نجات دی تھی۔ اودھ کے متعلق کوئی حکم لگانا آسان نہیں ہے۔ لیکن اگر ویلزلی شورشِ غدر کے ایام تک زندہ رہتا، تو وہ خود زور کے ساتھ اس بات کا اقرار کرتا کہ ملک کی موجودہ حالت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اس نے ان دنوں سخت غلطی کی جو اودھ کے تھوڑے سے ہی علاقے کو زیر تصرف کیا، اسے چاہیے تھا کہ سب کو کھانا بنا دے۔

ان سب باتوں کے علاوہ ویلزلی کی پالیسی کو اودھ کے متعلق مائز قرار دینے کیلئے

ایک اور وجہ مولد ہے۔ اور وہ یہ نہیں ہے کہ آبادی کو کتنا فائدہ پہنچا یا کمپنی کی مملکت یا مال میں کتنی توسیع ہوئی بلکہ یہ کہ اسکا عمل سخت سیاسی ضرورت بنتی تھا۔ وہ لوگ جو اسکے طرز عمل کا صحیح اندازہ لگانا چاہتے ہیں، انہیں چاہیے کہ اپنے نتائج کا انحصار محض اس وجہ پر ہی کریں۔ نامہ و پیام میں بالادستی، گورنر جنرل کی طویل روکداد اور مراسلتوں کی تاریک نوعیت، ایسی چیزیں ہیں کہ جن پر صحیح معنوں میں سخت شکستہ چینی کی جاسکتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام نتائج کا مدار ان پر ہی نہ کر دینا چاہیے ویلزلی کی نگاہ میں اودھ ہندوستانی برطانوی طاقت کے لیے ایک غیر مشتبہ اور سخت خطرہ تھا، لیکن جب وہ یہاں سے گیا تو اسی اودھ کو برطانوی طاقت کا معاون اور پشت و پناہ بنانے کے چھوڑ گیا۔

پانچویں فصل

ویلزلی اور مرہٹے

اگر تخیر میسور ویلزلی کی عملداری کا نہایت جلیل القدر اور مشہور و معروف کارنامہ تھا، تو مرہٹوں سے جنگ ایک دوسری حیثیت سے اس سے کم نہ تھی۔ مرہٹوں کی لڑائیوں نے اسکے قوائے عقلی اور ذہنی پر نہایت عظیم بار ڈالا تھا اور اس بات کے پرکھنے کا پورا موقع دیدیا تھا، کہ اس کے یہ دعوے کہ وہ مرہٹوں کی صف اول میں کرسی کا مستحق ہے کہاں تک صحیح ہیں مرہٹے آپس میں متحد ہو کر کوہ آتش فشاں بن گئے تھے۔ یہ پہاڑ وقتاً فوقتاً پھٹتا رہتا تھا، اور ملک میں تباہی و غارت بپا کر دیتا تھا۔ ان کا اتحاد ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ ہو گیا تھا، اور اب اس کو سلجھانا ویلزلی کا کام تھا اس مسئلے کا حل جو اس نے پیش کیا تھا، وہ اس وقت پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔ جس حکمت عملی سے اس معاملے میں اس نے کام لیا، اسکے نتائج مصیبت انگیز پیدا ہوئے۔ اور گوان مصائب کا وہ ذمہ دار نہ تھا، لیکن الزام اسی کے سر تھوپا گیا۔ اسکی پالیسی نشانہٴ ملامت بنی، وہ فساد اور مسترد کردی گئی، لیکن بالآخر اسی کے اصول پر عمل کیا گیا۔ اور جو بات ۱۸۰۵ء کی ساعت لے دی گئی تھی ویلزلی کی ان یادداشتوں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے جو انہوں نے فورٹ ولیم سے ستمبر ۱۸۰۵ء میں مرہٹوں کی سلطنت کے معاملات کے حوالہ سے لکھے تھے، جو

سعید میں جس وغویٰ انجام پاسکتی تھی، وہی ایک دوسرے فرد نے ۱۸۱۵ء میں تکمیل کو پہنچائی پہلے ہی پل جو مرہٹوں کی ویلزلی نے انگلستان بھیجی ہیں، ان میں یہ بتا دیا تھا کہ اس نے مرہٹوں کے پیچیدہ مسئلے کو خوب سمجھ لیا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ یہ مناسب ہے کہ اس کمزور اتحاد کی مختلف شاخوں میں ایک قسم کا توازن قوت قائم رکھا جائے، اور کیا اسے کمزوری سے منظور کر لیا جائے یا اسے روک دیا جائے؟ اس بات کو تو وہ سلم الثبوت جانتا تھا کہ پیشوا کی طاقت حد درجہ گھٹ گئی تھی، اور یہ کہ اس کا اثر اتنا کبھی کم نہیں ہوا تھا۔ جتنا کہ اس وقت تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ زور اور قوت جو مادھوجی کو حاصل تھی، اب سندھیا میں نہیں رہی ہے۔ اور اسے اسکا بھی علم تھا کہ ملکہ کی سلطنت ویشاکی نقیض و نزاع سے پاش پاش ہو گئی ہے اور سیاسی نظام کسی شمار و قطار میں نہیں ہے۔ اب رہ گیا خاندان بھونسلہ، یہ البتہ انگریزوں کا روایتی دوست ہے اور اسکا پلہ بہت بھاری ہو گیا ہے۔

اس کا اندازہ بالکل صحیح نہیں تھا۔ دولت راؤ سندھیا کو جب بایسوں یعنی اس کے پیشرو کی تین بیواؤں، نے بغاوت کی دھمکی دی۔ تو اپنی مدد کے لیے اس نے یہ کیا کہ اپنے عمر اور ہوشیار قیدی نانا فرانسس کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ نانا فرانسس نے پونا میں وزیر اعظم کا جائزہ لیا۔ اور پیشوا اور سندھیا میں بظاہر میل ملاپ اور عمدہ تعلقات نظر آنے لگے۔ لیکن ہسل اور متلون پالیسی نے، جو مرہٹوں کی تدابیر کا قدرتی جزو معلوم ہوتی تھی اس موقع کو ٹھوکیا جو میسر کی لڑائی نے پیش کیا تھا۔ آخری وقت تک پیشوا نے کھلے بندوں ٹیپو کے ایچیوں کو اپنے دربار میں جگہ دی اس کی فوج نے ہم میں کوئی حصہ نہیں لیا، امنگین نے جو مد نامہ اور اسکے ساتھ جن اقطاع کو پیش کیا، اس کے قبول کر نیے اس نے انکار کر دیا۔ سندھیا اب بھی بغاوتوں کی وجہ سے حیران و پریشان تھا، ویلزلی نے بھونسلہ سے تحریک کی کہ وہ کمپنی سے نظام الملک کے عدنامے کی شرائط پر معاہدہ کر لے۔ انیسویں صدی کے آغاز میں انگریز اور مرہٹے آمنے سامنے آئے کہ اس وقت بظاہر مرہٹوں میں پیشوا کی طاقت ہی ایک ایسی طاقت تھی جس سے معاہدے کے متعلق خط و کتابت کرنے میں فائدہ معلوم ہوتا تھا۔

وہی حکمت عملی جس نے ویلزلی کے ساتھ ہر جگہ یاری کی تھی، یہاں بھی عائد کیا سکتی تھی جیسا کہ اور معاملات میں کی گئی۔ برطانوی عظمت و ملکہ کی تمام ریاستوں میں جس کا

بھی کہنی سے ہالا پڑھائے، بول بالا رہنا چاہیے۔ اور تمام تر اعلیٰ میں جو معمولوں کے مابین ہوں، برطانوی حکومت کو ثالث قرار دینا چاہیے۔ یہ تھے وہ اصل جو انگریز لگا ہوں میں رکھتے تھے۔ نامہ و پیام جاری تو ہے مگر بڑی سست رفتار سے۔ نانا فرانسس نے اس بات پر ابر بڑی چوٹی کا زور لگا کر کہا تھا، کہ جو کچھ بھی قوت پیشواؤں میں باقی رہ گئی ہے وہ انگریزی دست برد سے آزاد رہے۔ وہ اس بات کا سخت مخالف تھا کہ انگریزی فوج کو اسکے ملک میں جگہ دی جائے۔ گرانٹ ڈون کہتے ہیں، ”وہ انگریزوں کا ادب کرتا تھا، وہ ان کی صداقت کا مداح تھا، وہ ان کی حکومت کے زور کا قائل تھا، لیکن سیاسی دشمنوں کی حیثیت سے وہ ان سے زیادہ کسی سے نہ جلتا تھا اور نہ خائف تھا۔“ آخری عمر میں بھی اس کے سر میں مرہٹوں کی خود مختاری کا سو دا سما یا ہوا تھا۔ اسکا اعزاز اسی کو حاصل ہے کہ اس نے مرہٹے سرداروں کے غیظ و غضب کو دبا لے رکھا، ورنہ وہ تلواریں جو دشمنوں کے لیے تھیں، آپس میں ایک دوسرے پر چلتیں، اور خوب خونریزی ہوتی۔ لیکن وہ بت بڑھا ہو کر مر گیا۔ حقیقت میں ہندوستانی مذہب کی حیثیت سے بڑی عمر پائی، اس لیے کہ یہ تو وہ زمانہ تھا جب سیاسی مشکلات کے نصفیے کا معمولی ذریعہ خنجر یا زہر سے ہوا کرتا تھا۔

غرض ۱۳۔ مارچ ۱۸۵۷ء کو اس کا انتقال ہوا۔ کرنل پامر برٹش ریڈیلینٹ پونائے لکھا کہ۔

اس کے دم کے ساتھ مرہٹ حکومت کی امداد پسندی اور دانا ہی بھی رخصت ہوئی۔

اس کے بعد مرہٹوں میں مملکت کے لیے چھینا جھپٹا ہوئی، اب نہ صرف قریبی مصلحت بلکہ انگریزوں کے لیے لازمی ہو گیا کہ ان میں بیچ بچاؤ کر انہیں۔ جو قوت راؤ ٹھکر نے اس وقت کے معاملات میں حصہ لیا، اس نے انگریزوں کو کبھی دخل کا موقع دیدیا۔ ٹھاکر جی راؤ ٹھکر کی ۹۵ء میں وفات کے بعد جس نے اندور میں اپنی رانی اہلیہ بانی کے ساتھ حکومت کی تھی، ملک کے بقیہ حصے کے لیے ان کے جائز اور ناجائز میٹوں کا آپس میں اور منہ صیا کے ساتھ کشت و خون ہوا۔ قتل و غارت، لوٹ مار اور لوگوں کو مارنے کے لیے نہایت دہشت انگیز فظالانہ طریقے اختیار کئے گئے۔ مست ہاتھیوں کے پاؤں تلے کچلاؤ کے مروانا تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہو گیا تھا۔ اس محشر وارو گیم میں آخر شجوت راؤ، ہلکار ٹھاکر جی ہلکار کا سب سے قابل مگر مقام بیٹا ہندوستانی اور افغانی قزاقوں اور جانبازوں کی ایک جمیعت کے ساتھ سندھیا کے ملک کو تہ و بالا کرتا ہوا معظفر منصور نکلا۔

کاسیانی کا رخ اکثر بدلتا رہتا۔ کبھی ہلکر نعمند نظر آتا تھا اور کبھی سندھیا۔ بد نصیب پیشوا باجی راؤ دونوں کے ہاتھ میں کھلونا بنا ہوا تھا۔ لڑائی اور سازش کا یہ عالم خلفشار و اضطراب حیرت انگیز سرعت کے ساتھ گذر رہا تھا۔ برطانوی ریڈیڈنٹ، پہلے پام اور پھر کلوز نبرڈ آرمسٹرونگ سے ملتے تھے، اور شرائط اور عمدنا پیش کرتے تھے غریبوں سے عہد و پیمان۔ یا نامہ و پیام بالکل بے کار تھا جنھیں یہ بھی خبر نہ تھی کہ ان کے لیے کل کیا ہونے والا ہے۔ بالآخر ایک فیصلہ کن واقعے نے تمام معاملے ویلزلی کے قابو میں کر دیا۔ ۲۵ اکتوبر ۱۸۰۲ء کو ہلکر نے پونے کے سامنے پیشوا اور سندھیا کی فوجوں کو اپنی شکست فاحش دی کہ تسمہ تک لگانہ رکھا۔ اب وہ شہر میں داخل ہوا اور ورنک راؤ ایک اطاعت گزار اور فرماں بردار مدعی کو پیشوا کی مسند پر بٹھکن کیا، اور دو ماہ تک ریاست کا کام اعتدال کے ساتھ اس امید پر کرتا رہا کہ ایسا کرنے سے اسے اپنے لیے کوئی سیاسی ضمانت مل جائے۔ خوش قسمتی سے کرنل کلوز نے ۲۸ ستمبر کو صحت و سلامتی کے ساتھ پونا کو الوداع کہا۔ اس اثناء میں باجی راؤ کو موقع مل گیا اور وہ بہاگ نکلا اور کچھ نائل کے بعد اسے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ ۶ دسمبر کو وہ بسین پہنچا، اور اسی حینے کے اختتام سے پہلے عمدنا مہاراجہ بسین پر دستخط کر دیئے۔ اس کی شرائط کی رو سے انگریزوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ پیشوا کی سلطنت میں مستقل آچھ پلٹنیں پیل فوج کی، اور اسی تناسب سے چھ توپ خانے جن کے توپچی انگریزوں کے مقیم کر دیں، اور یہ بھی اجازت دی کہ جنگ کی حالت میں اس فوج کو مل جائے جتنا بڑا لیا جائے۔ ان میں دو ہزار فوج پیشوا کی ذات کی حفاظت کے لیے متعین کر دی۔ اس فوج کے مصارف کے لیے پیشوا نے ۲۶ لاکھ روپے آمدنی کے اضلاع دوائی طور پر کمپنی کے تفویض کر دیئے۔ پیشوا نے اقرار کیا کہ وہ برطانوی حکومت سے شہرہ کیے بغیر نہ تو کسی ریاست سے کوئی معاہدہ کرے گا اور نہ کسی پر فوج کشی۔ اور اس معاہدہ کی تائید میں نو اہتمام ملک انڈیا گائیکور کے خلاف جو دواوی تھے وہ اس نے انگریزی نچایت میں دیدیئے اس مشہور عمدنا سے کے دور رس نتائج مخفی نہیں رکھے جاسکتے تھے۔ مہاراجہ کی تمام ریاستوں نے ان غریبکی لوگوں کی موافقت کے لیے اتحادی ساز باز شروع کی۔ سندھیا اور بھٹوسلہ نے عہد و پیمان اور ہلکر نے اپنے قلعوں کو مضبوط کرنا شروع کر دیا۔ بلاشبہ ان کا یہ کام ایسا تھا جس نے مغربی ہند میں ہمارے لیے بالکل صورت حالات کو بدل دیا۔

انگریزوں کی ذمہ داری چشم زدن میں تلخی ہو گئی۔ عظیم الشان جزیرہ نما کے اس حصہ ملک میں انگریزوں کے اغراض و فوائد اب کسی سے کم نہیں رہے بلکہ سب سے بالا ہو گئے۔ مشرق و شمال و جنوب میں تو انھوں نے یہ مرتبہ حاصل کر ہی لیا تھا۔ مگر سٹی آؤن کا جو اس مسئلے پر بہترین سند ہے، قول ہے کہ "اس عہد نامے سے قبل ہندوستان میں انگریزوں کی بھی مملکت تھی، لیکن اس عہد نامے کے بلا واسطہ یا بالواسطہ عمل سے سلطنت ہندوستان کمپنی کے ہاتھ میں آ گئی۔"

لیکن اس انتظام پر شروع ہی سے بڑی سختی، تیزی اور تندی کے ساتھ نکتہ چینی کی گئی۔ لارڈ کیسل رے نے جو ہندوستانی معاملات سے تواتر واقف نہ تھا لیکن ان کے انداز میں بلا کا زور خرچ کر دیتا تھا۔ اس عہد نامے کی بڑی سخت تنقید کی۔ اس نے مرہٹوں کے مناقشے میں شرکت کی ضرورت کا ہی سہے سے انکار کیا۔ اسے کہا "جب تک ٹیپو سلطان کی طاقت سرسبز نہ ہوتی تھی، ہکو مرہٹوں کی امداد کی ضرورت پڑتی یا نہ پڑتی، لیکن اب وہ بعید از خیال اور عارضی خطروں کے خلاف پشت پناہ سے زیادہ منزلت نہیں رکھتی۔ رہے خود مرہٹوں کے اغراض، اسکے متعلق تو صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ اس اتحاد و ائتلاف کے بالکل منافی ہیں" "ان لوگوں سے ہندوستان میں امن برقرار رکھنے کے متعلق اپنی ضمانت کی نسبت کچھ کہنے اور اسکے فوائد دکھانے کے محض یہ ہیں کہ گویا ان کی حکومت کی روح رواں بجائے تباہی انگیز اور دشمنی خیز ہو نیکی امن پسند اور ریاضت کش ہے" اگر سندھ حیا اور بلکر کو پیشوا سے عہد نامہ کرنے سے قبل آپس میں لڑا لڑا کرتا ہوا ہو جانے دیا جاتا، تو اس سے بھی زیادہ وسیع اور منفعت بخش ہوتا اب گمان غالب یہ ہے کہ موجودہ عہد نامہ غنیمت جگہ کا باعث ہوگا، اور اس کا تو پورا یقین ہے کہ یہ ہمیں پریشان کن اور متواتر سازشوں میں برابر مہمک رکھے گا۔ مرہٹوں سے کسی ترمیم شدہ عہد نامے تک کی پالیسی کے متعلق لارڈ کیسل رے کی رائے یہ تھی کہ "میرے دل میں جو شکوک اور سو سے اس عہد نامے کے متعلق پیدا ہوتے ہیں، وہ اس خوف کی بنا پر ہیں کہ اس عہد نامے میں اس قسم کا میلان پایا جاتا ہے کہ جو ہمیں اس شور و غلہ پسند دولت سے روز افزوں جمہور کی خرابی اور گمراہی میں بہت زیادہ مبتلا رکھے گا۔ اور ایسی ہی ایک دلیل کہ پناہ

اس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ پیشوا اور دیگر ریاستوں کے مابین جو ہمیں حق ثالثی حاصل ہو گیا ہے وہ ترک کر دینا چاہئے۔

کیسل رسے کی حرف گیری کی یہ مختصر کہانی ہے۔ وصائلٹ ہال میں جس پالیسی کو بار بار بتاواؤں پکارا جاتا تھا، وہ عدم مداخلت تھی۔ اور اس کا جو جواب دیا جاسکتا تھا وہ صرف یہ تھا کہ یہ ناممکن ہے۔ قطعاً کہہ سکتے ہیں کہ اسے جاسکتے تھے۔ کہتے تھے کہ امدادی فوج کسی عنوان سے پیشوا کی سلطنت کی سرحدیں داخل نہیں ہونی چاہئے جب تک وہ اسے خاص طور پر طلب نہ کرے۔ بلکہ اسے کہنے کی ہی حدود میں رہنا چاہیے۔ یہ ایک ایسی تجویز تھی جو پیشوا کے لیے بمقابلہ عہد نامے کے کم اطمینان بخش تھی۔ کیونکہ اس حالت میں بھی توقع کی جاتی تھی کہ وہ امدادی فوج کے مصارف ادا کریگا۔ لیکن ناظموں کی بزدلی ان تجاویز سے ظاہر ہوتی تھی جو جنگ کے متعلق تھیں، جو پہلے ہی جاری ہو گئی تھی۔ انھوں نے لکھا کہ ”گوہم اس مصلحت کو مناسب خیال کرتے ہیں کہ اپنے متخاصمین سے تاوان کے طور پر بعض قربانیاں کرائیں۔ لیکن ان تجاویز سے آپ کو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ آپ کا طرز عمل اس کے ماتحت ہو جائے۔ بشرطیکہ آپ کی رائے یہ ہو کہ ہر حالت میں ہماری تمام فتوحات کی بجالی سے ہی صلح مستحکم طور پر قائم کی جاسکتی ہے۔“ اس تجویز میں کہ ویلزلی تمام فتوحات کو بحال کرے، کچھ عجیب سمجھوتہ آمیز ہفت رنگی سے نظر آتی ہے، اور کوئی شخص شکل سے اس شبہ سے بچ سکتا ہے کہ یہ بڑھے تاجر انگلستان میں بیٹھے ہوئے بے مزہ خوش طبعیاں کر رہے تھے۔

”فسفی مورخ“ ان سے دو قدم آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کا فیصلہ حد درجہ سخت تھا۔ مل کی نکتہ چینی کا صفر نے وکٹر نے صرف یہ تھا کہ اول تو اس عہد نامے سے جنگ پیدا ہو گئی، دوم اگر اس جنگ کا مقابلہ اس کے مصارف سے کیا جائے تو اس سے کچھ فائدہ نہ تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے ”عہد نامہ بسین سے جو فوائد حاصل ہوئے ہیں، وہ صرف دو باتوں میں جمع کیے جاسکتے ہیں۔ اول ہر پڑے داروں سے جنگ، دوم وہ ذرائع جنکی بدولت اس جنگ میں کامیابی نصیب ہوئی۔“ لیکن ان ذرائع کو مل ادائے تصور کرتا ہے، اور اس میں ایک حد تک وہ حق بجانب ہے۔ لیکن اسکی اصل دلیل ٹھیک نہیں۔ عہد نامہ بسین جنگ کا باعث نہیں ہوا۔ کیونکہ جنگ کا جلد یا بدیر ہونا بہ نفع ضروری تھا۔ اس عہد نامے سے

اتنا فائدہ ہوا کہ جنگ کو کامیابی سے جاری رکھنے کے بہترین مواقع مل گئے۔ کیسل رے کی حرف گیری کا جواب آرٹھر ویلزی نے، جواب بھر جنرل ہو گیا تھا دیا۔ اس نے اپنی معمولی راستبازی اور صاف دلی سے کہا کہ کیسل رے ہندوستان کی سیاسی حالت کو نہیں سمجھتا۔ فرانسیسی اثر کا خطرہ ابھی تک ہندوستان میں موجود ہے، اور اس سے حفاظت قائم کی ضرورت ہے۔ ”ہندوستانی سیاست“ کے ہر مسئلے کو سوچتے وقت ہر سیاسی کارروائی کی مصلحت کی تحقیقات کرتے وقت ایک بات کو نظر کے سامنے رکھنا چاہئے اور وہ یہ ہے، کہ یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ اس فعل سے ہندوستانی طاقتوں پر کیا اثر پڑے گا بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کا اثر فرانسیسیوں پر کیا پڑے گا؟ ”ممکن ہے کہ فرانسیسی اثر اس وقت ہمیں کچھ با وقعت نظر نہ آئے، لیکن ویلزی کا خیال صحیح تھا۔ اس لیے کہ جب تک جنرل پیرون سندھیا کے کپ میں فرانسیسی فوج کا سپا سالار تھا اس وقت تک فرانسیسی مداخلت کے امکان کو فراموش کرنا جرم تھا۔ زمانہ مستقبل میں نیپولین کو زیر کرنے والے نے اس مقابلہ پر ابھی سے نگاہیں جالی تھیں، جو اسکی زندگی کا سب سے زیادہ دھنشان و تابندہ کارنامہ بننے والا تھا۔

مرہٹوں سے انگریزی تعلقات کے متعلق بحث کرنے میں اس نے لکھا کہ اگر بسین کا عہد نامہ نہ ہونے کی صورت میں ہلکر کے ساتھ جنگ کا نتیجہ یہ ہوتا کہ تمام مرہٹہ ریاستیں ہمیں حقہ لیتیں۔ لیکن اس عہد نامے کے جوازیں سب سے بڑا اور قوی ترین جواب، جو کیسل رے اور ناظموں دونوں کے خلاف تھا، اس قول و قرار میں مضمر تھا، جس نے پیشوا کو پابند کر دیا تھا کہ وہ کمپنی کے مشورے اور منظوری بغیر نہ کسی سے معاہدہ اور نہ جنگ کر سکتا تھا۔ ”یہ شرط ہندوستان کے امن و امان کی دستاویز ہے۔ اور یہی وہ شرط ہے جس نے عہد نامے کو دفاعی اور گورنر جنرل کو حقیقی طور پر ہر ایسی جنگ کا ذمہ دار کر دیا جس میں برطانوی حکومت نے جنرل پیرون کی فوج کی قابلیت اور کارگزاری کی ترقی کے ساتھ فرانسیسیوں کے خیالات میں متدبیر تبدیلی ہونی ضروری تھی۔ کیونکہ یہ فوج ایک وسیع ملامت میں جو دریائے سندھ کے بائیں کنارے سے لیکر پنجاب میں سے ہوتا ہوا۔ اگر وہ دہلی۔ دوآبہ کے ایک بڑے حصے پر مشتمل تھا۔ اور ہندوستان کے شمال مغربی حصے پر ہزاری کزور ترین سرحد پر واقع تھا۔ اور اس وقت برائے نام مثل شاہنشاہ شاہ عالم نہایت بے عزتی اور بے حرمتی کی حالت میں اس کا قیدی تھا۔ (ویلزی دسپینچر جلد سوم ص ۲۲۲)

شریک ہوئے اگر عہد نامے میں یہ شرط نہ ہوتی تو پھر پیشوا ایک ذمہ دار شخص ہو جاتا، ٹھوس دماغ سیاسی نے اس طرح الزامات کو دفع کیا۔ لیکن یہ کم دینا ضروری ہے کہ وہ اُن عام اصولوں کو جن پر اسکے بھائی نے اس میں اور دیگر عہد ناموں میں عمل کیا ہے، پسند نہیں کرتا تھا۔
ہندوستان کے دیگر مقتدر افسروں نے بھی اس عہد نامے کی حمایت میں کوئی کمر نہیں اٹھایا
ان میں ایک تو سر بارلو تھا، جو بعد میں کچھ عرصے کے لیے گورنر جنرل بھی ہو گیا، اور جو ویلنلی کی پالیسی کا اندھا دھند مقلد نہ تھا۔ اس نے گورنر جنرل کے نام ایک خط میں اس عہد نامے کی زور و شور کے ساتھ تائید کی۔ اسنے لکھا کہ معاملہ بالکل صاف اور سیدھا ہے جب پیشوا نے ہم سے مدد مانگی تو کیا ہم کو یہ زبیر دیتا تھا، کہ ہم اپنے تمام قدیم تعلقات پر پانی پھیر دیں اور مدد سے انکار کر دیں؟ انکار کرنا خلاف مصلحت اور یکدینہ پن ہوتا اس مدد دینے کا نتیجہ وہ جنگ ہوئی جو لازمی تھی اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ۔

فرانسیسی منصوبوں کو شکست دینے کے لیے قطعاً لازمی تھا کہ ہندوستان میں کوئی ایسی دہی ریاست باقی نہیں چھوڑی جاوے جسے ہمیں جو بھلائیوں کی طاقت کے بل پر خاتم نہ ہو، یا جسکی سیاسی راہ ورش بھلائیوں کی اقتدار کے تحت میں نہ ہو۔

یہاں اس نے یہ بات ویلنلی سے کہیں زیادہ صفائی سے بیان کر دی ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کو اپنی عظمت برقرار رکھنے کا نہ صرف دعویٰ کرنا چاہیے بلکہ اس عظمت کی ضرورت بھی ہندوستان میں موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل چیز کو بارلو نے بالکل صحیح طور سے جانچ لیا تھا کہ انگریزوں کا حقیقی مطمح نظر ہندوستان کی سلطنت ہونا چاہیے۔

یہاں تک تو عہد نامہ بسین کے خلاف اعتراضات پر بحث کی گئی ہے اور ان کا جواب دیا گیا ہے لیکن ایک بڑا سوال رہا جاتا ہے، جو ویلنلی کی تمام عدولت کے زمانے میں جاری اور ساری رہا یہ مسئلہ اتحاد معاونت ہے۔ اگر یہ قرین دانائی سمجھا جائے کہ ویسی شہزادوں کی دستگیری اور اعانت کرنی چاہیے، تو پھر مارا فرض تھا کہ ہم پیشوا سے بھی اسی طرح کا عہد نامہ کرتے لیکن اس میں شریک نہ نکلتی ہے کہ کیا دستگیری و اعانت کے نتیجہ اور کوئی چارہ نہیں ہو

آرتھر ویلنلی نے باوجود دیگر بیہیت مجموعی عہد نامے کو پسند کیا تھا، اور پسند کرنے کی وجہ اہم تھیں، لیکن باقیہ کچھ دن بعد اسکے کارگر ہونے میں اسے شبہ ہو گیا اور اس شبہ کی بنا اس دستور و مسئلہ حکومت پر بے اعتمادی تھی۔ جون ۱۸۰۳ء میں انہوں نے ملکہ کو ایک خط میں لکھا

کہ ان معاہداتی عہدناموں کا ایک برائیتجہ تو یہ ہے کہ جن حکومتوں سے ہم اس قسم کے معاہدے کرتے ہیں، ان کی فوجی قوت بالکل برباد ہو جاتی ہے۔ اور پھر ان لوگوں کے ملک کی حفاظت کا دار مدار بالکل ہی ہم پر رہ جاتا ہے۔ اگر میزلسن چلے تو میں ان ریاستوں کے وجود کو قائم رکھوں، اور بجائے اس کے کہ ان کو نیست و نابود کر کے معاہداتی عہدنامے کے ذریعہ نئی طاقتیں ہندوستان میں پیدا کی جائیں، میں ان کی عملداری کی برطانوی اثر کے زور سے رہبری کروں گا۔ ایک سال بعد اس نے لکھا کہ اس قسم کے عہدناموں نے ان تمام ریاستوں کی طاقت کو بالکل توڑ دیا ہے جو ہماری زیر سیادت ہیں۔ لیکن اسکے ساتھ اس نے ان فوائد عظیم کی طرف بھی اشارہ کیا جو ان کے ذریعے سے حاصل ہوتے ہیں، ان عہدناموں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرہٹوں سے جنگ کے دوران میں، جو ظاہر ہے جلد یا بدیر ہونے والی ہی تھی، کپہنی کی مملکت پر مطلق چڑھائی نہیں ہوئی، اور اس طرح جنگ کے تمام نقصانات ہماری طاقت اور دولت کے سرخموں سے دور ہی رہے۔ قطع نظر اور تمام فوائد کے ہمیں ان اتحادی عہدناموں سے حاصل ہونے ہیں اور جن کو اگر ضرورت ہو تو گنوا یا جاسکتا ہے صرف یہی ایک حقیقت نفس الامری ان کے جوازیں کافی ہے۔“

لیکن تمام باتوں سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ جرنل ویلزلی بھی فی الحقیقت عہدناموں کی رسم کے موافق تھا۔ اسکی بیدگی گفتگوئیں بھی اس امر کی توثیق ہیں۔ پیشوا کے متعلق گرانٹ ڈف کا یہ خیال ہے کہ اس کے لیے بھی ایک راہ کھلی ہوئی تھی، اور وہ اسی طرح ایک یاد دہرے مرہٹے سردار کے ہاتھ میں کشتہ بلی بننے سے بچ سکتا تھا۔ وہ خود ایک برائے نام اور ناتوان شہزادے یعنی راجہ ستارہ کا نائب تھا، اور اب صورت حالات ایسی تھی کہ وہ اور چند وزیروں اپنے ساتھیوں کا بھی سایہ رہ جاتا۔ ملکہ جو ایک بڑا نفاذ اور تیز نظر آدمی تھا لکھتا ہے کہ پیشوا کی رعایا کے حق میں عہدنامے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے لیے امن و امان فراغت و خوش حالی کے زمانے کا آغاز ہو گیا۔“

امن و امان تو ہوا لیکن بوسیلہ جنگ۔ سندھیا اور بھونسلے نے تقریباً فوراً اتحاد و ارتباط کی خط و کتابت شروع کر دی۔ سندھیا کو عہدنامہ لبین اور پیشوا کی انگریزی اثر کی اطاعت میں

۱۷۹۷ء مکتوب مہاراجہ کو ملکہ ماکھوڈا نے انتخابات مراسلات ویلزلی کو
۱۷۹۷ء خط بنام سر مہاراجہ انتخابات از مراسلات ویلزلی مولفہ آؤن ص ۶۷

یہ نظر آنے لگا کہ مرہٹوں کی بقا کی آخری جدوجہد شروع ہو جا رہی ہے۔ جس طرح سے یقینی طور پر مرہٹوں کے چوتھے کے دعوے نے مغلوں کی سلطنت کو تباہ کر دیا، اسی طرح سے اتحاد معاہدہ، قبول کرنے میں انہی تباہی کی بارہی ہے۔ اس نے ہلکر کی طرف رخ کیا اور کوشش کی کہ انگریزوں کے خلاف اسے اتحاد پر آمادہ کیا جائے۔ لیکن تساہل یا کوشش کی وجہ سے ہلکر نے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی وہ مانوہ چلا گیا اور وہاں حالت غفلت و بیکاری میں واقعات کے انجام کا انتظار کرنے لگا۔ سر امٹی سٹن مائے کو باجی راؤ جیل ویلزلی کی زیر حفاظت پونا میں پھر داخل ہوا۔ جنرل مذکورہ ہی پولیٹیکل ایجنٹ اور فوجی افسر مقرر کیا گیا۔ اور اس نے بہت جلد معاملات کو انتہا کو پہنچا دیا۔ اب خیال یہ پیدا ہوتا تھا کہ آیا سندھیا اور بھونہ خاموشی سے اپنی اپنی ریاستوں کو واپس چلے جائیں گے۔ ہرگز نہیں تو پھر لڑائی ضرور ٹھننے لگی۔ اگست سٹن مائے کو گرل کانسس، برطانوی سفیر سندھیا کے کپ سے روانہ ہوا اور اسکی روانگی اعلان جنگ کی علامت قرار دی گئی۔

اس وقت سے واقعات سرعت کے ساتھ پیش آنے لگے۔ ہر چیز پیش منجی اور دانائی سے سوچ لی گئی تھی، اور یہی بات ویلزلی کی ہنگامی اور عظمت کی نشانی تھی کہ سندھیا کے اس تمام حصے کو فتح کر لیا جائے جو گنگا اور جہنا کے درمیان واقع ہے۔ اور اس فرائضی فوج کو جو اسکی حد کی حفاظت کر رہی ہے بالکل غارت کر دیا جائے، اور کمپنی کی سرحد کو جہنا تک اتنا بڑھا دیا جائے کہ اس میں دلی اور اگرہ دونوں شہر آجائیں، اور دریائے جہنا کے دائیں کنارے کے تمام قلعوں پر بھی قبضہ کر لیا جائے تاکہ دریا میں جہاز رانی کی اچھی طرح حفاظت کی جاسکے۔ یہ تجویز جنگ کا ایک حصہ تھا، اور اس میں کمپنی کے لیے ایسی سرحد کا حاصل کرنا بھی شامل تھا۔ جو اگر حقیقی اور قدرتی سرحد نہ ہو تب بھی اسکی آسانی سے حفاظت کی جاسکے۔ اور روہیلکھنڈ پر بھی اگر پورا نہیں تو اسکے اپنے حصے پر نصرت ضروری تھا، کہ جس سے اگرہ کو زیر نہیں رکھا جاسکے۔ اور گجرات میں بھڑوچ، براہے گرد پیش کے علاقے سمیت قبضہ کرنا چاہیے تھا۔ اس علاقے پر بمبئی کی کونسل کا عرصہ دماز سے دانت تھا۔ اور مشرق میں صوبہ کشک، تاکہ مدراس اور بنگال میں دساکل آمد و رفت قائم کر دے جائیں۔ مزید دیر ویلزلی کا آمادہ تھا کہ شاہ عالم نعل بادشاہ کو بھی جو عرصے سے سندھیا کے قابو میں تھا اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے پچاس ہزار آدمی جمع کیے گئے۔ گجرات میں کرنل مرسے کی

فوجی نقل و حرکت اور میجر و اگر کی سیاسی کارروائی کے نتائج کسی دوسرے ضمن میں بیان کیے جائیں گے۔ کرنل ہارکٹ کی تسخیر کنگ کو بھی صرف سرسری طور پر ہی بیان کرنا کافی ہے۔ لیکن اتنا کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں کہ ان دونوں جگہوں کی کارروائی کے لیے جن دسائل کا ویلزلی نے اندازہ کیا تھا، وہ حرف بھرت ٹھیک نکلے۔ بدلیکھنڈ بھی اسی قدر آسانی سے لے لیا گیا۔ اصل محرکہ آرائیاں بڑے زور و شور سے دکن اور ہندوستان میں ہوئیں جو جنرل ویلزلی نوٹسوار اور کرنل اسٹینونس آکٹوبر کی جمعیت کے ساتھ دکن میں جارحانہ عمل کے لیے چھوڑ دیئے گئے۔ ۸۔ اگست کو ویلزلی احمد نگر کی طرف بڑھا اور چار روز میں اسے فتح کر لیا یہاں سے وہ اورنگ آباد کی طرف چلا اور گوداوری کے بائیں کنارے سے احتیاطاً دریا کے کینٹا پر پہنچا، اسکو اس نے عبور کیا اور ۲۳ ستمبر کو بمقام اتشی سندھیا اور بھونسلہ کی مشترکہ افواج سے مقابلہ ہوا۔ اس لڑائی کا حال اتنی دفعہ اور اتنی عمدگی سے بیان کیا جا چکا ہے کہ اب اسکے اعادے کی کچھ ایسی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ خود جنرل کے الفاظ جو بالکل سیدھے سادے اور صاف ہیں۔

ہم نے فوراً حرکت کیا، اور گولوں کی تیز بوجھاریں آگے بڑھے..... غنیم کے رسالے نے ایسی حالت میں جبکہ چارویں، دس رجمنٹ توپخانے کا نشانہ بنی ہوئی تھی، حرکت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان کو برطانوی رسالے نے اسی وقت آگے بڑھ کر کاٹ دیا۔ آخر غنیم کی صف کے ہٹرن سے پاؤں ٹکڑ گئے اور برطانوی رسالے نے ان کی پیادہ فوج کی ٹوٹی ہوئی صفوں پر باروت صاف کرنے شروع کیے، غنیم کے بعض جوہر ترقیب و اسلوب کے ساتھ واپس پھرتے لیکن انھوں نے ہماری افواج پر متعدد قوتوں سے گولہ باری جاری رکھی، جو پہلے تو ان سے ایسے افراد حسین کی تعینات تھے جن کو وہ مردہ سمجھ کر گزر گئے تھے۔ نفٹ کرنل یکسول نے برطانوی رسالے سے غنیم کی پیدل فوج کی ایک عظیم ہرجت پر ہلکے کیا، جو پہلے تو مقام دست نہ لاکر بھاگ کھڑی ہوئی لیکن پھر جمع ہو گئی۔ اس مرکز میں نفٹ کرنل میکسویل مارا گیا۔ اور ان توپوں کی آتش باری کو بند کرنے میں بھی کچھ عرصہ لگا جہاں سے پہلے تو غنیم کو بھاگ دیا گیا تھا، لیکن بعد میں بعض نفوس نے اگر پھر جاری کر دی تھی۔ غنیم کا مسئلہ جو دورانِ محرم میں ہمارے گرد منڈلا رہا تھا، ابھی تک ہمارے نزدیک تھا۔ آخر جب سب سے آخری اجتماع پیادہ نے بیٹھ دکھائی، تو ہر سب بھاگ گئے۔ اور تو سے توہیں ہمارے لیے چھوڑ گئے۔

لے بھونسلہ ویلزلی کی مراسلت بنام گورنر جنرل انڈیا سلاٹ ویلزلی جلد سوم صفحہ ۳۲۵

یہ فتح واٹرلو کے فتح کی سب سے پہلی بڑی فتح تھی۔ اور اسکو اتنا مشہور کیا گیا ہے اور اس پر اتنی خوشی کا اظہار ہوا ہے جو اسی جنگ کی دوسری کامیابیوں کی نسبت سے بہت زیادہ ہے۔ مگر اس کوئی شبہ نہیں کہ یہ نہایت شاندار فتح تھی اور اس میں مردانگی کے بڑے جوہر دکھائے گئے تھے۔ تعداد میں غنیم کی فوج برطانوی فوج سے کم انکم دس گنی زیادہ تھی، اور اس کو یہ فوقیت بھی حاصل تھی کہ اسے فرانسیسی تربیت دی گئی تھی اور اس میں بہت سی فرانسیسی فوج بھی شامل تھی۔

ایک پر جوش سپاہی کا بیان ہے کہ یہ ایسی عظیم الشان فتح تھی، جسکی تاریخ دکن میں نظیر نہیں ملتی۔ اس کے بعد ہی ۲۹ نومبر کو ارگاؤں میں بھونسلہ کو شکست دی گئی۔ یہ لڑائی سابق لڑائی سے بھی زیادہ دو ٹوک تھی ۱۴ دسمبر کو جنرل ویلزی نے گاؤلگرھ کے عظیم الشان قلعے پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اس واقعے کے بعد جنگ کا خاتمہ ہو گیا اور بھونسلہ نے ہندوستان سے ہٹ کر اور اطاعت قبول کی۔ ۱۷ دسمبر کو جنرل ویلزی نے تلوار کی جگہ قلم لیا اور بھونسلہ نے دو گواؤں کے عہد نامے پر دستخط کیئے۔ پیشوا کے ساتھ جو عہد نامہ اس سے تہل ہوا تھا اسکی تمام شرائط سوائے اپنی سلطنت میں انگریزی فوج رکھنے کے سب اسنے قبول کیں۔ عہد نامے کی بڑی شرطیں یہ تھیں کہ وہ ناگپور میں برطانوی ایجنٹ کے رہنے میں کوئی تعرض نہ کرے گا، کسی ایسے ملک کی رعایا کو پناہ نہ دیگا جو انگلستان سے برسرِ پیکار ہو، اور شاہ نظام کے خلاف چوتھ کے تمام دعاوی سے دست کش ہو جائے گا، اور اپنے تمام لڑائی جھگڑوں کو انگریزوں کے سامنے بغض فیصلہ پیش کرے گا، اس کے علاوہ کنگا اور دریائے واروہا کے مغرب کی تمام اراضی سے دست بردار ہو گیا، جو تمام شاہ نظام کے حصے میں آئی ہو۔

ہندوستانی ہم بھی علیٰ ہذا اسی قدر شاندار تھی۔ جنرل لیک کے پاس تقریباً دس ہزار فوج تھی، اسکے مقابلے میں موسیو پیرون کی سرکردگی میں سندھیا کی فرانسیسی تربیت یافتہ فوج تھی۔ اس فوج کی تعداد بہت تھی، اور اسکو دراصل کاؤنٹ ڈی بائرن نے جمع کیا تھا۔ ڈی بائرن ایک سرخروش جوانمرد تھا۔ مگر اس میں وہ خصلتیں جو ایسے شخص میں ہائی جانی جاہلیں نہ تھیں۔ ماد معوجی سندھیا کا افتخار ہو گیا تھا، اور اسکا معتبر کپتان فرانس واپس چلا گیا تھا، لیکن اس فوج کو بے قدر رکھا تھا۔ ان کے مصارف کے لئے بعض اصلاح کو علمدہ کر دیا تھا، لہذا اس فوج کی ایک خاصی فوجی ہستی آباد ہو گئی تھی۔ اور ان کا کمانڈر موسیو پیرون تھا۔ لیکن آزاد فوج کی کپتانی ایک خوفناک اور غیر اطمینان بخش عہدہ تھا۔ جس میں ایشیائی و غائبازی اور کینہ لوزی کا خدشہ ہر وقت

لگا ہوا تھا۔ اور بیرون اس عہدے سے بالکل اکتا گیا تھا۔ اس نے انگریزوں کے ساتھ پہلے ہی سے سلسلہ جنمائی شروع کر دی تھی، لکہ اس کے علمی ہونے میں سہولتیں پیدا کر دیں چنانچہ ویلڈی نے اسے ہر قسم کی زد دینے کا وعدہ کیا تھا مگر اب جنگ چھڑ گئی تھی، اسکا علمی ہونا ناممکن ہو گیا تھا۔ بہر حال ناخواستہ اس نے لڑائی میں حصہ لیا کہ

فرانسیسی افسر کا دل تو اکلوتا تھا ہی۔ اسکے آخری فیصلے کے لیے چند ہفتوں کی نوک جھوکی کافی تھی۔ ۲۴ ستمبر کو چلیا لیک نے علی گڑھ کے مستحکم قصبہ پر قبضہ کر لیا۔ اس واقعے کے بعد بیرون نے انگریزی خطوط فوج سے گزرنے کی اجازت طلب کی، اور لیک نے خوشی سے اجازت دے دی چنانچہ ایک ایسا شخص جس کے متعلق ڈی بائرن نے گرانٹ ڈن سے کہا تھا کہ "سیدھی سادی طبیعت رکھتا ہے، جدت نام کو نہیں، لیکن بہادر و درہنہ" تائیخ کے صفوں سے بالکل معدوم ہو گیا۔ اس کی جگہ ایم کوئیس بور کوئرن ایک نو عمر افسر نے لی جس نے لیک کی افواج کے مقابلے میں صف آرا ہونے کے لیے جٹا کو عبور کیا، تاکہ دہلی پر اسکی یلغار کو روک دے۔ ۱۱ ستمبر کو شہر دہلی کے باہر نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ انگریزی رسالے کے مردانہ حلوں نے سندھیا کی فوج سے میدان بالکل خالی کرالیا۔ دہلی میں انگریزی فوج منظم و منصور داخل ہوئی، اور عمر شہنشاہ کو غلامی سے آزاد اور نئے آقاؤں کے زیرِ فرمان کیا، جہاں کے ساتھ اخلاق سے پیش آئے۔ ایم بور کوئرن نے لڑائی کے تین دن بعد اپنی ایک جمیٹ کے ساتھ ہتھیار ڈال دیئے۔ اس واقعے کے ساتھ ہندوستان میں فرانسیسی فوجی اثر کا خاتمہ ہو گیا۔

دہلی سے لیک نے اگر کی طرف کوچ کیا، ۱۸ اکتوبر کو اگر سے نے اطاعت قبول کی ۱۳ اکتوبر کو بمقام سوارسی ایک دو ٹوک لڑائی ہوئی۔ یہاں سندھیا کی بقیہ فوج کے بڑے حصے سے لیک کی ٹڈ بھڑ ہوئی، سخت لڑائی ہوئی اور بہت خون بہا۔ لیکن آخرش انگریزی ہاتھوں کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکی، اور سندھیا کی فرانسیسی فوج یا تو قید کر لی گئی، یا قتل کر دی گئی۔ اس لڑائی نے جنگ کو ختم کر دیا۔ سندھیا کے پاس اب کوئی فوج نہ رہی تھی۔ اور اب وہ اپنے جھنڈے تلے فوج جمع کرنے کے لیے رنچلوں کا جھوٹ موٹ نام بھی نہیں استعمال کر سکتا تھا۔ بمونے کو شکست ہو رہی چکی تھی اور وہ صلح کر چکا تھا۔ اسکے لیے بھی اب صلح کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

۳۰۔ ستمبر کو محمد نامہ سرحدی اجنہ گاؤں پر دستخط ہوئے۔ اسکی رو سے سندھ صیاجنا اور گڈگا کے درمیان تمام ملک، احمد نگر (جو پیشہ کو دے دیا گیا تھا) اور بروج کے تمام اختیارات اور حقوق سے دست بردار ہوا۔ جسے پور، جو دھپورا اور گواد کے شمال کا تمام علاقہ انگریزوں کے سپرد کیا۔ اس نے تمام دعووں کو جو اسے انگریزوں اور ان کے اتحادیوں کے خلاف تھے ترک کر دیا۔ اور اس بات کا اقرار کیا کہ وہ کسی قوم کی رعایا کو جو انگریزوں سے بہرہ یکار ہو، اپنے ہاں ملازم نہ رکھے گا۔ اور ان تمام راجپوت سرداروں کے حقوق کا اعتراف کریگا جن کی حمایت میں جنرل لیک آٹھا تھا۔ اسکے ٹھوڑے عرصے بعد سندھ صیاجنا اتحاد معادنی کی ترمیم شدہ صورت میں شریک ہونے پر مجبور ہوا۔

اب معلوم ہونے لگا کہ صلح اچھی طرح قائم ہوگئی۔ ویلزلی نے ایک مراسلت انگلستان بھیجی اسکے مراسلات وہاں پہلے ہی شہرت حاصل کر چکے تھے، اور اس میں اُن تمام پیش ہا نتائج کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا، جو اس جنگ اور صلح سے پیدا ہوئے اور ہونے والے تھے۔ سندھ صیاج اور بھونسلہ کی فوجی طاقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے کوئی خطرہ نہیں رہی تھی۔ فرانسیسیوں کے تمام مقبوضات تباہ کر دیئے گئے تھے، اور مالک شمال مغربی میں برطانوی اثر اچھی طرح قائم ہو گیا تھا۔ اور شاہ عالم کے نام کا وہ رسوخ جو ہندوستان میں پیدا ہو سکتا تھا ان کے قبضے میں آگیا۔ اس جنگ میں جو مقبوضات حاصل ہوئے تھے اُن سے برطانوی طاقت و اقتدار دونوں میں معتد بہ اضافہ ہوا تھا۔ اور ہندوستان کی ہر بڑی ریاست کے سلسلے میں گورنمنٹ کو استحکام حاصل ہو گیا تھا۔ ویلزلی نے یہ تمام باتیں ڈاکٹر کٹروں کو بالکل صاف صاف لکھا بھیج دیں۔ کلکتے کے باشندوں کے ایک پرجوش خطبے کے جواب میں ویلزلی کے پرانے رنگ کی جھلک نظر آتی ہے:-

اتفاق لائے اسے مثل فوج، عمدہ ذرائع طاقت اور اتحاد اور جانور سبب جنگ نے مجھے اس قابل کر دیا کہ میں ان مشکلات کا مقابلہ کر کے انہیں زیر کر دوں، جنہوں نے مجھے گھیر رکھا تھا، اور غنیمت کی فوج کے پہلو پر اپنے جارحانہ عمل کا عامل اور کامل اثر دیکھوں۔ ہندوستان اور دکن کی مصائب کی ظلمت اور صیاحیہ جنگی تہاؤں اور فانی کاساوی پھب نظر ڈال جاتی ہے، تو دل میں شکر و امتنان، قربان و قومیت کا ایک جذبہ پیدا ہوا ہے۔ نقشہ جنگ کی تیاری جو یہ کام تھا، اس فوج کی شہرت کے مطابق مل میں آئی تھی، جو فتح و نصرت کی عادی، جوشیلان اور خطر کی نوکرمچتی ہے، جو تربیت و اسلوب کے اہل اصول کی

دل دادہ ہے، جس میں فتوحات سابق نے ایک روح بھونک رکھی ہے، اور جس کو ایسے جنرل کمان کرتے ہیں، جن میں اعتماد پیدا کرنے، حوصلہ بڑھانے اور کامیابی کو یقینی بنانے کے تمام اوصاف موجود ہیں، فتح کا بہتر سہمہ صلح ہے، یہی صلح فوجی نصرت کا بہترین زیور ہے، اور کامیاب ہمدردی کی غایت اور انتہا۔ صلح جو ہوئی ہے، اس میں جنگ کا ہر مقصد شامل ہے، اور

اس میں اس وسکون کی بحالی کی ہر عملی ضمانت موجود ہے۔

اس معاملے میں گورنر جنرل بہت جلد باز تھا۔ صلح کا پہل ابھی پورا نہیں پکا تھا۔ ایک طرف تو وہ یہ تقریر کر رہا تھا، دوسری طرف جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مئی ۱۸۵۷ء سے پہلے پہلے ہلکر نے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔ چنانچہ ویلزلی نے اپنے عمل کے جن نتائج کا دعوے کیا تھا، وہ پورے ہونے نظر نہیں آتے تھے۔ انگلستان میں اس کی تمام پالیسی پر نکتہ چینیاں شروع ہو گئی تھیں اور ان کی کیفیت اس کے پاس پہنچنے بھی لگی تھی۔

کیمبل نے اس معاملے کو اشتباہ و شک کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا تھا اس نے (۱۷ مئی ۱۸۵۷ء) کو ویلزلی کو جو خط لکھا، اس کا لب و لہجہ مودبانہ نہ تھا، اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ویلزلی کی کامیابی کی غیر معمولی دشمنانی نے لوگوں کے دلوں میں اسکا ادب پیدا کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اس نے وہ شک ظاہر کیے۔ اول تو یہ کہ کیا وہ اصول جو پارلیمنٹ نے منظور کیے ہیں الحاق کی پالیسی کی اجازت دیتے ہیں؟ دوم، کیا ملک کی اور اغراض و فوائد کی توسیع سے باراتنا نہ بڑھ جائے گا جسے ایک معمولی حاکم نہیں اٹھا سکتا؟ ہم اپنے آپ کو دھوکہ دینگے اگر ہم اس بات کی توقع رکھیں کہ ہم آپ کا جیسا ہانشین ڈھونڈ لکھ لیں گے، جو حکومت کی کل کو اسی زور شور سے جاری رکھ سکے، جس طرح ہر محکمہ اس وقت آپ کے دل و دماغ کی ہدایت میں کام کر رہا ہے۔

لیکن یہ نکتہ چینیاں بہت جلد حسین و آفرین سے بدل گئیں۔ اور ہر شک و شبہ، سوال و جواب، غصہ و مطعون قرار پا گیا۔ ۱۸۵۷ء کے آخر میں جنرل لیک نے ویلزلی کی زیر ہدایت، ہلکر سے نامہ و پیام شروع کیا، اور ان دونوں میں بے حد خط و کتابت ہوئی۔

۲۸۔ دسمبر کو لیک نے گورنر جنرل کے نام مراسلت میں ہلکر کے ”عجیب اور غیر معمولی رویہ“ کی طرف اشارہ کیا، اور بتایا کہ وہ لوگوں سے زبردستی محصول وصول کر رہا ہے اور ملک کے باشندوں کو لڑھکھڑاہٹ ہے۔ اور یہ کہ ”اس نے حال میں ان انگریز فسادوں کو جو ابھی

لازمت میں تھے، جان سے مروا ڈالا ہے، یعنی کپتان دکارسن، ہٹاؤ، اور راکن کو ویلزلی ابھی تک اسی خیال میں تھا کہ غالباً صلح ہو جائے گی۔ اور اسے یقین تھا کہ جب ہلکر کو سندھیا کے عہد نامے کا حال معلوم ہوگا تو وہ فوراً صلح کرنے پر آسانی سے آمادہ ہو جائیگا۔ لیکن اس معاملے میں اسے قطعاً دھوکا ہوا تھا۔ مرہٹوں کی پالیسی ہمیشہ یہ رہی ہے کہ وہ جنگ کا اس طرح صاف طور پر کبھی اعلان نہیں کرتے، جسکے یورپین ہمیشہ متوقع رہتے ہیں۔ محمد امیر خاں کی تزک سے جو ہنڈاریوں کا سرگروہ تھا، اور اس زمانے میں ہلکر کا اتحادی تھا، یہ بات عیاں ہے کہ جس وقت سے پیشوا نے اطاعت قبول کی، اسی وقت سے تمام مرہٹے سرداروں نے بدل و جان انگریزوں کے خلاف ایک کر لیا تھا۔ واقعات کچھ ایسے پیش آگئے تھے کہ انہوں نے ہلکر کی فوج کو میدان کارزار میں آنے سے روک رکھا (اسی کی لڑائی) کے موقع پر وہ درحقیقت کوچ کر رہی تھی، مگر درحقیقت ہلکر نے اپنے ہم قوموں کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔

بیس دجہ ویلزلی کے نامہ و پیام بے کار ثابت ہوئے۔ ۱۶۔ اپریل کو گورنر جنرل نے جنرل لیک اور جنرل ویلزلی کے نام احکام جاری کیے، کہ لڑائی فوراً شروع کر دیجائے، اسکا حکم یہ تھا کہ لیک اس فوج کو جو ہندوستان میں مقیم تھی لے کر دہلی سے روانہ ہو جائے۔ کرنل مرے گجرات سے ماہرے میں ہلکر کے مقبوضات پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اور سندھیا کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے حریف کے ملک کی تسخیر میں انگریزوں کا ہاتھ بٹائے۔

ابتداءً یہ تمام کارروائی ٹھیک چلتی رہی۔ ۱۶۔ مئی کو رام پور سے کوچ شمال میں ہلکر کا قطعہ تھا اٹے لیا گیا۔ اور ہلکر وہاں سے بھرت تمام بھاگا۔ جنرل ویلزلی نے لیک کو ہدایت کی کہ یا تو ہلکر کا تعاقب کرے اور یا برسات کے موسم میں اپنی تمام فوج کو ہندوستان واپس لے آئے بد قسمتی سے اس نے دونوں میں سے ایک بات پر بھی عمل نہ کیا۔ بلکہ وہ خود توکان پور چلا آیا اور کرنل مانسن کو ہندوستانی پیدل کی پانچ پلٹنوں، تھوڑے سے توپخانے، اور چار ہزار بے قاعدہ رسالے کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ ہلکر کو آگے بڑھنے سے باز رکھے، اور اگر موقع لے تو خود آگے بڑھ جائے، ہلکر کا تعاقب کرے یہاں تک کہ وہ کرنل مرے سے جا ملے۔ مانسن اپنے اس بزرگ کے شل، جو دارن ہسٹنگز کا کونسل میں مخالف تھا، ذاتی طور پر بہادر تھا، مگر اس میں پیش بینی۔ استقلال یا دور اندیشی نام کو نہ تھی۔ وہ درہ مکند واڑہ سے دریائے جہلم

کی سمت چلا۔ مگرے خواہ غلط اطلاع موصول ہونے کے باعث، یا خوف سے یا دوراندیشی کے خیال سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اب جب مانسن کو یہ معلوم ہوا کہ ہلکر کی تمام فوج اس کے مقابلے میں ہے تو وہ ہنگامہ بگڑا گیا۔ اس کے پاس کل دو روز کا سامان رسد تھا، اور سندھیا کے جنرل نے جو اس کے ساتھ تھا ڈراونی اور بھانگ باتوں سے اس کے کان بھرنے شروع کیے۔ آرتھر ویلزلی نے اس معاملے کو نہایت مختصر بیان کیا ہے کہ ”مانسن اور مریے دونوں ہلکر سے ڈر گئے اور دونوں مختلف سمتوں میں بھاگ کھڑے ہوئے۔“

مانسن نے وہیں سے اپنا رخ بدلا اور بھاگنے کی ٹھیکرائی۔ ہلکر نے جسکی قسمت اس کے گھوڑے کی زمین سے وابستہ تھی، ہلکے سارے کو لیکر اس کے ارد گرد منڈلاتا رہا بھولے بھٹکوں کو قتل کیا اس کے بے قاعدہ سواروں کو ہزیمیت دیکر تباہ کیا اور تمام سامان رسد داؤد و قہ سے اسے محروم کر دیا۔ ۱۸- تیانج کو لیک کو یہ خبر پہنچی کہ پسپائی شروع ہو گئی ہے، لیکن اس نے مصیبت کی وسعت کا پورا اندازہ نہیں کیا۔ اس نے ویلزلی کو لکھا کہ

”میرے نزدیک ہلکر اپنے سارے کو آسانی سے لاکر چادی پیدل فوج پر حملہ نہیں کر سکتا تاقتیکہ وہی نہیں

نہ لے آئے۔ اور جب توہیں آگئیں تو پھر وہ خود اس کی قتل حرکت چلا کر لگی اور اس کے رسالے کو زیادہ نقصان

پہنچانے سے باز رکھیں گی۔ اسکا توہمانہ آخر میں خود اسکی تباہی کا سبب بن گا۔ ایک دیدہ دلیری قابلِ داد ہے

..... مجھے یقین ہے کہ کرنل مانسن اب بھی اسکا ختمی سے تہ تاب کر دیکھا“

اس نے گورنر جنرل کو اس باب دلچسپی میں لکھا، مگر اس نے تاثر لیا کہ معاملہ بے ڈھب ہو گیا ہے اور واپس آنے والی فوج کو فوراً مدد نہ پہنچانے کا الزام اس کے سر پر ہے گا۔ اس کے خط کا آخری حصہ اس لحاظ سے عجیب ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گورنر جنرل اور اس کے ماتحتوں میں کیسی گرم جوشی اور انس تھا اور یہ بات عام طور پر معلوم تھی کہ ویلزلی کو لوٹنے والی فوج کے نقصان اور فائدے کا کس قدر احساس تھا۔ خط کا آخری حصہ یہ ہے :-

میں یہ خط آپ کو بہت جلدی میں لکھ رہا ہوں، اور آپ سے صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ آپ اس

بدمزہ معاملے سے اپنے آپ کو بچے چھین اور بے آرام نہ کریں گے اور تعین نہیں گئے کہ جو کچھ

لے لیا اس آف دی وار ان اڈیا، مصنفہ سیر ولیم جھارن مطبوعہ ۱۸۵۹ء انڈیا پریس آف دی پریس

ایسٹ انڈیا پریس کلکتہ میں جلد دوم ۱۸۵۹ء - ۵۳۸ -

۷ جولائی ۱۸۵۷ء مراسلات ویلزلی جلد چہارم ص ۱۸

ناگوار خرابی پیدا ہو گئی ہے اس کی اصلاح میں کوئی دقیقہ فرو گزشت نہیں کیا جائیگا۔ مایوسی بالکل بے سود ہے، اس لیے ہمیں پوری کوشش اور پوری سرگرمی سے کام کرنا چاہیے تاکہ جلد سے جلد تلانی مافات ہو جائے۔ مجھے احساس ہے کہ میں اس قابل ہوں اور اتنی طاقت و توانائی رکھتا ہوں کہ اگر وقت پڑے تو ہر قسم کی تکوان کو خواہ جسمانی ہو یا دماغی، برداشت کر دوں گا۔ دماغی تکوان کا تو میں آپ کی طرح خوب عادی ہو گیا ہوں میری دلی تمنا ہے کہ میں یہ دیکھنے کے لیے زندہ ہوں اور دیکھوں کہ آپ کے دل کو اطمینان نصیب ہو گیا ہے، آپ تندرست اور مسرور ہیں یہ ہے تمنا آپ کے جاں نثار خادم کی۔ جی لیک

لیکن مصیبت کے بعد مصیبت نازل ہوتی گئی ظالم سنگھ والی ریاست کوٹ نے (جسکے تعلق لیک نے اسی خط میں یقین ظاہر کیا تھا کہ اس نے بہت عمدہ خدمت انجام دی ہے) مراجعت کرنے والی فوج کو اپنی ریاست کی حدود میں سے گزرنے سے قطعی طور پر روک دیا۔ ریاست شروع ہو چکی تھی، اندیاں خوب چڑھ چکی تھیں اور سڑکیں کیچڑ کے مارے ناقابل گزر ہو گئیں تھیں۔ اسی مصیبت کے عالم میں مراجعت جاری رہی کچھ دنوں بعد ندیوں اور دریاؤں کو پایاب عبور کرنا ناممکن ہو گیا، اور ضرورت پیش آئی کہ یا تو پشتیاں ہم پہنچائی جائیں یا بیڑہ بنایا جائے، نتیجہ یہ ہوا کہ واپسی کی رفتار سست ہو گئی، اور حلوں کی تیزی بڑھتی گئی۔ مانسن نے بھی کوئی عقلمندی نہیں دکھائی۔ ۲۹ جولائی کو اسے رام پور میں لگ بھگ گئی تھی۔ اسے چاہئے تھا کہ اسکے بعد اپنی تمام فوج سے ضمیمہ پر پلٹ پڑنا لیکن جہاں پھرتی دکھائی دیا تھا تھی وہاں اس نے سستی سے کام لیا، اور جہاں اسے غور و تامل سے کام کرنا چاہئے تھا وہاں جیتی اور پھرتی کا اظہار کیا۔ ایک ماہ تک وہ رام پور میں پڑا رہا، آخرش وہاں سے مراجعت کی، جس نے بہت جلد گریز اور فرار کی صورت اختیار کر لی اس پر طرہ یہ ہوا کہ سندھیا کی فوج نے اسکا ساتھ چھوڑ دیا، اور پھر ہر لڑائی میں اسکی بری گت بنی۔ ایک مہینہ بھی پورا ختم ہونے پایا تھا، کہ نہریت خوردہ فوج کے ہوش و حواس جاتے رہے اور وہ بے تماشاجھاگی، اور اگر میں آکے دم لیا۔ جب لیک کو فوج کی ذلت و خواری کا حال معلوم ہوا تو اس نے ویلزلی کو لکھا کہ :-

میں اس وقت اس ذلت اور مصیبت کے تعلق کچھ نہیں لکھنا چاہتا جو ہم پر پڑی ہے.....
ایسی اعلیٰ فوج کبھی نہیں بھی گئی تھی..... میری پانچ پلٹیں اور چھ کپٹیاں ضائع ہو گئیں۔

رجحیت میری فوج کا بخیر طبعی، اور اسکا حال غذا ہی کو معلوم ہے کہ ان کی جگہ دوسرے آدمی کہاں سے
بیسرے آئینگے۔ میں بہت سے بے شل نوجوان سپاہیوں کا جاس فوج میں شریک تھے اور ان سے
آگاہ امیدیں وابستہ تھیں تاہم کہہ رہا ہوں۔ لیکن

اس کتاب کا موضوع یہ نہیں ہے کہ اس میں فوجی نقل و حرکت کی تفصیل بیان کی جائے، اور
یہ تو بالکل عیاں ہے کہ اس ہزیمت کا گورنر جنرل کسی عنوان سے ذمہ دار نہیں ہے، اگرچہ ویلزلی
نے اپنے مطمئن دماغ اور صاف قوت فیعلہ سے اس تنباہی کا جلد تہذیب کیا، وہ لکھتا ہے
کہ ”میری قطعاً رائے یہ ہے کہ مانسن بے سوچے سمجھے آگے بڑھا اور اسی طرح بے سبب
سمجھے پٹا اور اسے کچھ خبر نہ تھی، کہ اس کو چھپاؤنی سے پانچ میل کے فاصلے پر کیا گزر رہی ہے“
اس نے کچھ دنوں بعد ایک دوسرا خط لکھا، جس کی نسبت پیل کی رائے یہ تھی کہ وہ ایسا عجیب
وغریب فوجی خط ہے کہ اس کا ثانی تمام عمر اس کی نظر سے نہیں گزرا۔ یہ خط اب ایک مستند
یا دگار تصور کیا جاتا ہے اس کا کچھ حقہ درج ذیل ہے:-

اول تو معلوم ہوتا ہے کہ کرنل مانسن کی فوج اتنی طاقتور نہ تھی کہ اگر ملکہ اپنی تمام فوج جمع کر کے لاتا تو
یہ اسکا مقابلہ کر سکتی، کم از کم کرنل کی خود ہی رائے تھی۔ دوم معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس سالن آؤتو
نہ تھا۔ سوم فزہمی رسد کا انحصار بعض راجاؤں پر تھا، جو اسے آگے بڑھنے پر آمادہ کر رہے تھے۔
چہارم برطانوی اندروں نے رسد کی بہم رسانی کا بوندی یا کوٹیس کوئی انتظام نہیں کیا، اور نہ نام پوری
میں جو ہمارے قبضے میں آگیا تھا اور جہاں ہماری فوج موجود تھی۔ پنجم فوج ندی نالوں اور دریاؤں کو چھو
کرتی ہوئی بہت آگے بڑھ گئی تھی۔ اور ان دریاؤں میں نہ تو اس نے کشتیاں چھوڑی تھیں اور نہ اس کے
جمع کرنے کی کوئی فکر کی تھی، حقیقت یہ ہے کہ فوج کو اپنی سلامتی کے لئے واپس کوڑ کا مٹون احسان
ہونا چاہیے کہ اس نے انھیں کشتیاں بہم پہنچا دیں۔ ان واقعات کا نتیجہ بری عقل میں صرف یہ آتا
ہے کہ اگر ملکہ اپنے توپخانے اور پیادہ فوج سے اس لشکر پر حملہ نہ بھی کرتا تو بھی یہ ویسے ہی تباہ جاتی
اس مہم سے ہندوستانی جنگ کے متعلق ویلزلی نے جو سبق سیکھے، وہ مختصر اور قیمتی تھے۔
اور ممکن ہے کہ یہ تنباہی اُس دورانِ اندیشی کا سبب ہوئی ہو جس نے بعد میں کامیابی کا منہ نہ دکھایا۔
ہر کیف یہ ایک ایسا سبق تھا جسے عرصے تک ہندوستانی لکیتوں نے زندہ رکھا اور جسے برطانوی

۱۹۔ دسمبر ۱۸۵۷ء مراسلات ویلزلی جلد چہارم ص ۱۹۔

۲۰۔ انتخاب مراسلات ویلزلی میں اس موضوع پر کئی خط ہیں، ص ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔

افسر بھی جلد نہیں بھولے گا۔
 گورنر جنرل نے بھی ذمہ داری ٹالنے کے لیے کوئی رجمان نہیں ظاہر کیا، گو وہ کسی طرح
 مورد الزام نہ تھا۔ اس نے نہایت فرخ دلی سے کہا کہ "مانسن کا خواہ کچھ ہی حشر ہو ہو
 یا اس کی ناکامیوں اور بد نصیبیوں سے میری شہرت پر کیسا ہی حرف کیوں نہ آئے، میں
 کوشش کروں گا کہ اس کے دامن کو بدنامی کے دھبے سے بچاؤں۔ اور یہ کیونہ بن تو مجھے
 ہرگز نہیں ہوگا کہ اس کی شہرت کو اپنی شہرت پر سے قربان کر دوں گا۔"
 مصیبت تب ہی اٹلیز اور مملکت تھی۔ فی الحقیقت اس نے ویلزی کی شہرت اور حیثیت
 پر ایک کاری تازیانے کا کام دیا۔ عوام الناس کا جوش مسرت اور واضعان قانون کا شکر اور
 امتنان جو ویلزی نے درخشاں کامیابیوں سے حاصل کیا تھا، کمپنی کے ارباب کے
 غلط و غضب کو سنبھالے ہوئے تھا۔ لیکن اب انکے سیت و لعل اور تامل کی انتہا
 ہو گئی تھی۔ خوف زدہ ہو کر انہوں نے یہ تہیہ کیا کہ ویلزی کو فوراً واپس بلا لیا جائے اسکی
 پالیسی کو بالکل الٹ دیا جائے۔ اس تازیانے کا اثر ہندوستان میں بھی کچھ کم نہ ہوا۔ اس
 نے مرہٹوں کے سینے کی دبی ہوئی چنگاری کو بھڑکا دیا، اس نے سندھیا اور بھٹیلہ کو
 جرأت دیدی کہ وہ انگریزوں سے رشتہ اتحاد توڑ دیں، اس نے تمام ہندوستان کی ہمت
 برعادی اور لوگوں کو یقین آگیا کہ جس طرح ہلکر نے انگریزوں کو مغلوب کر لیا، اسی طرح اور لوگ
 بھی اب کر سکتے ہیں۔ اگر مانسن سے یہ غلطی سرزد نہ ہوتی، تو ہلکر کو چند ماہ میں کچل دیا ہوتا اور
 پھر ویلزی کی پالیسی کو کامل طور پر فاش و عروج حاصل ہو جاتا، اور ہر طرف سے اسکی توبخیں ہوتیں
 اور مرہٹوں سے انگریزوں کے تعلقات کے عظیم الشان مسئلے کے حل کے لیے ۱۸۱۸ء
 تک کا انتظار نہ کرنا پڑتا۔

گر یہ ہریت محض عارضی تھی۔ کرنل مڑے اس سے قبل واپس آگیا تھا اور اس نے ہلکر کے
 وار السلطنت اندو پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہلکر نے اکتوبر کو خود دہلی کا محاصرہ کیا، اور اس کو
 ۱۴۔ اکتوبر تک جاری رکھا۔ مانسن کی پسپائی اور فراری کے برعکس مدافعت نہایت
 بہادری اور دانائی سے کی گئی تھی۔ سپاہیوں کے ایک چھوٹے سے دستے نے ایک ایسے
 افسر کی زیرکمان جو اپنے آدمیوں کو خوب سمجھتا تھا اس عظیم الشان شہر کی حفاظت جس کا

قطر دس میل کا تھا، نمایاں کاسیابی کے ساتھ کی بو
لیک کے آنے سے پہلے غنیم وہاں سے ہٹ آیا۔ ہلکے نے اس کے بعد کوشش کی
کہ کمپنی کی ملکیت کو تباہ و برباد کرے۔ اسے اپنے رسالے کے پہلی کی طرح کام کرنے پر بڑا ناز
تھا۔ اس نے دو آگے پر یلغار کی، اور راستے میں ہر چیز کو لوٹتا اور جلاتا ہوا چلا گیا، اور ڈیگ کے
مقام میں خندقیں بنا کے بیٹھ گیا۔ برطانوی سپاہ نے جنرل فریزر کے تحت میں ۱۲۔ نومبر کو اس کا
کھوج لگایا، اور دوسرے دن علی الصبح اس پر حملہ کیا۔ برطانوی فوج کو فتح عظیم حاصل ہوئی۔
۷۶ ویں بہادر رسالے نے جس نے پہلے بھی اس جنگ میں کارہائے نمایاں کئے تھے،
ہر چیز کو اپنے سامنے سے حس و خاشاک کے مانند صاف کر دیا۔ تین دن بعد جنرل لیک
نے ہلکے کے رسالے کی ایک عظیم جمعیت کو فرج آباد کے مقام پر تلوار کے گھاٹ اتارا۔
زراں بعد وہ ڈیگ کے طرف بڑھا قبضہ اور قلعے کا محاصرہ کر لیا ۲۳۔ دسمبر کو تسخیر کر کے

اس میں داخل ہوا۔
لیکن لیک کی قسمت میں ابھی تشنہ کامیاں اور ہزیمتیں لکھی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد
اس نے یہ عزیمت کیا کہ بھرت پور کے راجہ کو سزا دی جائے جس نے انگریزوں کو دغا دی تھی اور
ہلکے سے جا ملا تھا۔ لیکن بھرت پور بہت مستحکم قصبہ تھا، چھ میل سے زیادہ اس کا قطر تھا
تو چٹان اور دفاعی مورچے اچھے تھے، اس نے لیک کی تمام کوششوں کا مقابلہ کیا، لیک
نے بقول ویلنگٹن "سخت خطرناک غلطی" کی، اور بے سود حملے کر کے اپنے تین ہزار
آدمی ضائع کیے۔ لیک رسالے کا جنرل تھا اور اسے محاصرے کے متعلق جابرانہ عمل
کا مطلق علم نہ تھا۔ البتہ ہلکے کی کمک کو بھگا دینے میں اس کی کارگزاری زیادہ کارگر ہوئی،
اور اس طرح راجہ بھرت پور نے یکم اپریل کو اپنے قلعے کے فتح ہو جانے سے پہلے معاہدہ
منظور کر لیا۔

جنگ کے باقی ماندہ حالات غیر دلچسپ ہیں، اگر سیاسی تبدیلیاں واقع نہ ہوتیں تو
ظاہر ہے ہلکے کو بالکل مطیع کر لیتے، اور پھر ویلزلی "کسی فائدے سے دست کش
ہوئے بغیر ایسا التزام کرتا کہ امن و سکون اگر مستقلاً انہیں تو کم از کم عرصہ دراز کے لیے حاصل
ہو جاتے"۔ لیکن ویلزلی کی حکومت کے دن پورے ہو گئے تھے۔ ناٹھوں نے جب مانسن کی

معیت کا حال سنا، تو اُن کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ انھوں نے فوراً ویلزلی کو واپس طلب کیا اور اسکا جانشین لارڈ کارنوالس ۳۰ جولائی ۱۸۰۵ء کو کلکتے میں وارد ہو گیا، ویلزلی جانتا تھا کہ لارڈ کارنوالس کے تقرر کا منشا یہ ہے کہ اس کی پاسی کو بالکل تسلط کر دیا جائے۔ جنگ سے ایسے وقت میں ہاتھ اٹھا یا گیا جب کامیابی بالکل قریب آگئی تھی، پھر ہلکر سے جنگ کو اغلباً کامیاب تصور کیا جاتا اگر ویلزلی کی پہلی فتوحات ہندوستانی جنگ کے متعلق انگریزی معیار تو فتوحات کو بہت بڑھا چڑھا نہ تھیں۔ ہلکر کی قوت اتنی ٹوٹ چکی تھی کہ بہت جلد اسکا چراغ گل ہونے والا تھا، اسکے اتحادی یا تو بالکل کمزور ہو گئے تھے یا انھوں نے اسکا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ مرہٹوں کی کسی طاقت میں اتنا دم نہیں رہا تھا کہ انگریزوں کے مقابلے کی تاب لاسکے۔ لیکن اس عرصے میں جب ویلزلی کی باپسی کو قطعی طور پر ترک کر دیا تمام پرانی رقتیں از سر نو پیدا ہو گئیں، اور انھوں نے لارڈ ہیسٹنگز کے لیے از سر نو اتنا ہی دشوار کام لکھ کر دیا، جس پر ویلزلی نے اپنی طاقت خراج کی تھی؛

اس جلیل القدر گورنر جنرل کے فوجی کارناموں کے اختتام پر ناظرین کو یہ توقع ہوگی کہ اس کی ملکی فتوحات کی دانائی اور زیر کی پر بھی تبصرہ کیا جائے۔ اگر ایک اصول موضوعہ کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس کی کارگزاری نرسی تحسین و آفریں سے ہی ملو نظر آئے گی۔ سوال یہ ہے کہ کیا برطانوی غلط کسی ہندوستانی قطعہ ملک کو فتح کرنے میں حق بجانب تھا؟ اگر اس کا یہ جواب صحیح ہے کہ انگریزی سودا گروں اور سپاہیوں نے جو کچھ بیان کیا وہ ٹھیک کیا تو پھر ہم ویلزلی کو نہ صرف معاف کریں گے، بلکہ اسے خراج تحسین ادا کئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ جبکہ دوسروں نے محض کھوکھلے عدنامے کئے تھے اور ملک بہت کم تسخیر کیا تھا، جن کے باعث ذمہ داری تو عائد ہو گئی تھی، لیکن ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے حق حکومت حاصل نہیں ہوا تھا، تو ایسی حالت میں صرف ویلزلی ہی وہ شخص تھا، جس نے پہلے پہل اس مسئلے کی وسعت پر جو اس کے ہونٹوں کے سامنے پیش تھا، نظر ڈالی۔ روپے پیسے کا یہ معاملہ نہ تھا، ذاتی عرص یا قلب سے اسے کوئی غرض نہ تھی، نہ دوسروں کے ملک پر دست اندازی اس میں مضمر تھی۔ بلکہ ہندوستان کو مستحکم حکومت کی، ظلم اور رشوت ستانی سے نجات کی، آزادی و بیخ نظری کی سخت احتیاج تھی۔ اسلامی یا ہندوستان کوئی طاقت ایسی نہ تھی، جو ان احتیاجات کو پورا کرنے کی اہل ہو۔ برطانوی کمپنی بھی ایک ہندی طاقت شمار کی جانے لگی تھی، اور صرف ایک

یہی طاقت تھی جس سے اتحاد اور نئی روح پیدا ہونے کی امید تھی۔ انگلستان میں ناظموں کو صرف تجارت کا خیال تھا، اور حکومت برطانیہ پالیسی پرٹی ہوئی تھی، لیکن تھما ویلزلی کو یہ نظر آ رہا تھا کہ ہمارے سامنے وہ مواد ہے جس سے ایک سلطنت پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اس کے ذریعے قومیت کا وہاں آغاز ہو سکتا ہے چنانچہ اس نے اُن دنوں میں جب مرہٹوں سے لڑائی کا اندیشہ تھا، کیسل رے کو ایک خط میں لکھا۔

میرافیاں یہ نہیں ہے کہ ہندوستان میں ملکی مقبضات کے کسی حصے کے متعلق کمپنی کی حالت ایک جاگیر دار کی شخصیت سے مشابہ تصور کیا جائے۔ ہندوستان میں مقبضات ہونے کے اعتبار سے کمپنی کی حیثیت ایک فراں روا کے مثل سمجھنی چاہئے۔ اگر اسکے علاوہ کسی دوسرے اصول کا اعتراف کیا جائے۔ اور کمپنی کو ہندوستان کی برائے نام خزانہ روائی کی اجازت دیکھائے۔ تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک طویل اور لاطال خلفشار پیدا ہو جائے گا اور ایسی حالتیں کوئی چیز اس ملک کو محض و فساد سے نہیں بچا سکیگی، سوائے اسکے کہ پھر شاہ دولت برطانیہ غلط ہندوستان میں برطانوی مقبضات کی براہ راست عملداری فوراً اپنے ہاتھ میں لے لے۔ یہی چیز اسکی عظمت اور بلند نظری پر دلالت کرتی ہے۔ کہ اس نے بے کم و کاست برطانوی ہندوستان کو وسعت دینے کی ذمہ داری اور احتیاج کا اعتراف کیا ہے۔

چھٹی فصل

حکومت، تعلیم اور فوج

ویلزلی ان لوگوں میں سے نہیں تھا، جو کسی کل کو اس کے پرزے سمجھ بغیر استعمال کر بیٹھتے ہیں، بلکہ وہ اس کا ریگر کے مثل تھا جو کل سے پورا فائدہ اٹھانے کے ساتھ یہ بھی دیکھ لیتا ہے کہ اس میں اصلاح کی کتنی گنجائش ہے اور اپنے تجربے کی روشنی میں اس کے نقائص کو رفع اور خوبیوں کو کامل کر نیکی فکر شروع کر دیتا ہے۔ اس موقع پر دو باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔ اول تو ہندوستان کے متعلق وہ حالات جو ویلزلی نے اپنے زمانے میں

پائے اور قلمبند کیے ہیں۔ دوم وہ منصوبے جو اسکی اصلاح کے متعلق اسکے دماغ میں تھے ۹۔ جولائی ۱۹۷۱ء کی محضرہ مفصل روندا دیں گورنر جنرل باجلاس کونسل نے اس زمانے کے نظام حکومت کو میان کیا تھا۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل کو اعلیٰ انتظامی اختیارات حاصل ہیں۔ اس کے علاوہ قانون بنانے کے بھی بلا شرکت غیرے پورے مجاز ہیں۔ ”صدر دیوانی عدالت اور صدر نظامت عدالت میں گورنر جنرل باجلاس کونسل اختیارات عدلیہ میں بہت بڑا دخل رکھتے ہیں“ اس نظام حکومت کے ترتیب دینے والوں کا اصل مشا یہ تھا کہ اس کو برطانوی اساس حکومت کے اصول پر ترکیب دیں چنانچہ ضروری ترمیم کے ساتھ اسکو پایہ تکمیل کو پہنچا دیا۔ بعض نمج سے یہ انتظام نہایت ہی اطمینان بخش ثابت ہوا۔ ویلز کی نے اپنی روندا دیں یہ بھی لکھا تھا کہ ”جن اسباب کے باعث انتظامی اور قانونی اختیارات کی باگ ڈور پوری طرح گورنر جنرل باجلاس کونسل کے زیر تصرف رہی، ان کی ظاہر شان اور نوعیت مستقل معلوم ہوتی تھی“ دراصل لیکہ گورنر جنرل باجلاس کونسل کے یہ بات قابو سے باہر تھی کہ وہ داگستری کے فرائض کا حقہ انجام دے سکیں اور وہ داگستری قانون گری کے فرائض کا ایک ہی جماعت کے سپرد اشتراک حکومت کے مسئلہ اصول کے منافی تھا۔ ذاتی حقوق کی حفاظت ان لوگوں سے جو سیاسی عہدوں پر فائز تھے، قطعاً آزاد اور بے تعلق ہونی چاہئے تھی۔ اور نہ ہی سرکاری حکام کو اختیار دینا چاہئے تھا کہ وہ قوانین کو بد نظمی و ابتری، بھول چوک یا تاخیر عمل و نظم کے باعث خارج از عمل اور سیکا کر دیں۔ اس بات سے بہت تکلیف پیدا ہو گئی تھی کہ ان عدالتہائے عالیہ کی کارروائیاں کمرہ بند کر کے خفیہ ہوتی تھیں اور انتہایہ تھی کہ فریقین یا ان کے وکلاء کو بھی وہاں ٹھہرنے نہیں دیا جاتا تھا۔ ان خرابیوں کے باعث گورنر جنرل باجلاس کونسل نے عہدہ بالجویم کر لیا تھا کہ ان دونوں عدالتہائے عالیہ کو از سر نو ترتیب دیا جائے، اور ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ جج مقرر کیے جائیں اور ان کو وہ تمام اختیارات دے دیئے جائیں جو اس وقت گورنر جنرل اور راکان کونسل کو حاصل تھے اور موخر الذکر کو دارالقضاء کے معاملات میں بے دخل کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد روندا دیں گورنر جنرل باجلاس کونسل کے انتظامی فرائض کی توضیح و تشریح تھی۔ اس میں تمام خارجی تعلقات، داخلی حکومت، بندوبست، اور ہندوستان کے محاصل و مناج عامہ قواعد و ضوابط فوج اور قہرسم کے متفرقات کا انتظام شامل تھا۔ ان تمام باتوں پر

انتظام حکومت کے دوسرے فرائض کے علاوہ جن میں احاطہ مدراس اور بمبئی کے متعلق فرائض سب سے زیادہ اہم تھے، گورنر جنرل کو کمپنی کے تجارتی معاملات کی بھی نگرانی کرنی پڑتی تھی۔ ان فرائض کے انجام دہی کے لیے بڑے بڑے عمدہ داروں کی ایک جماعت کے ملازم رکھنے کی ضرورت تھی۔ اور سب سے زیادہ ضروری یہ تھا کہ یہ لوگ نہایت روشن دماغ اور اعلیٰ درجے کے قابل ہوں۔

گورنر جنرل کے فرائض اور اختیارات کے خاکے سے قدرۃً دو نیچے مرتب ہوتے ہیں، اولاً یہ کہ چونکہ خاص طور پر گورنر جنرل کو دوسرے صوبوں پر کامل اختیار حاصل ہے اس لیے ان اختیارات میں ترجیحاً انکی از سر نو ترتیب فائدہ مند ثابت ہوگی، ثانیاً کمپنی کے افسروں کے انتخاب اور تربیت میں صدر صدر احتیاط برتنی ضروری ہے۔ جولائی ۱۷۷۴ء روگرد میں موغل الذکر اہم پر ویلزلی نے بہت اصرار کیا تھا، اور آگے چل کر ہم اسی پر تفصیل سے بحث کریں گے۔ امر اقل کے متعلق ہمارے پاس بہت کم مطبوعہ مسانہ ہے اس لیے ہم اس بات میں اس جلیل القدر مذہب کی انا کی نسبت کوئی نتیجہ مستنبط نہیں کر سکتے خوش قسمتی سے انڈیا آفس کے دفتر محافظ میں ایک مثل ایسی موجود ہے، جس میں ہندوستانی حکومت کی اصلاح کے متعلق بڑی دلچسپ تجویز ہے۔ لہذا اس کے ہاتھ کے اسپر کچھ حاشیے بھی چڑھے ہوئے ہیں، اور انھوں نے اسکی قدر قیمت کو دو بالا کر دیا ہے اس روگرد میں ویلزلی نے یہ تجویز کیا ہے کہ بمبئی اور لنکا کی حکومتوں کو ہم کر کے اسکو صوبہ مدراس کے تحت میں کر دیا جائے۔ تاکہ پھر ہندوستان کی تمام برطانوی مقبوضات میں ایک نائب صدر گورنر جنرل اپنی جائے اقامت کو وقتاً فوقتاً تبدیل کرتا رہے اور وہ نوں احاطوں کے معاملات و دعوات کے ہر جزو پر اپنی نگرانی قائم رکھے گورنر جنرل کی غیبت میں نائب صدر کو پورا اختیار ہونا چاہیئے، مگر مرنی گری کے اختیارات مکمل طور پر گورنر جنرل کے ہی تحت میں رہنے چاہئیں۔ نائب صدر کا تقرر ہمیشہ انگلستان سے ہونا چاہیئے اور ان میں سے کسی کو بھی کبھی سپہ سالار نہیں بنانا چاہیئے۔ گورنر جنرل کو براہ راست تاج برطانیہ سے فرمان تقرر ملنا چاہیئے۔ یہ بات اشد ضروری ہے، تاکہ وہ انقطاعی طور پر اپنے اختیارات کو بڑی اور بھری افواج پر استعمال کر سکے۔

گورنر جنرل کے قانون سازی کے متعلق اختیارات میں بھی نقص تھا، مثلاً اس کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ کلکتہ میں اشیا کی درآمد پر کوئی ٹیکس لگاے۔ دراصل لیکہ یہ اس کے قانون سازی کے فرائض کا جزو ہونا چاہئے تھا۔ آخر میں ویلزی نے ایک ایسے معاملے کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں اسے ذاتی طور پر بے آرام رہنا پڑتا تھا۔ وہ یہ تھا کہ گورنر جنرل کو کونسل کے ہر اجلاس میں قانوناً موجود رہنا چاہئے اس نے اس بات میں یہ ایسا کیا کہ رکن اعلیٰ گورنر جنرل کی عدم موجودگی میں کسی صدارت پر تو بیٹھے، لیکن کوئی کام گورنر جنرل کے دستخطوں کے بغیر جائز و مستحکم تصور نہیں کیا جائے۔ گورنر جنرل کے متعلق ویلزی نے مختص طور پر یہ لکھا کہ اسے "ہینرہ برطانیہ عظمیٰ کا امیر ہونا چاہئے۔ ہندوستان میں اس کا وقار برقرار رکھنے کے لیے یہ مطلقاً لازمی ہے کہ وہ اعلیٰ مرتبہ کا شخص ہو۔ ہندوستان کے معاملات سے اگر وہ واقف ہو تو فیما اور اگر یہ نہیں تو کم از کم امور عامہ پر اسے پوری دہش ہونی چاہئے۔"

ان تجاویز کی غرض و غایت میں اہمیت مضمر ہے، اور ڈنڈاس کی تنقید بھی کچھ کم مفید اور دلچسپ نہیں اس لیے کہ ڈنڈاس کی تنقید سے ظاہر ہوتا ہے کہ ویلزی کی تجاویز کو کیوں عام طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ ڈنڈاس کا خیال تھا کہ مدراس اور بمبئی کے صوبوں کو صدمہ کر نیکے علاوہ اور کسی تبدیلی کی چنداں سخت ضرورت نہیں معلوم ہوتی اور نہ ہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گورنر جنرل کا تقرر شاہی فرمان کے ذریعے سے کیا جائے یا اسکو شاہی افواج پر اختیار دیا جائے۔ بحری فوج کے متعلق بھی علیٰ ہذا اس کا یہی خیال تھا۔ البتہ اس کا اس نے اعتراف کیا کہ قانون سازی کے متعلق نقص کو رفع کروایا جائے، کیونکہ یہ لا بدی ہے کہ "اختیار قانون سازی کا عہد آمد موقع و محل قانون پر ہی ہونا چاہئے، اور اس کی تفصیلات کو ہرنچ سے برطانوی پارلیمنٹ کے دائرہ اقتدار سے باہر رکھا جائے۔" ڈنڈاس حقیقت میں اس معاملے میں کچھ نہ گرم نہیں نظر آتا تھا۔ اسکی تنقید اور اظہار رائے کی ایسی بی بی تھی تحریر تھی جیسے کہ وہ لوگ اکثر کرتے ہیں کہ "اس معاملے میں نہایت احتیاط اور غور سے توجہ کی جائے گی۔"

لیکن ان تجاویز پر اور تنقیدیں اور تحقیقیں بھی موجود ہیں۔ اور ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان پر پورا غور و خوض کیا گیا تھا۔ مئی ۱۹۰۱ء میں ۱۶۔ اپریل ۱۸۸۰ء کے مراسلے میں

ان تجاویز پر رائے دی ہے، علی الخدھیں صوبوں کے ضم کرنے کے معاملے میں وہ لکھتا ہے یہ کام آسانی سے اس طرح ہو سکتا ہے کہ پارلیمنٹ میں ایک قانون پاس کیا جائے جس کی رو سے بمبئی کے احاطے کو توڑ دیا جائے اور اس کے متعلق تمام اختیارات احاطہ مدراس کو تفویض کر دئے جائیں اور مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ دارالحکومت کو رنگاچم میں منتقل کر دیا جائے، اس عجیب تجویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ ویلزلی کی حکمت عملی سے مرکز عمل کتنا بدل گیا تھا، یعنی مغرب سے جنوب میں چلا گیا تھا۔

لیکن ان تجاویز میں سے کسی کا بھی اس وقت کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ انڈیا آفس میں اس روئداد کی نقل پر کوئی تاخیر درج نہیں ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے یہ بھیجی گئی تھی، اور اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ ویلزلی کا تجربہ بچتے ہونے کے بعد لکھی گئی تھی۔ باہمہ وہ نہایت صفائی سے ان آراء و خیالات کو ظاہر کرتی ہے جن کے متعدد اشارے اسکے مطبوعہ مراسلات میں ملتے ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں کہ قوانین میں گورنر جنرل کے اختیارات ناکافی طور پر بیان کیے گئے ہیں اور وہ غیر اطمینان بخش طریقے پر برتے جاتے ہیں اور یہ کہ محکوم صوبوں پر اسکے تسلط کو پوری تقویت اور پوری وسعت دینی چاہئے، ویلزلی کے دل میں بلاشبہ یہ بات سمائی ہوئی تھی کہ اعلیٰ درجے کی ہندوستانی حکومت "شاہی موضوع" بننے کے بعد بھی عالم ظہور میں آسکتی ہے۔ کیونکہ ذمہ داری اتنی وسیع اغراض و مقاصد اتنے پھیلے ہوئے تھے، حکومت کا حشر ایسا غیر متیقن تھا، کہ مقتصدہ حکومت ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ برطانوی ہندوستان کے حاکم پر کامل اعتماد کرنا چاہئے۔ اور علی طور پر وہ مطلق العنان ہونا چاہئے۔

وہ قوانین جو بطور اصول کار اسکے لیے شروع سے ہی وضع کیے گئے ہیں۔ ان کی وہ خوشی سے پیروی کریگا، لیکن حکمت عملی خود اسکے ہاتھ میں جھوٹ دینی چاہئے اور اس معاملے میں اس کو پورا اختیار ہونا چاہئے کہ جیسا وقت اور موقع آئے پڑے گا، ویسا ہی وہ بلا روک ٹوک عمل کریگا۔ کمپنی کی تنگ نظری اور اچھی اور تا جراتہ راؤں پر ویلزلی دانت پست تھا اور اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ اور اس ارادے میں وہ کامیاب بھی ہوا کہ سلطنت کی مکمل عمارت کا معمار وہ خود بھی ہوگا۔ لیکن یہ بات بھلائی نہیں جاسکتی کہ گو وہ ایک جلیل القدر آقا تھا۔ لیکن کمینیت ملازم وہ حد درجہ خشم انگیز اور اپنے آقاؤں میں غصے کو مشتعل کرنے والا بھی تھا۔

اسے یہ تربیت ہی نہیں ملی تھی کہ وہ کسی کا محکوم ہو کر کام کرے یا رہے۔ لیکن بہر حال اس نے خود کو خواہ کتنا ہی خود مختار کیوں نہ بنالیا ہو وہ گورنر جنرل کو کہتے ہی وسیع اختیارات دینے کا حامی کیوں نہ ہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اختیار و اقتدار کا اتنا طالب نہیں تھا جتنی قابلیت اور ریاست کا اپنی تمام تجاویز میں سب سے زیادہ اسی بات پر ملتا ہوا تھا کہ کمپنی کے ملازم لائق و فائق ہوں اور اس کیفیت کا اندازہ اس کی تمام مساعی سے جاس نے اس ضمن میں کیں اچھی طرح کیا جاسکتا ہے۔ اور ایک یہی بات ہے جس نے اس کے مابعد نسلوں کی نگاہوں میں اسکو حیرت پسند عاقل اور دور اندیش قرار دیا۔ جہاں اس کا یہ خیال تھا کہ اس عہدے کی شان و شوکت کو بڑھادیا جائے وہاں یہ بھی چاہتا تھا کہ عہدہ داروں کو تعلیم و تربیت بھی دیکائے ۹ جولائی ۱۸۳۷ء کو جو مراسلت اس نے بھیجی ہے، اسکے آخر میں اس نے شد و مد سے التجا کی ہے کہ کمپنی کے ملازمین کی تعلیم مکمل اور معین کرنے کا پورا انتظام کر دیا جائے۔ اس موضوع پر رومکدا پیر و رومکدا وجود ہیں اور انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کے محافظ خانے اس خیال کی تکمیل اور توضیح کے لیے مشغول ہیں اور کائنات سے بھرے پڑے ہیں۔

۲۴۔ اکتوبر ۱۸۴۹ء کے ایک مراسلہ بنام ڈپٹی اس میں اسباب و اغراض کو مجمل طور پر بیان کیا ہے۔ "عدالتوں میں عدل و انصاف کرنے، صوبوں میں محاصل جمع کرنے، کی انتظامی حالت ناقابلیت کی ایسی دردناک تصویر پیش کرتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کو خوش فہم رکھنے کے لیے بہتر سے بہتر مجموعہ قوانین بالکل بے کار ہے، تاوقتیکہ اس بات کا انتظام نہ کیا جائے کہ عدالتوں اور صوبوں کے دفاتروں کے ہر شعبے اور صفے میں ایسے قابل آدمیوں کی بہرسانی کا سلسلہ جاری ہو جائے، جو ان قوانین کو عمدہ طور پر استعمال کرنے کے اہل ہوں۔ کمپنی کے محرم ہندوستان میں جاہل مطلق آتے تھے اور یہاں آنے کے بعد بالکل آزاد رہتے تھے۔ کوئی ان کا نگران و نگہبان نہیں ہوتا تھا۔ تربیت اور تعلیم نام کو نہیں مانتی تھی اس لیے کمپنی کا فرض تھا کہ جس طرح گورنر جنرل کا عزم تھا، ان لوگوں کو تھوڑی بہت تعلیم و تربیت یہاں ہی دیدی جائے۔"

مجھے تو اس میں بھی شک ہے کہ ان دنوں میں بھی جبکہ ترقی و تہذیب، مقابلہ و حجادے کا دور دورہ ہے، ہم نے کبھی اس بات کا احساس بھی کیا ہے کہ گذشتہ صدی کے ہندوستانی

سول ملازمین کی حالت کیا تھی؟ چند پتھر کتے ہوئے ناول، یا چند ستین سوانح عمریاں ایسے لوگوں کی جو فرشتہ صفت ہوں، یا جنھوں نے بعض بڑے بڑے کام کیے ہوں، کل ہماری کائنات ہے، جس پر ہم نے اپنے خیالات کی عمارت تہنی ہے۔ مگر ان میں صرف ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو کم گناہی سے نکلا کر آسمان شہرت پر چکے، جن کی عمریں محنت و مشقت میں گزریں، اور جن کی ہمتیں اتنی بلند تھیں کہ انھوں نے حوادث کے تھپڑے کھاکھا کر نام پیدا کیا اور وہ ایسے لوگ تھے جو ہر حالت اور صورت میں شہرت حاصل کر لیتے۔ ان کتبوں میں اینگلو انڈین کی معاذرت کی جو تصویر دکھائی گئی ہے، گو اس میں کلکتہ یا بمبئی کے صاحب بہادروں کے تعلق افزہ طبع کا عجیب و غریب سامان ہے، لیکن ان میں ان سرکاری عمال کی زندگی پر سے پردہ نہیں اٹھایا گیا، جو دور و دراز مقامات پر متعین تھے، جہاں وہ سن بلوغ کو پہنچتے ہی جمیہ بڑے جلت تھے جب ان کی رگوں میں گرم خون زور و شور سے رواں تھا، اور جب ان کو اپنے ذاتی امور پر بھی شمتہ برابر قابو حاصل نہیں تھا۔ یہ لوگ مغربی تہذیب اور اس اقلیم کے نمائندے تھے جسکو فاتح اور آزاد قوم ہونے کا نعرہ حاصل تھا۔ قدیم کلکتے کی بعض ایسی ذلیل یادگاریں موجود ہیں جن سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ان مقامات کے رہنے والوں کی اخلاقی حالت جہاں انگریزی سوسائٹی کا نام و نشان نہ تھا، اور جہاں کوئی معاشرتی قانون خواہ وہ کیسا ہی ناقص حالت میں ہو موجود نہ تھا، کوئی ناگفتہ بہ حالت ہوگی۔

بہت سے ذمی عزت اور ایسے ذمی قدر نام ہیں جن سے کمپنی کے ملازمین کی فہرست کو ذخیرہ حاصل ہوتا ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اینگلو انڈین افسروں کے متعلق انگریزی داغ میں یہ خیال بس گیا ہے کہ یہ لوگ ایک ایسی جماعت ہیں جن کی عادات و خصائل مضحکہ خیز ہیں، اور جن کے عادات و اخلاق خراب ہو گئے ہیں۔ اس موجودہ صدی کے اوائل میں واپس شدہ انگریزی افسروں کا جو نقشہ انگلستان کے علم ادب میں کھینچا گیا ہے، اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی تربیت آج کل کے سول ملازمین سے بالکل مختلف تھی۔ اور موجودہ زمانے کے لوگوں کو اپنے نفس پر قابو حاصل ہے۔ اپنے فرض کا بڑا احساس ہے، طبیعت میں سرگرمی اور فیاضی ہے۔ اسکا نام بھی گذشتہ صدی کے سول ملازمین میں نہ تھا۔

ویلنٹی نے نہایت سیدھے سادے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ”وہ لوگ جو نوجوانی کے

عالم میں اندرون ملک بھید کیے جاتے ہیں، وہ بہت جلد سستی و کاہلی، آرام طلبی اور اذنی دہے کی عیب نشی اور ورشت خوئی کا شکار بن جاتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی زندگی اور عادات و اطوار کی بنیادیں ان ہی ممالک کی برائیتوں اور نفس پرستیوں پر پڑتی ہیں۔ پس یہ شخص وہ برائیاں جو پیدا ہو جاتی تھیں۔ فورٹ ولیم میں ایک کالج کی بنیاد لانے کے متعلق جو یادداشتیں ویلزلی نے لکھیں اُن میں اُس نے اُن تعلیمی نقائص کو جو اسے حدودِ جہتیں اور صاف نظر آتے تھے، تفصیلاً بیان کیا ہے۔ کمپنی کے ابتدائی زمانے میں اس کے ملازمین کے فرائض بالکل تجارتی تھے، لیکن جوں جوں اس کی ملکی طاقت بڑھتی گئی، اسی تدریجاً ملازمین کے لئے پیچیدہ عہد و معاہدے کا کام بڑھ گیا، محاصل و مالیہ کے مشکل نظاموں کا التزام ان کے تحت میں آگیا، اور کروڑ ہا مخلوق خدا کی داد گسٹری، جن کی زبانیں، عادات و اطوار مذاہب مختلف تھے، ان کے ذمے آچکی۔ کمپنی کے سیول ملازمین کی حیثیت اب ایک تجارتی کمپنی کے سفیروں اور مہتمموں کی نہ رہی تھی، بلکہ وہ درحقیقت ایک طاقتور بادشاہ کے وزیر اور افسر ہو گئے تھے۔ سوداگر کی بجائے اب وہ مہر ہو گئے تھے، اور تاجروں کی بجائے مضبوطی، سفیر، صوبہ دار اور جج بن گئے تھے۔ ان فرائض کو بحسن و خوبی انجام دینے کے لئے نہایت مناسب اور موزوں معلوم ہوتا تھا، کہ اُن کی تربیت سخت اور اُن کی تعلیم سنجیدہ ہونی چاہئے اور انکی افتاد ایسی پڑنی چاہئے کہ ان کے دلوں میں محنت و مشقت، دانائی اور دور اندیشی، سچائی اور راستنہی، احساسِ مذہب اور انصاف ایسی مضبوطی سے جڑ پکڑ لیں، کہ پھر اُن تمام بڑی ترغیبوں اور بدعظیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں، جو ہندوستان کی آب و ہوا میں تربیت کئے ہوئے ہیں، اور جن میں ہندوستان کی مخلوق خاص طور پر ملوث ہے، اور جو انہیں ہر گز گھیر سکی اور ان پر حملہ آور ہو سکی۔

موجودہ نظامِ تعلیم غیر مکتفی اور ادھورا تھا، اور یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ جس کے لئے کسی وقت کی ضرورت نہ تھی۔ کمپنی کے محرم ہندوستان میں سولہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں آتے تھے، اپنے فرائض کے علم سے مطلقاً بے بہرہ ہوتے تھے، تاہم، علمِ قانون، علمِ اخلاق، اور ان لوگوں کی زبانوں سے جن پر وہ حکومت کرنے آتے تھے بالکل نا بلد ہوتے تھے۔ وطن میں جو کچھ بھی تعلیم حاصل کرتے تھے، وہ بلا کسی استثناء کے بہت کم اور تجارتی قسم کی ہوتی تھی، اور

جب وہ اس عمر کو پہنچتے تھے کہ ان کی تعلیم عہدگی سے نشوونما پائے اور کچھ لائے تو ان کا لکھنا پڑھنا ایک لغت بند کر دیا جاتا تھا۔ جب وہ ہندوستان آتے تھے تو ان کی ناقابلیت اکثر اوقات انہیں آرام طلبی کی طرف مائل کر دیتی تھی، اور مطالعہ جاری رکھنے کے لیے ان کے حوصلے بڑھانے کی کوئی تدبیر نہیں کی جاتی تھی۔

ان نقائص کا علاج بقول ویلزلی اعلیٰ قسم کی تعلیم میں تنہا جسکی بنیاد عاتقانہ طور پر انگلستان میں رکھی جاتی، اور اوپر کی عمارت باضابطہ طور پر ہندوستان میں تکمیل پاتی۔ اسکے بعد یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ کتنا وقت تعلیم کے لیے انگلستان میں صرف کیا جائے اور کتنا ہندوستان میں؟ اس بات میں ویلزلی ہی سب سے پہلا آدمی تھا جس کا سابقہ ان سے بڑا جن کے متعلق کچھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سول سروس کے امتحانات میں تازہ ترین تبدیلیوں نے ان کو حل کر دیا ہے۔ کہا یہ ممکن ہے کہ والدین اپنے بچوں کو انگلستان میں طویل تعلیم دلا سکیں؟ کیا ضروری تعلیم کا انگلستان میں پورے طور پر انتظام کیا جاسکتا ہے؟ کیا سول ملازمین کے باہر بھیجنے کی مدت میں التواء اور تعویق بہت سے سول ملازمین میں ایسی عادات اور ایسے تعلقات پیدا نہ کر دیں گے، جنہیں وہ ایک مدت گزر جانے کے بعد نہایت مشکل سے بادل ناخوش ستہ چھوڑیں گے؟ اگر وہ بڑی عمر ہونے کے بعد باہر بھیجے جائیں گے، تو کچھ کہیں ان کو اتنا وقت اور اتنا موقع ملے گا کہ وہ اتنی دولت وہاں سے جمع کر کے انگلستان واپس آئیں، کہ آزادی اور خوشحالی سے بقیہ عمر گزار دیں۔

یہ سب وہ مسائل جو ویلزلی کو حل کرنے تھے۔ ان میں سے بعض حل ہو چکے ہیں بعض کے متعلق ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حل کرنے کی اس وقت ضرورت نہیں اور بعض مختلف صدوں میں پیش آتے رہتے ہیں۔ ویلزلی کی تجویزوں میں سے ہر ایک کی کم سے کم علی نگار اور بے لاگ غور و خوض کا نتیجہ تھی اس کی رائے تھی کہ ہندوستانی سول ملازمین کی قابل اطمینان تعلیم کے لیے ہندوستان میں ایک کالج کا قیام از حد ضروری ہے کیونکہ یہ بات عیاں تھی کہ انگلستان میں قانون، زبان اور رسم و رواج کے متعلق صرف نظری واقفیت حاصل ہو سکتی تھی۔ اسکی تائید میں سر ولیم جونس کی تسخیر انگیز مثال موجود ہے۔ یہ تمام یورپ میں ایک جید مستشرق مشہور تھا لیکن جب وہ کلکتے آیا، تو مشرق کی خواہ وہ کسی زبان میں گفتگو نہ کر سکا وہ اہل زبان کے لیے بالکل ناقابل فہم ہوتی۔

ہیں وجہ فورٹ ولیم میں ایک کالج کا سنگ بنیاد رکھنا ضروری ہو گیا تھا۔ اس کے ذریعے ہندوستان کے عاملوں سے پہلے ملاقات اور تبادلوں خیالات کے موقع بھی نکلیں گے۔ اور ہندوستانی علماء کی حوصلہ افزائی بھی ہوگی۔ رہے مصارف ویلزلی اسی کو اول دن سے سنگ راہ سمجھتا تھا لیکن اس نے اس کی نسبت یہ بیان کیا تھا کہ اگر اسکے لئے ایک رقم وقف کر دی جائے تو فیسا اور پھر اگر کمپنی کو یہ منظور نہ ہو تو وہ مصارف کے کسی مزید بار کو نہ اٹھائے، کیونکہ اس کا شیج ہندوستان کے سبیل ملازمین کی تنخواہوں میں سے چھوٹے چھوٹے چندے حاصل کر کے چلایا جائیگا۔ یہ ہے اس کے مشہور مراسلے کا لپٹ لباب۔ لیکن اسکے جواب میں جو اس پرنٹسٹنٹ پٹری، اسکا سے سان گمان بھی نہ تھا؟

اس اثناء میں اس نے کالج قائم کر دیا اور خود اسکے قواعد منضبط کیے۔ نصاب تعلیم جو بنایا گیا تھا وہ الاجواب تھا۔ انتظام و انصرام، قیام و طعام، تعلیم و تربیت کے متعلق قواعد و ضوابط جہانک امکان میں تھا، انگریزی یونیورسٹیوں کے نمونے پر وضع کیے گئے تھے۔ اس طرح کالج وجود میں آیا اور تعلیم شروع ہو گئی۔ خاص خاص موقعوں پر گورنر جنرل بنفس نفیس وہاں جاتا۔ انعامات تقسیم کرتا، اور اپنی جلیل الشان و فصیح و طبع تقریروں میں طلباء کو خطاب کرتا۔ اس کے امتحانات کے نتائج بڑے مفید اور اطمینان بخش ہوتے تھے اور شروع شروع کے بہت سے طلبہ جو امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوئے کمپنی کی ملازمت میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو کر انھوں نے شہرت حاصل کی۔ ویلزلی کو خیال ہوا ہو گا کہ میانی اور ضرورت دونوں چیزیں کالج کے قیام کو جائز قرار دیں گی۔ مگر ناظروں کو مد نظر یہ نہیں تھا۔ نہایت جلد بازی کے ساتھ، اور ان لوگوں کا خیال کیے بغیر جو اس معاملے کو سمجھنے کے پورے اہل تھے، انھوں نے حکم بھیج دیا کہ کالج کو فوراً بند کر دیا جائے۔ ویلزلی کو اس کا سخت صدمہ ہوا اور اس نے اسے بہت محسوس کیا۔ لیکن اس نے پھر ناظروں کے اجلاس میں سنجیدہ طریقہ پر عرض معروض کی، جس کی ان کی تمام کونسل نے یکایک بیان ہو کر تائید کی۔ اسی بنا پر اس نے ۳۱۔ دسمبر ۱۸۰۳ء تک کالج نوڑنے کے حکم کو ملتوی رکھا۔

وہ لوگ جو ویلزلی کی تجویز کے حسن و فہم کو جانچنے کے اہل تھے، ان کی موافق آراء کی کمی نہ تھی۔ ان میں سب سے زیادہ زور دار اور پختہ کار اور یقیناً زیادہ دلچسپ وارن ہیسٹنگز کی تائید تھی۔ انڈیا آفس کے محافظ خانے میں "فورٹ ولیم کالج کے متعلق لارڈ ویلزلی کی روئیداد پر

مسٹر ہیسٹنگز کے خیالات کے عنوان سے ایک مثل ہے، اس میں ویلزلی کی تجویز کی تائید کی گئی ہے۔ اس کے بعض فقرے ایسے دلچسپ ہیں کہ اس جگہ ان کی نقل ناموزوں نہ ہوگی وہ کہتا ہے۔

تقریباً سو برس ہوئے جب میں نے اکسفورڈ یونیورسٹی میں فارسی زبان کی پروفیسری قائم کرنے کے لیے تجویز پیش کی تھی اور اسکی ایک ایک مطبوعہ نقل ان تمام حضرات کی خدمت میں پہنچی تھی جن کو اس وقت کمپنی کے کاروبار سے تعلق تھا۔ اکسفورڈ کے امیر جامد نے اسے پسند کیا تھا اور مرحوم ڈاکٹر جانسن نے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس تجویز کو منظور کر لیا، تو وہ اسکی کارگزاری کے متعلق قواعد و ضوابط بنا دیگا، ایسکے وہ منظور کی گئی اور بالکل قلم انداز کر دی گئی اس واقعہ کا اشارہ کرنے سے میلز عاید ہے کہ کچھ بھی میں اس تجویز کے متعلق کہنے والا ہوں، اُسے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ بلا سوچے سمجھے معاذ اللہ کیا گیا ہے، بلکہ عرض دراز تک جو میں نے اس موضوع پر غور و خوض کیا۔ یہ اس کا نتیجہ ہے۔ لارڈ ویلزلی کی تجویز کے مقاصد سے میرے اتفاق کلی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ یہ تجویز عرصہ دراز سے اصولاً تو میری تھی، گوکہ ہم دونوں نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے جو راہیں تجویز کی ہیں، وہ مختلف ہیں۔ میں نے یہ سفارش کی تھی کہ کمپنی کے ملازمین کو پروانہ تقریر ملنے کے بعد اجازت دی جائے کہ وہ ایک معقول مدت تک مغربی علوم و فنون کی تعلیم حاصل کریں اور اسکے ساتھ اکسفورڈ یونیورسٹی میں زبان فارسی سیکھیں لارڈ ویلزلی نے بھی اسی طریق تعلیم کو بڑے چلنے پر تجویز کیا ہے، اور بنگال کو اسکا مرکز قرار دیا ہے یہ تجویز یقیناً زیادہ اچھی ہے کیونکہ طلبہ کو اس سے یہ نفع ہوگا کہ وہ ہندوستان ایسی عمر میں پہنچ جائیں گے جب ان کے دل افسران کار کی قیود، آب و ہوا کی ضروریات اور سوانحی کے خور و طریق کے مطابق آسانی سے عمل کرنے کے قابل ہوں گے۔ زبانیں علی الخصوص جن سے روزمرہ کام چلنے والا ہے، ابتدائی جوانی میں جلد حاصل ہو جائیگی، اور یہی وہ زمانہ ہوتا ہے جب کہ تو اے ذہنی میں یہ استعداد ہوتی ہے کہ غیر زبانوں کے تلفظ اور غیر ملک کے خیالات پر آسانی سے احاطہ اور قدرت حاصل کر لیتے ہیں۔

ہندوستانی نظم و نسق کے فیصلہ کی رائے اپنا زور دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔

کمپنی کے ناظموں نے بہت بدولی سے اس زبردست عرضداشت کو تسلیم کیا، مگر کمپنی کے عہدہ داروں اور وزارت نے پیش کی تھی۔ اور صرف بنگال کے محرموں کے فائدے اور

محض مشرقی زبانوں میں ان کی تعلیم کے لیے کالج کے قیام کی ایک ترمیم شدہ صورت میں ادبازت دی اور اس طرح ویلزلی کی اعلیٰ تعلیم کی تجویز کو خاک میں ملا دیا، لیکن اس سے یہ فائدہ ہوا کہ تعلیم کی سخت ضرورت اور ناظموں کے ملامت انگیز رویے پر پبلک کی توجہ مبغوظ ہو گئی۔ چند سال بعد اعلیٰ بری میں ایسٹ انڈین کالج کی بنا ڈھونے کے اس نے سامان پیدا کر دیے۔ اس کالج نے کچھ عرصے تک نہایت مفید اور قابل تعریف کام کیا۔ اور گواس کو پورے طور پر چلنے کا موقع ہی نہیں ملا بلکہ یہ اسکے بانی کی وسیع النظری اور دانائی کی عظیم نشان یادگار ہے، اور ایک ایسے اعلیٰ پیشے کی سچی تربیت کی بنیاد ہے جو ہر برطانوی رعایا کے لیے باعث افتخار ہے۔

سول ملازمین کی تربیت کے متعلق ویلزلی کی متعدد مراسلات پڑھنے کے بعد ناممکن ہے کہ اس مسئلے کے مذہبی اور ذہنی پہلوؤں سے جن پر اس نے بہت زور دیا ہے، انسان متاثر نہ ہو۔ دین عیسوی کے فرائض سے تغافل، دین عیسوی کی تعلیم سے ناواقفیت اور بار بار ذکر کیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ ملازمین کپنی کی اخلاقی خرابیوں کا اصل اصول ہی نہیں ہیں۔ خورٹ ویم کالج جب معرض وجود میں آیا، تو اس نے برادرسٹ یا ناظم مذہبی کی ایک جگہ نکالی اور اس درس گاہ کے متعلق قوانین میں حکم دیا کہ ”ناظم مذہبی ہمیشہ کلیسائے انگلستان کا پادری ہوگا“ اور ناظم کے فرائض اولین یہ ہوں گے کہ تازہ ترین سول ملازمین کے خورٹ ویم میں پہنچتے ہی، ان کے اخلاق اور رویے کو باقاعدہ کرے، اور ان کی نگہداشت رکھے۔ نصیحت و ہمانش سے ان کو مدد دے اور کلیسائے انگلستان کی رسوم، تربیت و عقائد کے مطابق مذہبی عیسوی کے اصول میں ان کو لپکا کر دے۔

جس معقول اور سچی ہوئی پالیسی پر وہ عامل تھا، اس کی یہ ایک معمولی مثال ہے۔ عیسوی عقائد کی عدم تعمیل اور بغفلت سے جو بدنام داغ انگریزی نام پر لگ گیا تھا، اس کا اسے بہت بچ بچا اور اس نے اب تہیہ کر لیا تھا کہ وہ ہر ممکن طریق پر اس الزام کو دور کر دیگا۔ چنانچہ اس نے تسمیر میور کی خوشی میں ایک دن شکرگزاری کا مقرر کیا۔ ۶۔ فروری ۱۸۵۷ء کو گورنر جنرل، صدر مکن عدالت عالیہ، سپہ سالار اعظم (سر ایلیوٹ کلاؤک)، اراکین مجلس، اراکین عدالت عالیہ اور ملکی فوجی عہدہ دار کلکتہ کے نیوچرچ پایادہ گئے، بڑے شکر پر وہ طرفہ فوج کھڑی تھی۔ جلوس کی روانگی

۱۔ مراسلات ویلزلی جلد چہارم صفحہ ۳

۲۔ مراسلات ویلزلی جلد چہارم صفحہ ۳

حمد و ثنائے باری تعالیٰ کے دوران میں شاہی اسلامی کی توہینیں سر کی گئیں۔ مذہب کے قومی اعتراف کا یہ پہلا موقع تھا، اور گورنر جنرل نے اسے ہر طرح ذی شان اور پر شوکت بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ لارڈ ویلزلی ہندوستان کا سب سے پہلا حاکم ہے، جو ایک عیسائی کی مذہبی حیثیت سے ہمارے سامنے آتا ہے۔

ان معاملات میں اس کا ذوق رسمی نہ تھا۔ اس نے دیارے گنگا میں بچوں کی قربانی پر حکم انتاعی صادر کیا اور تحقیق و تفتیش کر کے لارڈ ولیم ہنٹنگ کے رسم سستی کو منسوخ کرنے کا راستہ صاف کر دیا۔ اس نے عیسویت کی اشاعت کے لیے خاص کوششیں کیں اور انجیل کا بنگالی، مرہٹی، اردو، فارسی، تامل، چینی اور ملائی زبانوں میں ترجمہ کرایا۔ اس نے نہایت سخت جدوجہد کی کہ کپنی کے مذہبی محکمے کو ایسا بنادے جس سے کہ اس کے ملازمین کی ضروریات پوری ہو سکیں اور بپشپ کے تقرر کی، جو نہایت شرمناک طور پر ایک طویل مدت سے معرض التعمایں پڑی ہوئی تھی، حمایت کی۔ معہذا اس سے زیادہ اس بات کو اور کوئی ناپسند نہ کرتا تھا کہ کسی شخص کو زبردستی بلا شرکت مذہبی مقصد کے عیسائی کیا جائے۔ ۱۶ اپریل ۱۸۰۰ء کے ایک زوردار مراسلے میں جو اس نے گورنر سلیون کے نام لکھا تھا، نہایت دانائی سے وہ طرفتی بتایا۔ جس پر برطانوی حکومت کو عمل کرنا اور اس سرزمین کے تمام مذاہب کو کامل رواداری سے دیکھنا چاہئے۔ یہ پہلا ہی موقع تھا کہ انگریزوں اور ہندوستانیوں کو ویلزلی یکساں ایک ایسا حاکم نظر آتا تھا جو اپنی پبلک پالیسی میں اپنے مذہب کو بھلا نہیں بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے طرز عمل سے ہرک کے اس طنز یہ کلام کو کہ ہر انگریز جو ہندوستان جاتا ہے، اصطلاحی کیفیت کو سمند ہی میں جھاڑ دیتا ہے باطل کر دیا تھا۔ ۱۸۰۳ء میں جب مذہبی محکمے کے عملے میں اضافہ کے متعلق تجاویز پارلیمنٹ میں پیش ہوئیں، تو اس نے اپنے رویے کو فخر و مباہات کے ساتھ بیان کیا۔ اور یہ خیال ظاہر کیا کہ ایک عیسائی گورنر کو ہرگز اس سے کم نہیں کرنا چاہئے۔ اور کہا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ایک برطانوی گورنر کو اس سے زیادہ بھی مذہب میں حصہ نہ لینا چاہئے۔

چلچل کہ لارڈ ویلزلی سب سے پہلا برطانوی حاکم تھا جس نے تعلیم اور مذہب کے مسائل پر کامل غور کیا، علیٰ ہذا اس سلطنت کی حفاظت کے لیے جس پر کپنی کو اب پوری حکومت حاصل ہو گئی تھی، نظام فوج اور اسکی حفاظت کا خاکہ بھی اس ہی نے معین طور پر کھینچا۔ اس بات میں

اس نے جو تباہ کن قہر مند کس وہ قدرتِ دو حتموں میں تقسیم ہوئی ہیں۔ ایک تو وہ جو خارجی حکمتِ علی سے متعلق ہیں، اور دوسری وہ جن کا اندرونی انتظام سے علاقہ ہے؛

ہندوستان کی تمام دیہات قوتوں کے مثل برطانوی طاقت پر بھی معنوی طور پر اور کسی قدر سچائی کے ساتھ شہنشاہی نام کی عزت کرنی اس کا فرض تھا گو وہ اس کی مطیع نہ ہو۔ گو شاہِ عالم تاجدارِ مغلیہ پھر جسے سے سندھیا کے بندے بنے ہوئے تھے جو مرہٹوں میں سب سے زیادہ طاقتور اور بولہبوس سردار تھا۔ لیکن اس کمزوری کے باوجود شاہِ عالم ہی ہندوستان کے واحد فرماں روا کے جانشین تصور کیے جاتے تھے۔ ہر راجہ اور مہاراجہ اور فرماں روا ان کی اطاعت کا اظہار کرتا تھا، اور تمام عزت و منزلت انہی کے ہاتھ سے دی جاتی تھی۔ ملک کے بڑے بڑے فرماں روا جن سے انگریز لڑے اور جن کو انہوں نے آزاد فرماں روا تصور کیا، وہ چل شاہِ عالم کے معمولی افسروں میں سے تھے۔ اس دورِ تنزل و انحطاط میں بھی رسم اور خیال نے اس زمانے کی تمام سیاسی تحریکوں میں ان کو قابلِ قدر قوت دے رکھی تھی۔ تمام باتیں ان کے نام سے ہوتی تھیں۔ انکی منظوری دوسروں کو وہ طاقت، وہ اختیارات بخشی تھی جو انہیں خود حاصل نہ تھے؛

مرہٹوں سے جنگ کے دوران میں ویلزلی کے اس بقیہت بادشاہ سے قریب تعلقات قائم ہو گئے جو اس وقت زندہ تھے، مگر اندھے اور بڑھے، اور مرہٹوں کے زیرِ اثر دہلی میں سپرن اور بورکیس کی فوج سے گھرے ہوئے رہتے تھے۔ جولائی ۱۸۰۳ء میں گورنر جنرل نے جنرل لیک کو یہ ہدایات بھیجیں کہ دہلی کے حالات کی پوری خبر رکھے اور جب دو لاکھ جنگ میں شہرِ برطانوی افواج کے قبضے میں آجائے تو معمر بادشاہ کی پوری دلچسپی اور عزت اور حرمت کرے تاکہ انہیں کمپنی کی طرف سے پورا اطمینان اور اسکی مدد اور دستگیری پر کمال دیکھ سکا ہو جائے ایک سال بعد رازدارِ مجلس کو ایک مراسلے میں فرانسس دیو کے دعاوی کے سائے میں دوبارہ پہنچ جانے کے خطرے پر اس نے بہت زور دیا۔ اس وقت گمان تھا کہ ان کا یہی منشا ہے، اور شاہِ عالم کو فوراً برطانوی سیادت میں لے لینے کی اہمیت کی سخت تاکید کی۔ بورکیس نے جب ہزیمت اٹھا کر ہتھیار ڈال دیئے، اور دہلی کا شہر جنرل لیک کے قبضے میں آگیا، تو مغلیہ بادشاہ کے ساتھ التفاتِ امیر سلوک کیا گیا، اور اس التزام کی بد سے

جسکی اطلاع ۲ جون ۱۸۰۱ء کو گئی، انہیں، ان کی غلط و بزرگی، آرام و آسائش کے پورے انتظام کے ساتھ، برطانوی سیادت میں لے لیا گیا۔ مغلکی نام کی غفلت کا اعتراف، گو بعد از موت ہوا، لیکن اسے کمپنی کی تمام اقلیم کی حفاظت کی ایک تدبیر سمجھنی چاہیے جو اس نے ہندوستان کی اس یگانہ طاقت سے ارتباط و اتحاد کرنے اور اپنی سیادت میں لینے سے قائم کی، جس کے آگے تمام ہندوستان تسلیم خم کرتا تھا۔

ہماری ہندوستانی سلطنت کے تحفظ کے متعلق ہر تجویز مشرق کی تمام بڑی طاقتوں سے عمدہ تعلقات کا قیام ضروری جزو ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ ویلزلی نے اودھ میں اپنی اسی پالیسی پر عمل درآمد کیا اور زماں شاہ کے مقابل اپنی طاقت قوی رکھنے کے لیے ایران سے اتحاد کیا۔ فروری ۱۷۹۹ء کو اس نے یہ خیالات گورنر ممبئی پر ظاہر کیے اور چھ ماہ بعد پاکستان ملک کو جسکی قابلیت اور علم کا وہ پہلے سے مستوف تھا سفیر خاص بنائے ملتان بھیجا۔ اس کی سفارت کو پوری کامیابی حاصل ہوئی کہ دونوں سلطنتوں کے درمیان ایک سیاسی اتحاد قائم ہو گیا۔ اس سے صرف ہی فائدہ نہیں ہوا کہ زماں شاہ کے ملک پر دولت ایران نے حملہ کر کے اسکا رخ ہندوستان سے پھیر دیا بلکہ انگلستان کے ہاتھ فرانس اور روس کے خلاف ایک ایسا اتحاد لگ گیا جس نے ہندوستان پر روسی حملے کی حالت میں جو پال اول زار روس نے سوچ رکھا تھا، اور اس کا علم ہچکا تھا، ہر طرح انگلستان کو مدد دینے کا وعدہ کیا۔

اسی کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ ہوا، جسکے ذریعہ تمام ایرانی بندرگاہیں برطانوی سوداگروں کی تجارت اور آبادی کے لیے کھول دی گئیں، اس معاہدے کی قدر و قیمت محتاج بیان نہیں ویلزلی نے اس امر کے متعلق ناظموں کو لکھا کہ »برطانوی حکومت اور ایک ایسی سلطنت کے درمیان مضبوط اور گہرا تعلق قائم ہو گیا ہے جسکے ذرائع اور وسائل اتنے وسیع ہیں کہ وہ نہایت اچھی طرح برطانوی قوم اور ہمارے مشرقی مقبوضات کے دشمنوں کو ہمارے برخلاف مدد دے سکتی ہے۔ تعلقات جسکی اس طرح ابتدا ہوئی تھی ویلزلی نے انگلستان واپس آنے کے بعد وزارت خارجہ کے زمانے تک جاری رہے۔ اس نے ۱۸۰۱ء میں مہگور اوسلی کو بھی ایران بھیجا تھا۔

ہندوستان پر حملے کا خطرہ صرف شمال کی طرف سے نہ تھا، ویلزی کے عہد حکومت کے ابتدائی زمانے میں اس بات کے باور کرنے کے لیے دلائل موجود تھے کہ فرانسیسی اگر مصر میں شاد کام ہوئے تو جنوبی ہندوستان میں پھر قدم جانے کی کوشش کریں گے۔ ویلزی نے اس خطرے کا مقابلہ نہ صرف ٹیپو سے جنگ اور جنوب ہند کے راجہ لو ابوں سے معاہدہ کر کے کیا، بلکہ اس نے ہم مصر میں علی مداخلت کی۔ فروری ۱۸۰۱ء میں اس نے جنرل بیرڈ کی زیرکمان پر مصر میں ایک ہتھیار بھیجا اور شریف مکہ، امام منعا، سلطان عدن کو خطوط لکھے اور درخواست کی کہ وہ فرانسیسیوں کو مشرق سے نکلانے میں انگریزوں کے شریک ہوں۔ یہ ہم اپنے نتائج کے لحاظ سے تو کچھ ایسی دلچسپ نہیں ہے، اس لیے کہ وہ بالکل معمولی تھے، لیکن اس سے ویلزی کی تباہی کی وسعت اور اس مذہبی جبری طبیعت کا حال معلوم ہوتا ہے، جو باوجودیکہ مشرق میں مشکلات سے گھرا ہوا تھا۔ لیکن اس نے مدافعت نہ دیا، بیرسری اکتفا نہیں کیا، جس پر شائد وہ خزانے کے خالی ہونے کی وجہ سے متنبہ ہوا ہو، عظیم جزیرہ قما میں جس پر وہ چھایا ہوا تھا حکمت علی سے کام لیتا، بلکہ اس نے جارجانہ کارروائی کی اور اس جنگ میں شریک ہوا جو حقیقتہً یورپ میں جنگ تھی، اور اپنی مدد میں معاون مشرق کو مغرب کے آئس توازن قوت کے قائم رکھنے کے لیے مدعو کیا، جس کے ٹوٹنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔

یہ نقل و حرکت درحقیقت ایک بہت وسیع حکمت علی کا جزو تھی۔ ویلزی کے منصوبوں میں اس امید کا علاقہ جزائر قبرص، مالٹا، سس، فلپائن، اور سیلون شامل تھے۔ اس امید کے متعلق تو اس کا یہ خیال تھا کہ وہ "ہندوستان کی چوکی" ہے، اور اس کی اسے صرف مدافعت کے لیے نہیں بلکہ مقابلے کے لیے ضرورت تھی۔ فرانسیسی جزیروں کی بحری طاقت نے برطانوی تجارت کو علی التواثر نقصان پہنچا یا تھا۔ فروری ۱۸۰۱ء میں ویلزی نے بیان کیا کہ جب سے جنگ شروع ہوئی ہے۔ ۲۰ لاکھ پونڈ سے اوپر مالیت کا اسباب تجارت فرانسیسی چھین کر بندرگاہ سینٹ لوی میں لے گئے ہیں۔ چنانچہ ایسے مالٹا پر قبضہ کرنے کی تدبیر کی۔ اور اگر اسکا بس چلتا تو وہ اس جزیرے کو براہ راست ہندوستان کی حفاظت کے کام میں لاتا۔ یہاں ہر بات کا دار مدار عمل کی سرعت پر تھا۔ امیر البحر ریٹیر نے جو بی بی نمود کا خود سرفراہ تھا اور جو ایک بار پہلے ویلزی کے بے حکم ایسی حرکت کر بیٹھا تھا کہ ویلزی کی تمام تباہی میں غلط فہم پیدا ہو جائے۔ اب صاف انکار کر دیا کہ بادشاہ انگلستان

کے باضابطہ حکم موصول ہوئے بغیر وہ اپنے ہاتھ پاؤں نہ ہلائے گا۔ ویلزلی نے اس کے جواب میں جو خط لکھا ہے، وہ غصے اور طنز کا استادانہ کلام ہے، اس کا تعویذ اس حد تک مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

نہ مرن حکومت ہندوستان بلکہ ملک مظلم کی بھری وبری افواج کے سپہ سالاروں کے نام معمولی سرکاری دفاتر کی وساطت سے احکام آئے بغیر اگر غنیم کے ہندوستانی مقبوضات کی عارضی یا اتفاقی کمزوری سے فائدہ نہیں اٹھایا جائیگا تو ظاہر ہے کہ غنیم کی طاقت اور ذرائع کو تسخیر کرنے کے مواقع ہاتھ سے نکل جائیں گے اور پھر کبھی ان پر قبضہ کرنے کی توقع نہیں رہیگی، اور ہم باضابطہ شاہی احکام حاصل کرنے کے متعلق خط و کتابت ہی کرتے رہ جائیں گے۔ اس وقت خوش قسمتی سے ایک غیر متوقعہ واقعے نے یہ راز بھجپڑھت اذہام کر دیا ہے، اگر اس حصہ زمین میں فرانس کے بعض نہایت قیمتی مقبوضات نہایت کمزور بلکہ غیر محفوظ حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ میرا فیصلہ تو یہ ہے کہ میں اپنے ملک اور ملک مظلم کے فرائض کی انجام دہی میں بالکل قاصر رہتا اگر میں اس فوج کے ذریعے سے جو میرے سخت میں دی گئی ہے افرانسیسیوں کے اغراض و فوائد کی ابترا حالت سے فائدہ اٹھانے سے پہلے محض ملک مظلم کے صاف و صریح احکام کا انتظار کرتا کہ وہ ان سرکاری ذرائع سے مجھے موصول ہوں، جو پارلیمنٹ نے حکومت ہندوستان کے لیے قائم کیے ہیں ان وسیع اختیارات کے ذریعے سے جو مجھے پارلیمنٹ نے دیے ہیں، ہندوستانی معاملات میں اپنی رائے کو برطانوی سلطنت کی شاہی سند کے صاف حکموں کی بجائے سمجھتا ہوں، جو اپنے اختصار کے باعث ناگزیر نقص سے ملو ہوتے ہیں اور دیر میں پہنچتے ہیں۔

اس ذاتی شعور اور ترقی کے استعمال میں گو مجھ پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، لیکن جب کبھی میں دیکھتا ہوں کہ یہ میرا فرض ہے کہ غنیم عام کے خلاف اپنی مساعی کو بروئے کار لانے کے لیے ملک مظلم کی بھری طاقت کی مدد ضروری ہے، تو میں اسے فوراً اپنی اطاعت کیلئے مانگ لیتا ہوں۔ موجودہ صورت میں میں محسوس کرتا ہوں کہ ملک مظلم کے امیر البحر پر نہ صرف میری درخواست کی تعمیل جائز ہے بلکہ اسے میری مدد کرنیکی کمال ضرورت ہے۔ البتہ اگر اس کے جوازوں کی اسی حالت ہو کہ وہ میرے شریک کار ہونے سے معذور ہو، یا اس کا ضمیر یہ فیصلہ کرے کہ میری تجویز ناممکن العمل یا خدمت عامہ کے لیے باعث خطر ہے، تو دوسری بات ہے۔ ملک مظلم کے صریح احکام نہ ہونے کے عذر کو نہ تو ملک مظلم ہی سنیں گے اور نہ ملک ہی مانے گی

کہ اس باعث ایک پسک افسر نے منیم کے خلاف حملے میں مدد دینے سے انکار کر دیا جب کہ وہ حملہ مکمل اسل
تھا اور اس میں ملک اور سلطنت کے لیے بہت بڑے فائدے مضمحل تھے تو
اس کے ساتھ ہی اس نے یہ چھپتا ہوا فقرہ لکھ دیا، ”جو اصول کہ آپ نے اس معاملے میں
اختیار کیا ہے، اگر میں بھی اسی پر عمل ہوتا تو آج کے دن تسخیر مسور خواب و خیال ہی ہوتی“
اس کام سے مایوس ہونے کے بعد جس میں کہ امید اور کامیابی کی جھلک نظر آتی تھی
وہ اس بات پر سخت مصر تھا کہ جس طرح بن پڑے ننکا کو حاصل کر لیا جائے۔ اس کے شعلق
اسکا خیال تھا کہ یہ جزیرہ ہندوستان کی تفصیل کے مانند ہے۔ لیکن اختیارات کی تقسیم نے
اس کو بے دست و پا کر رکھا تھا اور تمام وسائل کے پورے استعمال کی راہ میں جو روڑے
انک جاتے تھے، ان پر وہ وانت پس پس کے رہ جاتا تھا۔ یہ بات ناقابل برداشت
ہو گئی تھی کہ یہاں بھی ملک معظم اور کینی، گورنر اور گورنر جنرل میں تفرقہ اور اختلاف واقع ہوتا ہے۔
مسٹر فریڈرک نارٹھ سیلون کا گورنر تھا۔ جبکہ نام ہی اس کے تقرر کی کیفیت کو اچھی طرح
سمجھا دیتا ہے، یہ کچھ بہت سمجھدار آدمی نہ تھا۔ اسی شاعر کو ویلز نے ایک سخت
اور زوردار لب و لہجے میں ڈٹاس کے نام خط بھیجا، اور نہایت شد و مد کے ساتھ جزیرہ سیلون
کو تاج کے مقبوضات میں شامل کرنے اور کلکتہ کی مرکزی قوت کے تحت میں
بالکلید دیدینے کی تحریک کی۔ اسی مسئلے میں انھوں نے بیان کیا کہ ہماری ہندوستانی
حکومت کو اعلیٰ چمانے پر چلانے کے لیے دو اصولوں کے مد نظر رکھنے کی سخت ضرورت
ہے۔ اول تو یہ کہ ہمارے مقبوضات کے ہر حصے کو خواہ وہ کسی بڑا عظم میں واقع ہو یا کسی جزیرے
میں، ایک غیر منقسمہ حکومت کے تحت میں ہونا چاہئے، دوم یہ کہ ہر حصہ ملک کا قانون اساس
یکساں ہونا چاہیئے اور ایسی حکومت کے زیر اقتدار ہونا چاہئے جسکو تاج کی طرف سے
اختیارات حاصل ہوں۔ لیکن اس معاملے میں بھی اسکی خواہشوں کا خون کیا گیا۔ یکم جنوری ۱۸۸۳ء
کو کینی کے تحت سے سیلون کو بالکل نکال لیا گیا مشکلات علی الخصوص اسے موقع پر جبکہ جزیرے
کے اندر اور باہر جنگ چھڑی ہوئی تھی، اس کا ردوائی سے بجائے کم ہونے کے اور بڑھنے میں
چنانچہ لارڈ ہارٹ کے نام ایک مراسلے میں ۳۰ نومبر ۱۸۸۳ء کو لکھا گیا تھا، ویلز نے
واقعات کو اس نئے مطالبے کے ساتھ درج کیا کہ اب بھی جزیرہ مذکورہ گورنر جنرل کے تحت
میں دیدینا چاہئے تو

خوش قسمتی سے ویلزلی کے ساتھ ہمیشہ ایسی مزاہمت نہیں کی جاتی تھی جیسی کہ ان آفری
چند معاملات میں کی گئی تھی۔ جن کا ہم ذکر کر آئے ہیں۔ خارجی پالیسی کے معاملات میں بھی وہ کبھی
کبھی مردانگی سے دفعۃً کام لے لیا کرتا تھا۔ عہد نامہ ایمان میں یہ طے پایا تھا کہ ہندوستان
کے فرانسیسی مقبوضات فرانس کو واپس کر دیئے جائیں چنانچہ فرانس کا ایک بیڑہ قبضہ حاصل
کرنے اور ان کی فوجی قوت از سر نو قائم کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ ایسے وقت میں جبکہ ایک
عظیم فرانسیسی جمعیت موسیو پیرون کے زیرِ کمان شمالی ہندوستان میں موجود تھی، اور جبکہ سالہا سال
سے فرانسیسی اثر کو ہندوستان سے بالکل زائل کرنے کی سخت جدوجہد کی جا رہی تھی، ویلزلی
اس بات کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ فرانسیسیوں کا پھر قانوناً قبضہ قائم ہو جائے۔ اس نے
نہایت بہادری سے فرانسیزیوں کو ملک واپس نہ دینے کے متعلق فیصلہ کر لیا، اور
لارڈ کلاؤ کو زبرداس کو ہدایت بھیجی کہ وہ مزید ہدایات موصول ہونے تک پونڈیچری اور
دوسرے قلعوں کی حوالگی سے صاف انکار کر دے۔ فرانسیسی جنرل کی اتنی ہمت تھی
کہ حملہ کر بیٹھتا۔ بیڑا اپنا سامنے لیکر پارٹس واپس چلا گیا، اور چھ ماہ کے اندر اندر
فرانسیسیوں سے دوبارہ لڑائی ٹھن جانے لگی۔ گورنر جنرل کی دوراندیشی اور پیش بینی
کو چار چاند لگا دیئے۔ پرتگالی اور چچ بستریوں، گوا اور سراپور، پر جس عجلت سے اس نے
قبضہ کیا ہے، وہ خارجی عمل سے ملکی حفاظت کی پالیسی کے متعلق ایک مختصر واقعہ ہے
ویلزلی نے اپنے بھائی آر تھور اور دوسرے بڑے افسروں کی مدد سے
ہندوستان کی جنگی حفاظت کے متعلق جو دعویٰ کیے جاتے تھے، وہ درحقیقت
اسکی فوجی قوت سے بہت زیادہ بڑے ہوئے تھے۔ بار بار دشمنوں کے اتحاد
سے تباہی اور غارت کا اندیشہ رہتا تھا، لیکن قسمت حاکم کی خود سری اور دلیری کے
ساتھ تھی۔ وہ خود اپنی کمزوری سے بے خبر نہ تھا اور برابر انگلستان سے مطالبہ
کرتا رہتا تھا، کہ آدمی بھیجو، افسر بھیجو، آلات حرب و ضرب بھیجو۔
جنوری ۱۸۰۱ء میں جنرل اسٹیورٹ نے، جس سے زیادہ کوئی شخص آزمودہ کار تھا،
ہندوستان کی حفاظت کے متعلق ایک روئداد تیار کی، اور ۱۸۰۱ء میں حبیب وہ انگلستان
واپس گیا تو اس نے ڈیڈاس کے سامنے اسے پیش کیا۔
سب سے پہلے تو اس نے اس بات پر بہت زور دیا کہ ہندوستان کے ساحل کو

حاصل کر کے محفوظ کر لیا جائے۔ تجارت نے ہمیں اُس سرزمین میں پہنچایا ہے اور تجارت ہی صرف ایک ایسی حقیقی وجہ ہے جو ہمیں اُس ملک میں رکھے گی۔ فتوحات نے ہمیں ایسا بھاریا کہ ہم ملک کے اندر بڑھتے چلے گئے، لیکن دانائی اور عقلمندی نے ہر نئے قدم پر ہمارا ساتھ نہ دیا۔ سمندر کے قریب ہمارے استحکامات اور کوٹھیاں محسوس نہیں، ہمارا زر و مال مامون، ہماری فوج کو ہر طرح کی آسائش حاصل ہے۔ ملک کے اندر خطرہ کچھ زیادہ نہ تھا۔ علم و حکمت، دلیری اور ہمت میں جو ہمیں اقوام ہندوستان پر عظیم فوقیت اور برتری حاصل ہے، وہ ہمارے خطرات کو قریب الوقوع نہیں ہونے دیگی۔ لیکن شمالی ہند سے جو حملے کا خطرہ تھا، اسکا سد باب تو کر دیا گیا تھا، مگر اسکا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ سکندر اعظم کا راستہ ابھی تک کھلا ہوا تھا صرف اتنی کسر تھی کہ کوئی بہادر اٹھے اور شمال کی وحشی اقوام کو لیکر ہندوستان کے میدانوں میں آنا نل ہو۔ فرانس کا اس سے بھی زیادہ خطرہ تھا۔ ہندوستان میں فرانسیسی ہمیشہ اور اب بھی ہم سے زیادہ ہر دلعزیز ہیں۔ دیہی نواب راجاؤں کے درباروں میں ان کی ہم سے زیادہ عزت اور خاطر و مدارات کی جاتی تھی۔ شام و کن کا دربار اسکا شاہد ہے کہ انھوں نے کتنی آسانی سے وہاں قوت و اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ ہم نے ان کے دلوں میں خوف پیدا کر کے زور اور قوت کے ذریعے انھیں حیدر آباد سے نکالا، لیکن وہاں یا کہیں اور انھیں نہ ابھی سبھے ٹھیکنے کو موقع ملا تو وہ فوراً جاٹھکیں گے۔ صورت حالات کی یہ ایک عام تصویر کھینچنے کے بعد، جسکا اصل منشا وہ تھا، ہمیں کسی اندرونی دشمن سے اتنا خدشہ نہیں ہے، جتنا بیرونی سے، جنرل ہٹیوٹ نے برطانوی اقالیم کے مورچوں اور استحکامات پر تفصیلی نظر ڈالی، اس نے کہا کہ لنکا کو ہمیں حاصل کر لینا چاہیے اور وہاں نہایت مستحکم قلعے بنانے چاہئیں۔ بنگال، خونداک دریا اور مضبوط قلعے کے باعث ہر طرف سے محفوظ ہے، صرف انکی شمالی سمت کمزور ہے۔ سرحدوں پر قلعوں کی تعمیر ضروری ہے اس لیے کہ شمالی اقوام فن محاصرہ سے نا بلد ہیں۔ مداس کی ایک زبردست جمعیت سے حفاظت کرنی چاہیے۔ اب رہا مغرب، یہ ایک ایسی سمت ہے، جسکی طرف کے خطرے سے بہت ڈرنا چاہیے۔ مغربی ساحل زیادہ تر مرہٹوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہیں ہماری تجارت ہے۔ اگر فرانسیسی آج کے دن سورت میں اتر آئیں، تو ہماری تجارت کو سخت صدمہ پہنچے گا۔ اور اگر مرہٹوں سے ملکر

گجرات میں آجائیں، تو پھر وہ بنگال سے بھی زیادہ خوفناک ثابت ہوں گے۔ ان تمام کوائف کو بیان کرنے کے بعد جنرل اسٹورٹ نے جو نتیجہ پیش کیا، وہ یہ تھا کہ ہمیں ہر ممکن طریقے سے گجرات پر قبضہ حاصل کرنا چاہیے، گجرات ہمارے شمال اور مغرب دونوں کے لیے یکساں محافظ اور امن ثابت ہو گا۔ اور یہاں ہماری تجارت کے لیے ایک نیا مرکز قائم ہو جائیگا، اور یہ ملک بھی ایسا ہے کہ جسکی آسانی سے حفاظت بھی کیجا سکتی ہے۔ اسی سلسلے میں یہ کہنا چاہیے کہ خوش قسمتی سے مسئلہ میں بیجو واکر کی مضبوطی اور تدبیر سے گائیکوار سے ایک عہد نامے کے ذریعے گجرات کمپنی کے قبضہ و تصرف میں آچکا تھا۔

ویلزلی کو شمال مغربی سرحد کی بہت پہلے فکر تھی۔ اکتوبر ۱۷۹۸ء میں سر جیمس کریگ نے جو مختلف سیاسی اور فوجی سفارتوں میں کام انجام دے چکا تھا، شمال سے حملے کو مدنظر رکھ کر ایک کمل رپورٹ اس ضلع کی حالت پر بھیجی۔ اس نے اودھ کے متعلق بیان کیا کہ وہ بالکل غیر معیون ہے۔ الہ آباد کے علاوہ، اور اسکو بھی پورے طور پر قلعہ نہیں کہا جاسکتا، اودھ میں اور کوئی قلعہ یا مستحکم مقام نہیں ہے۔ جب صورت حالات یہ تھی، تو حفاظت ملک کے لیے بے حد ضروری تھا کہ مرہٹوں سے اتحاد کیا جائے، تاکہ ان کی امداد و اعانت سے شمالی حدود کو آگے بڑھا دیا جائے، اور باہمی حفاظت اسکی سلامتی کی ضامن ہو۔ لیکن اسکے باوجود الہ آباد کے ٹوب خانے کے علاوہ بیس ہزار آدمیوں کی اور ضرورت تھی۔ تاکہ مرہٹوں کے ذریعے سکھوں اور راجپوتوں سے اتحاد پیدا کر کے اپنی طاقت کو زیادہ زبردست اور اپنی حفاظت کو زیادہ معیون کر لیا جائے۔

جب ہم ان تجاویز سے قطع نظر کر کے ہندوستان میں اس وقت کی برطانوی افواج پر نظر ڈالتے ہیں، تو تعجب اور حیرت میں غرق ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ اس وقت کے بڑے بڑے افسروں میں سے بھی صرف دو چار ہی کو اس بات کی خبر ہوگی کہ ہماری جنگی قوت کتنی کمزور اور ناکافی تھی وہ ہماری خوبی قسمت تھی کہ ہمارے دشمن اس بات سے بالکل ہی بے خبر تھے۔ گورنر جنرل کے لیے جو وقتاً فوقتاً رپورٹیں تیار ہوئیں، ان سے یقینی طور پر معلوم ہوا ہے، کہ کسی وقت میں ہر قسم کی فوج ملانے کے بعد چودہ ہزار سے

یورپ میں سپاہ زیادہ نہ ہوئی۔ ہندوستانی اور برطانوی سپاہ کے سامان رسد اور آلات حرب و ضرب کی تفصیل سر جیمس کریگ نے ایک دوسرے خط میں دی ہے، وہ دراصل ہے تو ایک ضلع کی تفصیل، مگر اسے بلا تامل وسیع رقبہ پر عائد کیا جاسکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارے ذخائر اس درجہ ناکافی ہیں کہ ہم آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کر سکتے کہ ہم ان کے ذریعے مرہٹوں کا اتحاد عمل نہیں لے سکتے، ہمارے پاس بندوقوں کے کل فی کس ۱۲۰ کمریٹیاں ہیں، اور ہمارے رسالے کی چھوٹی چھوٹی بندوقوں کے لیے توکل چالیس ہی چالیس ہیں۔ اس قدر کم گولی بارود کے ساتھ میرا دل تو اڑھتا نہیں کہ میں دریائے گنگا سے ایک قدم آگے بڑھاؤں۔ اور میں سخت شش و پنج میں ہوں، کہ جتنے عرصے میں ہمیں مزید گولی بارود کی ضرورت ہوگی، اتنی مدت میں کس طرح وہ آگے گا ہمارے توپ خانے کے لیے کل ۲۰۰ پیٹیاں گولے بارود کی موجود ہیں، لیکن ہماری ضروریات سے یہ بھی کسی قدر کم ہیں، خاص کر اس حالت میں کہ ہمارا یہ گولہ بارود آبادی کی نسبت آسانی سے ممکن الحصول ہے۔ یہاں سے بہ مقابلہ ان دونوں جگہوں کے ہم زیادہ آسانی سے گولہ بارود حاصل کر سکتے ہیں۔ الہ آباد تو ہمارا بڑا ذخیرہ گاہ ہونا چاہیے جس میں ہر قسم کے آلات حرب و ضرب ہر نوع کی ضرورت کے لیے موجود رہنے چاہئیں، تاکہ وقت پر آڑے آسکیں، لیکن ہمارے ساتھ ایک ذخیرہ الگ رہنا چاہیے، جس میں الہ آباد سے علی التواتر آلات حرب و گولہ بارود فراہم ہوتا رہے، تاکہ یہ ذخیرہ ہمارے ساتھ منزل بہ منزل چلتا اور آگے بڑھتا رہے، اور ہماری کیوں کو پورا کرتا رہے، آخر میں اس نے کہا کہ "آپ کی خدمت میں اگر یہ عرض کروں تو آپ اسے میرے وہم و گمان پر متعمل نہ کریں کہ مجھ کو انتظام کی اس سے کہیں زیادہ ضرورت معلوم ہوتی ہے جتنا کہ لوگ ضروری سمجھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ بات بالکل آسان ہے کہ ہم اپنی قسمت کے فیصلے کو صرف اسی جنگ پر منحصر کر رہے ہیں اور بد قسمتی سے یہ ایک ایسا طریقہ ہے کہ بغیر زیادہ تکلیف اٹھائے اس پر عمل کیا جاسکتا ہے"۔

اگر اس تفصیل کو جو بالکل درست ہے، نمونہ قرار دیا جائے، تو پھر جو کچھ ویلزی نے ۱۳ جولائی ۱۸۵۸ء کو ڈنڈاس کو برطانوی آبادی کی ضروریات کے متعلق لکھا تھا

مبالغہ آمیز تصور نہیں کیا جائے گا۔ یہ اس خط کے بہت ہی احتیاط سے لکھے بیانات میں سے ہے، بالکل صاف ہے، بالکل واضح ہے اور عملاً بالکل درست ہے، اور اس دل و دماغ سے باحسن وجوہ متفق ہے، جس نے اتنی محنت اور تحقیق کے ساتھ اُن طریقوں اور ذریعوں کو صفحہ قرطاس پر رقم کیا تھا، صرف جن سے رفیع الشان کامیابیاں حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس نے صاف طور پر اس بات کو بتایا کہ فتح و نصرت کی ضروریات کے لیے فوجی طاقت میں اضافہ لازمی ہے۔ اگرچہ بعض اضلاع سے خطرہ کا خدشہ گھٹ بھی جائے، تاہم ہمارا وہ ملک جس کی حفاظت کی ہم کو ضرورت ہے، بہت بڑھ جائے گا۔ برطانوی افواج کی تعداد ہمیشہ دینی افواج سپاہیوں اور بے قاعدہ رسالے کے متناسب ہونی چاہیے۔ ہندوستانی فوج میں اضافے کی ضرورت ناگزیر ہو گئی تھی۔ مگر اس کے برخلاف برطانوی افواج میں بہت کم آدمی داخل کئے گئے، اتنے کم کہ بیماری اور جنگ کے باعث اسکی صفیں جو چھدری ہو گئی تھیں، وہ بھی نہیں پوری ہو سکیں تھیں۔ مدراس کی جھنڈوں (شاہی فوج) میں بجائے بارہ سو کے کل پانسو آدمی کام کے لائق رہ گئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا شاہی پیادہ فوج کی کل تعداد گیارہ ہزار رہ گئی تھی، یعنی اس میں آٹھ ہزار سے زیادہ آدمی کم ہو گئے تھے۔ کمپنی کی فوج ملاکر اسکی کل تعداد ممکن ہے کہ چودہ ہزار ہو جاتی لیکن ان میں بھی بیماروں کا اوسط بہت بڑھا ہوا تھا، اور یورپینوں کی ایسی کل تعداد جو میدان جنگ میں جانے کے قابل تھی، ساڑھے دس ہزار رہ گئی تھی، اس بات کے ثبوت کی ضرورت نہیں کہ اس وقت یہ فوج کمپنی کے تمام ملک کی حفاظت کے لیے قطعاً ناکافی تھی اور ویلزلی نے جو یہ بیان کیا تھا کہ صرف ملک کی حفاظت کے لیے تیس ہزار آدمی درکار ہیں، اس میں کوئی مبالغہ نہ تھا۔ ویلزلی نے اس بات پر زور دیا تھا کہ یہ تمام پیادہ فوج شاہی ہونی چاہیے۔ مزید برآں ہم اس مسئلے کی اہمیت کو بیان کر چکے ہیں کہ بڑے اختیارات منقسم نہیں ہونے چاہیں۔ کمپنی کی افواج کے متعلق اسکا خیال تھا کہ جہاں تک ممکن ہو، انھیں توپ خانے میں منتقل کر دیا جائے، تاکہ یہاں کی خالی شاخہ صفوں کو بھر کر دیا جائے۔

ٹنڈاس کا جواب جو چھ ماہ بعد لکھا گیا تھا، ان مشکلات کو نہایت یقیناً طور پر

ظاہر کرتا ہے، جن کا سامنا ہندوستان کے برطانوی حاکموں کو کرنا پڑتا تھا۔ روپے کی کمی سب سے بڑی بات تھی جو عام طور پر ہر کام کے کر نیکے لیے بیان کر دی جاتی تھی۔ اور ایسے مراسلات میں ٹیپ کے بند کا کام دیتی تھی۔ روپیہ ہی نہیں تھا، جو فوج کو دیا جاتا، یا قرضے ادا کیے جاتے۔ اس پر طرہ یہ کہ ڈنڈاس ویلزلی کے بیانات کو صحیح نہیں سمجھتا تھا اور نہ تو وسیع شدہ سلطنت کی ضروریات کا اعتراف کرتا تھا۔ غنیم کی طاقت نہ کہ ہماری مقبوضات کی وسعت کی نسبت ہماری فوجی قوت کا اندازہ لگانا چاہیے۔ اس کے علاوہ اسی میں اور بہت سے دلائل پیش کیے گئے تھے جو بہ حال ایک سول افسر اور ساہوکار کے نقطہ نظر سے نہایت معقول اور پرہیز نظر آتے تھے۔ لیکن بائینمہ ڈنڈاس کا خیال یہ تھا کہ وہ۔

ہندوستان کے متعلق سہ دست میلہ اعتقاد اس پر ہے کہ کوئی نیا کام کوئی نئی کوشش نہ کی جائے تا وقتیکہ یہ اچھی طرح نہ جانچ لیا جائے کہ ہر روپیہ جو اس پر صرف ہوگا، اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ گویا اس کے معنی یہ تھے کہ بڑی بڑی اقوام پر حکومت کرنے کی تمام ماسعی بینوں کے لیے نفع و نقصان مبنی کر دیئے جائیں و ہلٹن یا وجاٹاٹ مال کے کمروں میں بیٹھ کر یہ لکھ دینا تو بڑا آسان کام تھا کہ کسی معاملے میں پیش قدمی کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ لیکن نوخیز ہندوستانی سلطنت (کیونکہ اب یہ سلطنت کا ہی رتبہ حاصل کر چکی تھی) کا دار و مدار اسکی نشو و نما ہی پر موقوف تھا۔ اور اس حقیقت نفس الامری کہ تمام گورنر جنرلوں کو جلد یا بدیر مجبوراً تسلیم کرنا پڑا تھا۔ توسیع مملکت کو اب کوئی نہیں روک سکتا تھا، اور کہنی کے ہاتھوں میں ایک علاقے کے بعد دوسرے علاقہ اس طرح آ رہا تھا، جیسے کہ ذرا تیر ہوا چلنے سے پیڑ میں سے پکے پکے پھل یکے بعد دیگرے گرتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اسکے ذرائع اتنے ناکافی تھے، کہ مٹی آتی تھی، اور گلبن آرزو پر پھول اتنے لگتے تھے، کہ جبکہ سان گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ بہ توالی سے ہی مشکل تھا کہ توسیع مملکت کا ساتھ دیا جاتا، اور ترقی کا قدم پہلو بہ پہلو اٹھتا، اگر اس سے پیچھے رہ جاتا (اگر وہ ممکن ہو) قطعی طور پر مملکت ثابت ہوتا اور

لیکن قطعاً فوجی ضروریات کی طرف سے اندھے ہو رہے تھے۔ کمال یہ ہوا کہ انھوں نے حکم ناظم بھیج دیا کہ انیس۱۸ء کے اختتام پر ہندوستان کی تمام برطانوی فوجوں میں تخفیف کر دی جائے، یہ کارروائی گورنر جنرل کے طرز عمل کی ایسی

بین توہین تھی، کہ اُس نے نہایت ملال کے ساتھ ایک ٹیکٹن کو ایک تفصیلی خط لکھا، اور اس میں اپنے مستغنی ہونے کی خبر دی۔ اس حکم کی تعمیل تمام فتوحات کو خطرے میں ڈالے بغیر ناممکن تھی، علیٰ ہذا یہ بھی ناممکن تھا کہ مرہٹوں سے اتنی ناکافی فوج کے ساتھ جنگ چھیڑ دی جاتی۔ ویلزلی نے لہذا ناظموں کے حکم کو ساقط رکھا، اور بعد میں واقعات کی رفتار نے اسکی تعمیل کو ہمیشہ کے لیے بالکل ناممکن کر دیا۔ اس حکم کے خلاف اپنی حقارت اور نفرت کو بڑے تلخ الفاظ میں ظاہر کیا۔

میں نے کامل غور و خوض کرنے اور ہندوستان کے تمام آزمودہ کارافروں سے مشورہ لینے کے بعد اپنے خاص حکم سے فوج میں اضافہ کر لیا تھا، لیکن ناظموں نے فوج کی توسیع کے اصول کو یکسر خاج کر دیا۔ اور بیان کیا کہ فوج میں اضافہ غیر ضروری ہے۔ اور قابل اعتراض طریقہ پر کیا گیا ہے، اور جس تخفیف کا حکم دیا ہے اس میں میرے اختیار ذاتی کی کوئی گنجائش نہیں رکھی۔ اس حکم کے اور کوئی معنی نہیں ہو سکتے، مجھ اس کے ناظموں کی مجلس نے میرے طرز عمل کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ جزیرہ نمائے ہندوستان میں جو سلطنت ۱۷۹۹ء میں قائم ہو گئی ہے، اس کے استحکام کے لیے بجتنی فوج کی ضرورت ہے، اس سے میں بے خبر اور نا آشنا ہوں، یا یہ کہ میں نے بغیر کافی ضرورت کے غفلت شعاری یا شرارت سے بجٹی اور مدراس میں فوج بڑھا دی ہے۔

یہ بات زور سے کہی جاسکتی ہے کہ ویلزلی نے ہمارے محافظ ملک عملے کے متعلق جو ضرورت بیان کی ہے اس میں مبالغہ و غلو کے درجے تک پہنچ گیا تھا۔ لیکن اس معاملے میں اس کی تیز نظر اور اعتدال پسند بھائی کی رائے اور رضا اس کی رائے کے ساتھ شامل تھی۔ آرتھر کا اندازہ ایسا چاٹا ہوا تھا کہ کسی دوسرے جنرل کو کبھی یہ بات حاصل نہ تھی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ایک چھوٹی سی فوج سے کیا امکانات اور توقعات ہو سکتے ہیں۔ آرتھر ویلزلی نے اس موضوع پر علی التواتر مراسلات بھیجے اور ہندوستان سے چلے جانے کے ایک عرصے بعد بھی اسی بات پر زور دیا۔ مثلاً اس نے مارچ ۱۸۰۰ء میں ایلواڑ سے ایک خط لکھا جس کا جواب لارڈ ویلزلی نے دیا تھا، اس کے نام لکھا اور من و عن وہی رائے دی جو اس نے دس سال پیشتر اس کے بھائی ویلزلی نے دی تھی۔ اس خط میں تمام سفارشاتوں کا لب لباب

یہ تعالہ مشرق میں یورپین فوج شاہی ہوئی چاہئے، اور ویسی فوج کمپنی کی، اور موخر الذکر صرف اس وقت تک جب تک کہ کمپنی ہندوستان میں فرمان روا رہے۔ تاج برطانیہ گورنر اور کمانڈر تین دونوں کو نامزد کر دے کیونکہ اس طرح دونوں کے درمیان نزاع کے مواقع کم پیدا ہوں۔ اور تمام ملکی اور فوجی اختیارات قانوناً گورنر باجلاس کونسل کی تفویض میں دیدئے جائیں ستان حکومت میں اور کسی حاکم کے اختیارات کا اعتراف نہ کرے، انھوں نے اس بات کو نمایاں طور پر ظاہر کیا کہ ناظمین کو دخل و مقولات دینے یا فوجی تربیت میں دخل ہونیسے روک دیا جائے اور یہ معاملہ بڑا سنگین ہے کہ انڈیا ہاؤس کو اجازت دی جائے کہ وہ ہندوستان کے حاکموں کے موقع بے موقع کچھ کے لگاتے رہیں۔

ویلزلی کا اصرار جو ضد کی حد تک پہنچ گیا تھا، انجام کار بے نتیجہ نہیں رہا۔ آخرش انگریزوں کو فوج میں معتد بہ اضافے کی ضرورت نظر آنے لگی کیسل ریگ نے شکستہ میں لکھا کہ وہ ہمیشہ سے متدور رہا ہے کہ کسی طور سے فوج، علی الخصوص یورپین فوج میں اضافہ کر دیا جائے آخر کار فوج کو بڑھایا گیا، لیکن گوروں کی فوج کو نہیں۔ ویلزلی کے ہی عہد حکومتیں جنگا لکی پیادہ فوج کی ۲۸ پلٹنوں کو بڑھانے کے (۵۴) پلٹنیں کر دی گئیں بمبئی میں ۲ پلٹنوں کی ۸ کر دی گئیں۔ مداس میں ۳۰ پلٹنیں، ان کو بڑھا کر ۵ کر دی گئیں اور اسی تناسب سے کمپنی کے رسالے اور توپ خانے کو بڑھا دیا گیا۔ پھر گوروں کی فوج میں اضافے کی باری آئی۔ اور اگرچہ ان کی تعداد کو ہندوستان میں بڑھا دیا گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ کیا گیا، کہ کمپنی کی انگریزی فوج کو منتشر کر دیا گیا۔ اور صرف ہر صوبے میں ایک رجمنٹ رہنے دی گئی۔

اس طرح ویلزلی کے دو بڑے مقصد پورے کر دیئے گئے، اول تو فوج کو بڑھا دیا گیا اور دوم اس کو ایک حاکم کے تحت میں کر دیا گیا۔ لیکن اس وقت اس عظیم خطرے کا خیال نہیں کیا گیا کہ ویسی سپاہیوں کی تعداد انگریزی فوج سے بالحاظ تناسب بہت زیادہ کر دی گئی ہے یہاں تک کہ اس سے پچاس سال بعد غدر کے خوفناک موقع پر ویلزلی کی تنبیہ بروئے کار آئی اور اس کا اندازہ کیا گیا۔

لے انڈیا آفس کے قلمی نسخوں میں کیسل ریگ کے خطوط کی ایک جلد ہے جس میں یورپین فوج کی حالت سے بحث کی گئی ہے۔ یہ خطوط ۱۸۵۶ء سے ۱۸۵۷ء تک محروم ہیں قلمی نسخوں کے مثل ص ۱ اور

ساتویں فصل

مالیہ تجارت اور ناظموں سے مناسبت

کسی تجارتی کمپنی کے سب سے بڑے نوکر کے لیے اگرچہ وہ اسکے لیے کوئی خاص دلچسپ چیز نہ بھی ہو تب بھی بظاہر اس کا فرض اولین مالیہ کا انتظام اور نگرانی ہوا کرتا ہے۔ ویلزلی گرو ایک عاقل و فزانہ کار گزار آدمی تھا۔ لیکن ایک فطری طور سے مدبر مال نہ تھا اس میں اچھے عامل انتخاب کرنے، اچھا کام ٹاٹنے کسی نظام کے نقائص کا کھج لگانے کی قابلیت تھی اور یہی اوصاف ہیں جو بڑے آدمیوں میں ہوا کرتے ہیں، اور انہی کے ذریعے وہ زیر کی اور دانائی سے ایسے معاملات، جن میں وہ کچھ جدت نہ دکھا سکیں، اہتمام و نگرانی کر لیا کرتے ہیں۔ ویلزلی پہلے مدبر، پھر سیاسی، پھر سیاست دان، اور سب سے اخیر مدبر مال تھا۔ مگر ان تمام شعبوں میں وہ اپنے زمانے میں کیلتا تھا۔ اور کوئی اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ انگلستان میں کمپنی اپنے کو اب تک یہی سمجھتی کہ وہ ایک بڑی تجارتی کمپنی ہے۔ گو ویلزلی کے دوران حکومت میں اس کی مجلس کو آہستہ آہستہ یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ سیاسی اغراض و مقاصد اور تدبیر حکومت کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے، اور مملکت بڑھتی جاتی ہے، لیکن ان کی نگاہ ہر وقت اس پر لگی رہتی تھی کہ منافع حصص کتنا وصول ہوگا۔ وہ دن گزر چکے تھے، جب پندرہ لاکھ پونڈ کی آمدنی تھی اور تیس لاکھ پونڈ سے اوپر قرضہ تھا، اور کمپنی پھر بھی ۱۲ فی صدی منافع تقسیم کیا کرتی تھی اور اسے قائم رکھنے کے لیے پارلیمنٹ سے درخواست کرنے کو تیار رہتی تھی، حکومت کی نگرانی اور غشود خسرو کی تجدید نے ۱۷۵۷ء اور ۱۷۵۸ء کے درمیان یہ فرق پیدا کر دیا تھا، لیکن حصہ داروں کی اب تک یہ خواہش تھی کہ وہ تاجر ہی رہیں، اور فرماں روا نہ بنیں۔ ناظموں اور مالکوں کی نگاہیں اب بھی اس بات پر پڑی ہوئی تھیں، کہ ان کی آمدنی میں کوئی فرق نہ آئے، اور ان کے بیٹوں اور رشتہ داروں کے لئے معقول آسامیاں موجود ہیں ان کی رائے میں بہتر نگرینہ وہ تھا جسکے زمانے میں معقول منافع تقسیم ہوا، اور موٹے موٹے حصے داروں کے عزیز و اقارب کو اچھی اچھی نوکریاں

مل جائیں لیکن وہ شخص جو آلات حرب و ضرب کو بڑھائے، ملک کو تہ وبالا کرے، اور کمپنی کے عمال کے عزل و نصب میں اپنی مرضی سے کام لے کمپنی کی مجلس کی بھیجی کے لیے پورے سامان پیدا کر دیتا تھا۔

ویلزلی نے ہندوستان آنے کے چند روز بعد ہی تینوں احاطہ جات کی مالی حالت کے متعلق صاف صاف معلومات حاصل کرنے کی جستجو کی۔ ۱۲ جون ۱۷۹۸ء کی رومادر میں اس نے بیان کیا کہ میرا مصمم ارادہ ہے کہ میں تمام پبلک دفاتر کی نظر ثانی کروں، اور اس کام میں ایک کمیٹی سے مددوں، جس کا سرکاری مسٹر ایچ سینٹ جانز ٹکر کو جو صوبہ بنگال میں ایک نوعمر سپلین ہے، بناؤں۔ معاملات کی حالت کو سرکار تھرو ویلزلی نے اس طرح اجالا بیان کیا ہے کہ۔

جس وقت ویلزلی ہندوستان آیا ہے، تو کمپنی کی سالانہ آمدنی (۸۰۵۹۸۸۰) پونڈ تھی۔ قرض کی رقم (۵۸۸۰۵۸۶۶۱۰) پونڈ تھی۔ جو ۱۷۹۳ء کے بعد بڑھ گئی تھی۔ اس کا سالانہ سود (۳۳۵۳۹۳۴۶) پونڈ تھا، سو ۱۷۹۳ء کے بعد بڑھ گیا تھا حکومت ہند کے اخراجات کی کل رقم میں جس قرض کا سود بھی شامل تھا، (۸۰۶۲۶۱۰) پونڈ تھی۔ بچ کے مقابل میں آمدنی میں کمی، ایسے زمانے میں جبکہ ہندوستان میں ہجرت میں اس بے سکون تھا، ۳۰۵۳۲۲۰ پونڈ تھی۔ سمند کمپنی کی ساکھ حد درجہ گری ہوئی تھی۔ بنگال میں ۱۲ فی صدی شرح سود پر بھی روپیہ قرض نہیں ملتا تھا، کمپنی کے ترکات اور رکھالتوں کی اس شرح پر بنگال میں شہرت دیکھی، علی ہذا یہی اور مداس کے احاطوں میں بھی اسی قدر نقصان کے ساتھ اعلان کیا گیا، لیکن ہر جگہ اس کا بازار کا سد تھا، اور تینوں صوبوں میں کسی نے انھیں نہیں پوچھا۔ مرہٹوں سے جنگ عظیم کا خدشہ تھا۔ کمپنی کے عمال مالی سخت حیران تھے، کہ مصلح واس کے نمائندے میں بھی حکومت کے معمولی کاروبار چلانے کے لئے ذلیع نظر نہیں آتے، تو آگے چل کر کیا ہو گا۔

لیکن نئے گورنر جنرل نے مرنے میں کسی نہ کسی طرح بالکل ایک نیا روح پھونک دی۔ بقول مرٹنارنس "ساہوکار اور سوداگروں کو جب نظام مملکت کے ہر شعبے میں حدود ہر گزری اور ترقی نظر آئی، تو ان کی ہمتیں بندھ گئیں اور انھوں نے سرکار کو بڑی بڑی رقمیں دینی شروع کر دیں۔ حالانکہ چند ماہ پیشتر ان کی کیفیت تھی کہ وہ خزانے کے مسکوں پر بڑا سخت سود لینے بیچوے

لے انتخاب مراسلات ویلزلی مولفہ آؤن م، ۷

روپیہ ادا نہیں کرتے تھے۔ صرفے میں جس ساکھ کی ابتدا اسطرح ہوئی تھی، وہ ویلزلی کے تمام عہد حکومت میں برابر جاری رہی، باوجودیکہ اس دوران میں سلطنت کے ذرائع پر بڑی بے بسی مچی رہی، اور مدد جہر روپیہ صرف ہوا۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل ۲۸ جنوری ۱۸۵۸ء کی رپورٹ میں اس بات کا اعلان کرنے کے قابل ہو گیا تھا کہ گزشتہ تین سال کے مقابلے میں اس سال سرکاری ساکھ کمین زیادہ بڑھی رہی۔ ”آج کے دن آٹھ فیصدی پر پانچ فیصدی بڑھ چکا اور چھ فی صدی پر تقریباً ۱۳ فی صدی کا تاخیروں نے سونے اور چاندی کی ایک بہت بڑی مقدار ہندوستان بھیج دی تھی، اس سے مالی بار ایک بڑی حد تک ہلکا ہو گیا تھا، اور لوگوں کی پورے طور پر دلچسپی ہو گئی تھی۔ کیونکہ اطمینان خاطر ہی ایک ایسی چیز ہے، جو تجارتی کاروبار کو جس اسلوب سے چلانے کے لیے از بس ضروری ہوتا ہے۔ اسی سال مارچ میں ویلزلی نے صورت حالات میں ترقی کا اعلان کیا، اور اس میں ترقی پزیر سود و بہبود دکھائی۔ قرضہ ایسا ہو گیا تھا کہ اسے قابو کیا جاسکے اور سود کی شرح گھٹتی جاتی تھی۔ گورنمنٹ کے مزید قرضے خوشی خوشی قبول کیے گئے تھے، اور شرائط بھی اچھی تھیں۔ صیف مال کا انتظام مسٹر کلرک کے تحت میں کروایا گیا تھا، اس نے اس خوبی سے اس کا اہتمام کیا کہ نظام مالیہ میں بے حد ترقی ہوئی، اور قرض کے متعلق تمام خوف زائل ہوتے گئے۔ جولائی ۱۸۵۸ء میں ویلزلی نے کیسل رے کو ایک خط لکھا تھا، جبکہ قرض کے متعلق بڑے اندیشے ظاہر کیے جا رہے تھے:-

ہمارے ہندوستانی قرض کو جواب ہمارے سالانہ حاصل سے تناسب ہے، ۱۸۵۸ء سے سرکاری قرضوں کی شرح سود میں جو تخفیف مل رہی ہے، قرض اتارنے کے متعلق ہندوستان میں قائم کردہ متفرق فنڈ کی رقم اور کل سرکاری کھالتوں کی بازار میں اعلیٰ ساکھ، اور ہمارے ذرائع حاصل کے تمام شعبوں کی ترقی پذیر اور عمدہ حالت آپ کو مطمئن کر دے گی کہ ہندوستان کے قرض کے بار اور دھت کے متعلق مبالغہ آمیز خون و خطر کی اشاعت کی جا رہی ہے، اور فرانس کے ساتھ جنگ کی حالت میں اسکا وجود ہندوستان کے لئے کوئی خاص خطرہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد پھر جولائی ۱۸۵۸ء میں اس نے لکھا کہ ”سرکاری ساکھ روز افزاد ترقی پر ہے، شرح سود میں تخفیف ہو رہی ہے اور قرض اتارا جا رہا ہے۔“
مسٹر کلرک نے اپنے عہدے سے ۱۸۵۸ء میں استعفا دیدیا، لیکن مستعفی ہونے سے

پہلے اس نے کلکتے میں ایک بڑا بینک قائم کرنے کی مفصل تجویز تیار کر دی تھی۔ ایک خط میں جسکی نقل دفتر ہند کے فنانس سیکریٹری میں موجود ہے انھوں نے اس کے مستقل قیام سے قبل عارضی انتظام کا نقشہ کھینچا ہے اور وہ تجویز پیش کی ہے جس پر اسے چلانا چاہئے اس کے بڑے فائدوں میں اس نے یہ بیان کیا ہے کہ اوسط درجہ سود پر ان سوداگروں کو سکڑ رائج میں قرض دیا جائے گا جنھیں کہیں اور قرض نہیں ملتا، اور اگر ملتا ہے تو بہت زیادہ اور جابرانہ شرح سود پر۔ نیز اس کے ذریعہ خزانے کے تسکات کے مقابلے میں چھوٹے چھوٹے نوٹ جاری کیے جائیں گے؛

بالآخر کے مسئلے سے وابستہ خانگی تجارت سے مسئلہ تھا۔ وہ اجارہ جسکی کمپنی نے اتنی بدگمانی اور سختی سے حفاظت کی تھی ۱۸۴۳ء میں تجدید منشور خسروی کے موقع پر محدود کر دیا گیا تھا۔ خانگی تجارت کرنے والوں کو اجازت دیدی گئی تھی کہ وہ تین ہزار روپے مال ہندوستان سے منگاسکتے ہیں۔ لیکن یہ بات عیاں تھی کہ تجارت کی عظیم وسعت کے لحاظ سے یہ مقدار بالکل ناکافی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۴۹ء میں بنگال سے چھ ہزار ٹن سے اوپر مال اچکا تھا، اور ۱۸۵۰-۱۸۴۹ء میں سات ہزار ٹن سے بھی کچھ بڑھ گیا تھا۔ کمپنی نے ہر صورت سے خانگی تجارت کی سخت مخالفت جاری رکھی لیکن حکومت نے ترمیم شدہ صورت میں اسکو بڑھانے کی کوشش کی۔ ڈنڈ اس نے ۱۸۴۹ء میں لندن کے جہاز سازوں کو آگاہ کیا کہ کمپنی کے علاوہ دوسرے ذرائع سے ہندوستانی مال انگلستان بہت کچھ آجاتا ہے، اور برطانیہ غلطی کی بند گاہوں کے علاوہ دوسری بندر گاہوں میں جاتا ہے۔ لہذا اگر ہندوستان کے مصنوعات جہازوں کی ہمت افزائی کی جائے تو وہ بڑا بڑا فائدہ کے خلاف پڑنے کی بجائے موافق پڑیں گے ان لوگوں کی غلطی

لے فنانس سیکریٹری

۱۸۴۹ء میں لکھی تھی، جو "میوٹرز آف انڈین گورنمنٹ" میں موجود ہے اس میں اسے نقل کر کے شائع کیا گیا ہے۔ ص ۲۰۱ ملے

۱۸۴۹ء میں اس موضوع پر اصل کاغذات و مراسلات ویلزلی کی جلد پنجم کے خاص نمبر میں طبع ہوئے ہیں۔ انڈیا آفس میں متفرق کاغذات کی مشلوں میں دستاویزوں، پٹ کے حاشیوں، یا دواستوں اور ڈیٹاس کے نام اور کچھ جانب سے خطوں کا ایک انبار موجود ہے۔ دیکھو جلد ۲۹

کے متعلق جو ہندوستان کے بنے ہوئے جہازوں کو انگلستان آنے سے روکتے تھے اسے لکھا: ان کا خیال ہے کہ ہندوستان کے بنے ہوئے جہازوں کو برطانیہ غلطی آنے سے روکنے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہازوں کے لیے اسی نسبت سے جگہ نکل آئیگی۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے۔ بلکہ اس کا اثر یہ پیدا ہوگا جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے کہ یہ جہاز اپنا اسباب تجارت غیر ملکی بندرگاہوں میں مجبوراً لے جائیں گے۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ ممالک غیر میں برطانوی راس المال سے ایشیائی تجارت قائم کریں گے۔ اور اس کے برخلاف عمل کرنے سے نتیجہ یہ پیدا ہوگا کہ دیائے ٹیمز میں اس کا مرکز قائم ہو جائیگا اور پھر وہاں سے اس مال کو دوبارہ پھر کہ یورپین اقوام کو بہم پہنچا جائے گا۔ اس کے علاوہ وہ ایک اور ضروری نکتے سے بھی آگاہ نہیں ہیں وہ یہ ہے کہ اس قسم کی روک تھام سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی خود باقاعدہ تجارت کو بہت جلد نقصان پہنچے گا کیونکہ وہ تجارت توجہ کا میں نے آخر میں ذکر کیا ہے، برابر جاری رہے گی۔ لیکن غیر ملکی اقوام کو ہندوستان کی ساختہ مختلف قسم کی اشیاء براہ راست پہنچتی رہیں گی، اور لیڈن ہال ٹریڈ کا توسط اٹھ جائیگا۔ اور پھر جس نسبت سے اس بلا توسط تجارت میں ترقی ہوگی، اسی نسبت سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی باقاعدہ تجارت اور اس کے جہازوں کی آمد و رفت میں کمی ہوتی جائے گی۔ اور پھر اس کا نتیجہ پھر یہ ہی نہیں ہوگا کہ برطانوی جہازوں کی آمد و رفت کم ہو جائے گی بلکہ غیر ملکیوں کی مختلف قسم کی ضروریات کی فراہمی میں برطانوی توسط اور اس کے ذریعے جو کمیشن حاصل ہوتا ہے وہ ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ اور اس تجارت میں سے فوری سرمایہ نکل جائیگا۔

یہ کہنے کے وجہ موجود ہیں کہ ویلزی نے ایڈم اسمتھ کی قصاصیف کا غور سے مطالعہ کیا تھا۔ اس لیے کہ جو بالسی اس کے پیش نظر تھی، وہ اگر اس تجارت کی سمت مائل تھی۔ اور وہ اسے ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرائض کے محدود و خطوط میں دیکر روئے کار لانا چاہتا تھا۔ کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اجارے کو منسوخ و فسخ کرنے کی تجویز پیش کرتا۔ آرتھر ویلزی اس سے قبل ہی اس موضوع پر بحث مباحثہ کر چکا تھا اس نے بھی اس عجیب قول کو تسلیم کر لیا تھا۔ جسے اس عصر کے معنفین ظاہر ایک مسلمہ اصول مان چکے تھے، کہ یہ سخت نادانی کی بات ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان میں ترک وطن کر کے جانے کی اجازت دی جائے، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس طرح نسل گریڈ جائے گی، اور ہندوستانیوں کے ساتھ ”بے روک ٹوک میل ملاقات“ سے برطانوی نام اور سیرت کی عزت ان کے دلوں سے اٹھ جائے گی۔ اس کے ساتھ

اس نے یہ بھی جان بیان کیا کہ کمپنی اسباب تجارت پر جو محصول بار برداری لیتی ہے، وہ برطانوی جہازوں کے نہایت قیمتی ہونے کے باعث اتنا زیادہ ہے کہ اس سے تجارت ٹھٹھکی چلی جا رہی ہے، اور کمپنی اپنی تجارت نقصان کے ساتھ کر رہی ہے۔ اصول اجارہ کی پابندی کو وہ لازمی سمجھتا تھا اور اسکا خیال تھا کہ ہندوستانی شکر پر کثیر محصول چینی کو برقرار رکھا جائے تاکہ مغربی انڈین جزائر، فنانہ ہو جائیں۔ اسکے بعد اسی نے لکھا کہ ”آخر میں میں اس بات پر زور دیتا ہوں کہ بالکل نامناسب ہے کہ تجارت پر سے تمام قیود اٹھا دی جائیں اور اسے بالکل آزاد کر دیا جائے۔ لیکن کمپنی کو یہ چاہیے کہ خانگی تجارت والوں کو اتنے ٹن اسباب تجارت بہم پہنچا دے جسکی اہمیت ضرورت ہو، اور کرائے کی شرح اتنی کم کر دے جتنی کم وہ کر سکے۔ اور ہنگامی مصنوعات خانگی تجارت کرنے والوں کے محاصل اور قیود وغیرہ سے اتنی آزاد کر دے، جتنی کمپنی کے لیے ہیں۔ علی ہذا برطانوی مصنوعات کے لیے بھی یہی مراعات کر دے۔ صرف فوجی ذخائر اس سے بالکل بری ہیں۔“

مگر اپریل ۱۸۵۸ء میں ڈیٹاس نے ناظموں کو یہ بتلایا کہ اصول اجارہ ”دواہم وجوہ کے باعث معرض عمل میں آیا اور برآمد کے قابل ہندوستانی مصنوعات ایسٹ انڈیا کمپنی کے سرمائے سے اتنی بڑھ گئی تھیں کہ وہ ان سب پر محیط نہیں ہو سکتا تھا۔ دوم، ایسٹ انڈیا کمپنی کا اجارہ ان اصول پر مبنی نہیں تھا جن کے ذریعے نوآبادیوں کو عالمیہ کر دیا گیا ہے۔ بلکہ درآمد و برآمد مصنوعات کے لیے ہندوستان کا دروازہ برطانیہ غفلت کے ساتھ دوسرے ممالک کے لیے بھی کھلا ہوا ہے، لہذا سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستانی تجارت کا بقیہ حصہ جسے کمپنی اپنے ہاتھ میں لے سکتی ان کے ہاتھ میں جانا اچھا ہے یا برطانوی رعایا کے؟ سیاسی اور تجارتی دونوں اعتبارات سے یہ ظاہر ہے کہ موخر الذکر کو فوقیت دینی چاہیے۔ معذایہ بھی ظاہر ہے کہ اسکی ترسیل کے لیے ہندوستانی جہازانہ سبب ہیں۔ ۱۸۵۳ء کے قانون کی وہ دفعہ جس نے خانگی تجارت کو تین ہزار ٹن تک محدود کر دیا تھا، منسوخ ہونی چاہیے۔ اور برطانوی رعایا مقیم ہندوستان کو پوری آزادی دینی چاہیے کہ وہ جمع پونجی ہندوستانی جہازوں کے ذریعے انگلستان لائیں۔ اگرچہ کچھ بھی مال و متاع، اور سرمایہ ہندوستان میں پیدا کریں، انھیں اسطرح انگلستان بھیجنا چاہیے جہاں کے مالکوں اور قوم کے لیے زیادہ سود مند ہو، بجائے اس کے کہ وہ غیر ملکوں کے

فریے ترسیل کیا جائے اور اس طرح ان کی دولت، سرمایہ اور جہاز رانی کیلئے محدود ہو دی ہو، ان افراد کو ویلزی نے تہ دل سے منظور کیا۔ مسٹر آٹمی نے جو بنگال کی کونسل کا ایک ممتاز رکن تھا ایک خط میں جو غالباً گورنر جنرل کی ایما سے اسی کے نام لکھا گیا تھا، ان دلائل کو پیش کیا کہ برطانوی رعایا کی تجارتی آزادی میں توسیع کچھ کیوں بہت مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا جائیگا۔ اس لئے کہ اہل امریکہ کی تجارتی سرگرمی میں کامیابی اور سرعت بڑھتی جاتی تھی، تجارت کے موجودہ نظام سے اہل امریکہ کو اس بات کی امید بندھ گئی ہے کہ ہمارا کاروبار یورپ کی شکر کی مصنڈیوں سے مدلل ہو جائے گا اور بات بھی یہ ہے کہ موجودہ محدود حالات میں انگریزی سوداگر اپنے مستعد حریفوں سے کامیابی کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ برطانوی افراد کے قلع اور برطانوی قوم کے فائدے کے متعلق غور و فکر کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی تجارت کے متعلق اصلاحی تدبیر فوراً عمل میں آئی، اور اس سال تو انگریزی جہازوں کی یہاں کامیابی اس مسئلے کی طرف خصوصیت سے متوجہ کرتی ہے۔

ہر چیز آزاد تجارت کی طرف مائل معلوم ہوتی تھی لیکن یہ میلان بہت سست تھا، اور ظاہر ہے اس رعایت کے مخالفت پر تڑپے ہوئے تھے۔ انھوں نے قانونی اجارے کی بنا پر جس کی میں سال کے ایسے ۹۳ء میں تجدید ہوئی تھی اشارہ کیا اور ان میں سے ایک نے تو اس دلیل کے پیش کرنے میں بھی کسر نہ کی کہ ہندوستان کو "آزاد تجارت" کی مراعات عطا کرنے سے برطانیہ عظمیٰ آدمیوں سے بالکل خالی ہو جائیگا۔ یہ شخص مسٹر گرانٹ تھا، اس نے لکھا کہ "میری وہ سری دلیل جیسے میں بہت زور دیتا ہوں" یہ ہے کہ ہندوستان اور برطانیہ عظمیٰ کے درمیان برطانوی اور امریکن نوآبادیوں کے مثل غیر محدود ربط و ضبط بڑھانے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ برطانیہ کی آبادی کم ہو جائیگی، اور ہمارے مشرقی مقبوضات میں انگریز بلکہ یورپ کے ہر گوشے سے ایسے جہان باز جالیں گے، جو کمزور دیسیوں کو ناک چنے چبوا دینگے اور انھیں ہر طرح آزار پہنچائینگے اور انہیں ظلم و ستم توڑینگے حتیٰ کہ ہماری مشرقی اقالم اگرچہ تہ وبالاً تو نہ ہونگی لیکن معرض خطر میں ضرور پڑ جائیگی"۔ کمپنی نے یہ شور و غل مچایا کہ "آزاد تجارت" نہیں دی جاسکتی۔ اس کا لازمی نتیجہ عام طور پر سیل ملاقات، ربط و اتحاد ہوگا، اور اس سے مشرق میں ہماری قوت ضعیف میں پڑ جائیگی، اس کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس قسم کے یہودہ خوف و خطر ویلزی کے

دماغ میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ اسکی پالیسی کی پوری توجہ و تشریح اُسکے مراستے موزنہ ۳۰ ستمبر ۱۸۷۱ء میں، جو ناظموں کی مجلس کو لکھا گیا تھا، پائی جاتی ہے۔ ہندوستانی ساخت کے جہازوں کا استعمال اب صرف مصلحت آمیز ہی نہ رہا تھا بلکہ اسکی ضرورت پیش آگئی تھی تاکہ خود کمپنی کا اسباب تجارت اچھے ذریعے سے یورپ پہنچایا جاسکے۔ چنانچہ اب اس نے یہ تدبیر اختیار کی کہ کمپنی کی طرف سے خود جہاز کرائے پر لے لیتا تھا، اور پھر ان کو اُنکے مالکوں کے ہاتھ میں کام کے لیے دیدیتا تھا۔ اور پھر مالکوں اور سوداگروں کو اذن عام ہوتا تھا کہ وہ آپس میں کرائے کی شرح چکالیں اس کو اس بات میں مطلق شبہ نہ تھا کہ اگر ہندوستان میں برطانوی سوداگروں کو اجازت دیدی جائے گی، کہ وہ اپنی ضرورت کے موافق جہازوں کا انتظام کریں، تو پھر وہ ہندوستان سے یورپ جانے والے مال پر بالکل حاوی ہو جائیں گے، اور لندن کو تمام اشیائی مصنوعات کی دنیا کے لیے منڈی بنا دیں گے۔ خانگی تجارت کی توسیع ہندوستان اور انگلستان دونوں کے لیے نفع بخش ثابت ہوگی۔ صرف فاضل مال، جو کمپنی کے سرمائے سے بچ جائیگا، اس طرح جذب ہو جائیگا۔ جن اسباب تجارت، پر کمپنی نے روپیہ لگا رکھا ہے، یعنی سوئی کپڑے اور کپڑے، اور تمام دیگر اشیاء ان میں اس کی عظمت ہمیشہ برقرار رہے گی۔ کیونکہ ہندوستان میں اسکی عرصہ دراز کی قائم شدہ حیثیت، اور وہ خاص حقوق جو اسکو مختلف ریاستوں سے حاصل ہیں، اعلیٰ مذاکرات کے ذریعے جو تمام تجارتوں پر حدود و قیود عائد کر رکھی تھیں، یہ تمام باتیں اس کی ضروری تجارت میں کوئی فرق پیدا نہ ہونے دیں گی ویلزلی کی ان آراء کی ڈیڈاس اور کیسل رے نے تائید کی، اور انگلستان میں تمام تجارت پیشہ لوگ اسکے طرفدار تھے۔ لیکن کمپنی اور انگلستان کے جہاز سازوں کی مخالفت کی بنیاد میں کسی قسم کی ہی واقع نہ ہوئی تھی۔ اس طرح اس قابیلے میں بھی جس کو وہ نہایت اہم سمجھتا تھا، ناظموں اور گورنر جنرل میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ یہ جھگڑا کسی بڑے معاملے کے متعلق نہ تھا، نہ اسکا تعلق شاہی پالیسی یا تجارتی آزادی سے تھا، بلکہ اسی مرئی گری اور جنرل کے ذیل اعتراض معروض بحث میں آگئے تھے کہ

گورنر جنرل کی مرئی گری ایک ایسا مسئلہ تھا، جسے ویلزلی سا شخص فطرتی طور پر اپنے منصب اور اقتدار کا لازمی جز تصور کرتا تھا۔ وہ مغرور اور متحمل و بہرہ دار تھا اور ذمہ داری اٹھانے

سے بڑا خوش ہوتا تھا۔ وہ نہایت تیز نظر تھا اور آدمی کو خوب پرکھتا تھا، حدود و جہات کا پکھا اور قول کا پورا تھا کسی کے ساتھ ذرا بھی بیجا رو رعایت کا روادار نہ تھا، اور نہ کسی کے رسیخ و اثر کو مطلق مانتا تھا۔ ان دونوں باتوں سے اسے سخت نفرت تھی۔ اس کے خط و طے میں بہت سی عمارتیں ایسی ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی مرئی گری کو بالکل اپنے زیر اقتدار سمجھتا تھا، لیکن اس میں اشد وجہ محتاط تھا اور اسکو ایک نہایت مقدس اور اہم نتائج سے ملو امانت تصور کرتا تھا۔ جس طرح کوئی شخص ایک تھمڑ یا مٹکا لکھ کے آگ بگولا ہو جاتا ہے اسی طرح وہ اس بالادستی کو دیکھ کر جسکا نظار، وقتہ فوقتہ اظہار کرتے رہتے تھے، اپنے آپ سے باہر ہوتا تھا۔ علی الخصوص ایسے موقعوں پر جہاں بے جا رعایت یا مرئی گری کا معاملہ پڑتا تھا، تو وہ اپنے اور ان کے فرائض کی انجام دہی اور آپسکے تعلقات کے متعلق اختلاف خیالات کو بہت محسوس کرتا تھا کبھی یہ نہیں ہوا کہ ذاتی فائدے نے اس کے فیصلے کو ایک بال برابر بھی ادھر سے اُدھر ہونے دیا ہو۔ لیکن ان لوگوں کے نزدیک جو انگلستان میں بیٹھے ہوتے تھے، اور جن کو ذاتی طور پر مشرق کی ذمہ داریوں کے خطروں سے سابقہ نہیں پڑا تھا، یہ بالکل صحیح اور بہین تھا کہ ذاتی اور خاندانی حقوق کا پہلہ ہمیشہ بھاری سہ ہے۔

چونکہ مرئی گری گورنر جنرل کے ہاتھ میں تھی، اس لیے اس کے پاس عجیب و غریب قسم کے سبق آموز خطوط آیا کرتے تھے۔ جنکو معلوم ہوتا ہے کہ ویلنلی نے اس مجری نیت سے محفوظ رکھ چھوڑا تھا کہ کبھی موقع لگے تو ان کو شائع کر دیا جائے۔ ڈنڈا اس جس نے حدود و جہات کی بات کی کوشش کی تھی کہ ہندوستان میں اسکاٹ لینڈ کے لوگوں کو لاکھ آباد کر دے، اپنی اس خواہش سے گورنر جنرل کو آگاہ کر کے میں زیادہ تامل نہ کیا۔ کوئی شخص مسٹر کریم نامی تھا جس کا باپ سراج ملٹنے کا دوست ہے، اور فوجی ٹرکی کا پوریشن کارکن، اور سراج کا ارادہ تھا کہ آئندہ اجلاس پارلیمنٹ میں اس مقام کی نیابت کی کوشش کرے۔ ایک دوسرا شخص مسٹر جارج سٹی تھا، جو میرے خاندان کے کئی ایک آدمیوں کا رشتہ دار ہے اور جس کا باپ سراج سٹی عرصہ دراز تک پارلیمنٹ میں میرا نہایت با امداد سیاسی دوست رہا۔ مسٹر ڈنڈا اس نے ان دو شخصوں کی مدد کرنے کے لیے لکھا تھا۔ علی ذاکر اکیل رے نے بہت سے آدمیوں کے متعلق لکھا اور خود ویلنلی کے ذاتی دوستوں نے الگ سفارشی کیں۔ لیکن ان تمام سفارشیوں کا صرف ایک جواب اس کے پاس تھا۔ اور پھر

آخر کار عام طور پر معلوم ہو گیا کہ ”استعداد اور کام کرنے کی قابلیت“ صرف یہ چیزیں ہیں جن پر ویلزلی توجہ کرتا ہے جیسا کہ سر جان میکفرسن نے جو ایک زمانے میں گورنر جنرل رہ چکا تھا لکھا ”فرسٹ جنٹلمین ان یورپ“ کو بھی جس نے ایسا نذر کار فرما کر اس سے عنایت کے طالب ہونے میں کوئی شرم نہیں کی تھی، ویلزلی سے کوئی درخواست کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ گورنر جنرل کی دانائی اور زیرکی اسی قدر بڑی تھی جتنی کہ اسکی غیر جانب داری۔ یہاں تک کہ مسئلہ بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں گزرا، جسکا کام کرنے والوں کا انتخاب کرنے میں اسپر گوتے سبقت لے گیا ہو۔

ویلزلی پر جب اس کے تقررات کے متعلق ناظموں کا شبہ آشکار ہوا، جو پہلے تو اشارہ کیا جاتا تھا اور جسکا بعد میں اس طرح اظہار ہونے لگا کہ اسکے تقررات مورد الزام تھے اور منسوخ ہونے لگے اور انگلستان سے ناقابل اور نااہل لوگ مقرر ہونے لگے، تو وہ سخت بیزار ہو گیا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ آنحضرت ویلزلی کے میسور کی افواج کے کمان کرنے کے زمانے کا الائنس انجمنوں نے کاٹ چھانٹ دیا۔ اس فعل کو گورنر جنرل نے نہایت صاف نمایاں اور انتہا درجہ قابل نفرت و ذلت ”تصور کیا۔ انراں بعد انھوں نے کرنل کرک ٹرک کے بحیثیت سیاسی معتد تقرر کو ایسی وجوہ کی بنیاد پر رد کیا جو خود ان کے گزشتہ عمل کے بالکل ضد تھیں۔ پھر ایک دوسرے شخص کے متعلق جو پیرا نہ سالی کے باعث ایک دوسری خدمت سے برطرف کر دیا گیا تھا، اور فرائض کے انجام دہی کے لئے بالکل ناقابل تھا، حکم دیا کہ مجلس تجارت کا منصرمانہ طور پر صدر مقرر کیا جائے۔ اور اس طرح سے نہ صرف ان لوگوں کی حق تکلفی کی کمی جو اس کے افسر تھے، بلکہ ان کی بھی جن کی خدمات ان سے زیادہ عرصے کی تھیں۔ ان سب پر مستند نہایت فاضل غلطی انھوں نے یہ کی مضر و موب مدراس کے نہایت قابل پولیٹن اور لارڈ کلائیو کے معتد اعلیٰ کو، جسکے علم و دانش، راستبازی اور اصابت رائے کی تمام برطانوی ہندوستان میں دھوم مچی ہوئی تھی علیحدہ کر دیا۔ ویلزلی نے نہایت ترش لب و لہجے میں مضر و موب کے متعلق لکھا کہ ”یہ شخص قابلیت، علم محنت یا راستبازی کی کمی یا اختیارات کی زیادتی کے باعث نہیں علیحدہ کیا گیا، بلکہ اسکی غلطی کی وجہ صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسے فورٹ سینٹ مایج کے گورنر کا پورا اعتماد حاصل ہے، اور اس جرم کے ساتھ وہ

لے یہ اشارہ مایج دی کی طرف ہے۔

اس بات کا بھی ملوم ہے کہ گورنر جنرل بھی اس پر یکساں اعتماد رکھتا ہے، اور گورنر جنرل کی نگاہ میں اسکی بڑی توقیر و عزت ہے۔

اس طرح کے اختلافات کے مقابلے میں اور تمام چھوٹی چھوٹی باتیں ماند پڑ جاتی ہیں، لیکن جب لارڈ ویلنلی کو معلوم ہوا کہ اسکے ذاتی اخراجات کی بھی بڑی سختی سے چھان بین کی جاتی ہے تو اسے حواطعت سے قدم باہر نکالنا پڑا۔ کلکتے میں جو نیا گورنمنٹ ہاؤس اسنے بنوایا تھا، وہ اس کے نزدیک اس غلیظت کی عظمت اور وقار کا ضروری مظاہرہ تھا، جواب مشرق میں قائم ہو چکی تھی۔ لیکن نظام اسے فضول خرچی اور بدنامی کا باعث تصور کرتے تھے۔ انھوں نے اسکی لاگت کے متعلق نہایت چھان بین کی اور تمام اعداد کو ایک پمیل کی نظر سے دیکھا۔ ارکان مجلس نفاس پر بڑے بڑے بیانات اور شکایت کی کہ "مجلس کو اسکے متعلق کوئی اطلاع براہ راست نہیں موصول ہوتی"۔

حقیقت یہ ہے کہ مجلس تذبذب کی حالت میں رہتی تھی اس کی یہ خواہش تھی کہ ایسے نافرمان حاکم کو واپس بلا لیا جائے، مگر ان کو اس بات کا بھی احساس تھا کہ اس جیسا طباع اور فطان ملنا ناممکن ہے، معاملات اودھ، ہنری ویلنلی کا تقرر، فورٹ ولیم میں کالج کی بنا، عہد نامہ بسین، مہینوں سے جنگ ذاتی یا خانگی تجارت کا مسئلہ، حکومت کے اخراجات، یہ چیزیں ان کو ہمیشہ آگسایا کرتی تھیں، کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے قوی اور طاقتور ملازم سے سبکدوش ہو جائیں۔ دفتر ہند کے انبار کا خدات میں ہزاروں مثلیں ایسی ہیں، جن میں ویلنلی کے خلاف ہر قسم کے الزامات کا طومار ہے۔ اسکی صرف ایک مثال پر ہم اکتفا کریں گے۔ ۲۳ صفحوں کی ایک مثل ہے، جسکی پیشانی پر یہ عبارت درج ہے۔

"مارکوئیس ویلنلی نے جن امور میں مجلس کے احکام یا کمپنی کی ملازمت کے قواعد عام کے مطابق

عمل نہیں کیا ہے، انکی مثالیں"۔

اس مثل میں جن معاملات سے خاص طور پر بحث کی گئی ہے وہ وہ ہیں جن میں ویلنلی نے مجلس سے خط و کتابت کیے بغیر اپنی مرضی سے کام کیا، جن میں مجلس کے احکام

۱۔ دفتر ہند کے کاغذات (ظمی)، جلد ۱۱۲ میں نمبر ۱۲ دیکھیے، ص ۲۱۸۔

۲۔ نمبر ۱۲ جلد ۳۰۳ ص ۲۱۸۔

کی تعمیل نہیں کی، جن میں ملکی اور سیاسی عہدوں پر فوجی افسروں کو مقرر کیا، جن میں ایسے
اشخاص کا عہدوں پر تقرر بھی ہے، جو کمپنی کی ملازمت میں نہ تھے، اور جنہیں لوگوں کو
بڑی بڑی تنخواہیں اور وظیفوں کا عطیہ ہے۔ ملازمہ بریں کالج کے قیام اور بہتری ویلنلی
کے تقرر کے معاملے کا بھی اس میں ذکر ہے۔ اس کے ساتھ میں کاغذات محررہ اپریل
۱۸۷۱ء اور لگا دیئے گئے ہیں، جو خزانہ کے نامہ و پیام بمقام پونہ سے متعلق ہیں۔
اور جسکی نسبت کہا گیا ہے کہ مجلس سے احتجاج کیے بغیر کیے گئے تھے، "مزید برآں
لارڈ ویلنلی کے اُن فعلوں کا نہایت وضوح سے ذکر کیا گیا ہے جو اُس نے اپنے
زمانہ حکومت میں کیے۔ ان کو حسب ذیل عنوانات میں تقسیم کیا ہے: ۱) کونسل کے
اساسی اقتدار اور حقوق کی خلاف ورزی (۲) حکومت انگلستان کی منظوری حاصل کیے
بغیر بعض بڑے بڑے معاملات میں خود ہاتھ ڈالنا، جبکہ ایسی منظوری کا انتظار کیا جاسکتا
تھا۔ (۳) خلاف قانون اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لینا (۴) مرکزی حکومت کے
اختیارات بڑھانے کے احاطوں کو اپنے قابو میں لے آنا اور انکی حکومت کی ذرا ذرا تفصیل
پر چھا جانا، (۵) قانون کے خلاف ورزی تقررات اور قانون سے گریز۔ یہ الزامات
میں جسکی ایک ایک ایسے گورنر کے خلاف جو اپنی ذمہ داریوں سے آشنا اور اپنے
منصب کی عظمت سے واقف ہو، بجا توقع کی جاسکتی ہے۔ لیکن یقینیاً بات ثابت
نہ ہو سکی، کہ ویلنلی نے کوئی حرکت خلاف قانون یا خلاف اساس کی تھی، اور اسکی سیرت
کی روشنی میں اگر اسکو دیکھا جائے تو ایسی بات بالکل ناممکن سی نظر آتی ہے۔
جنرل ویلنلی اور جنرل اسٹورٹ کو اختیارات عطا کرنے کے کاغذات کونسل
کے سامنے بغرض رائے پیش کیے گئے تھے اور یہ صحیح ہے کہ مٹر رائٹر اور
مسٹر ایڈم نے انھیں خلاف قانون قرار دیا تھا۔ لیکن انھوں نے بھی مسئلے کی سیاسی
نوعیت پر رائے دینے میں بودے بن کا اظہار کیا تھا، اور آج تو شاید ہی کوئی
قانون دان ایسا کھلے جو ان کے فیصلے کو برقرار رکھے۔ لیکن اس بات سے انھیں
نہیں کیا جاسکتا کہ ویلنلی نے بعض اشد ضروری امور میں حدود و آزادی سے کام لیا
۱۸۷۱ء میں ان کی تفصیل دیکھ چکے ہیں لیکن یہ نیش اتنی طویل ہے کہ اس کا تجزیہ
اس مقام پر ناممکن ہے۔

اور اگر وہ زندہ ہوتا تو ضروری کہتا کہ اسکی بزرگی و عظمت کی بنا اسی چیز نے ڈالی
 اور یہی اسکی ضروری شرط تھی۔ یہ اس کی بد قسمتی تھی کہ گود خانے اسے حکومت کے لئے
 نہایت موزوں دل و دماغ دے کر پیدا کیا تھا، لیکن لیڈن ہال اسٹریٹ کی بزولی اور دقیا انوسی
 خیالات نے اسے بے دست و پا کر رکھا تھا، اگر وہ کوئی مشرتقی مستبد و زخود مختار حکمران
 ہوتا تو وہ ضرور ایک براعظم کے برابر ملک تسخیر کر لیتا اور آئندہ نسلوں میں اسکا نام نادر شاہ
 اور پیر اعظم کے ساتھ لیا جاتا۔ لیکن ایک تجارتی کمپنی کے ملازم ہونے کی حیثیت سے
 اسے چھوٹا بھونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا، اور جی ہی جی میں کڑھتا تھا کہ کاش وہ
 ایسی حالت میں کیوں نہ پیدا ہوا کہ دل کے ارمان نکال لیتا؟

یکم جنوری ۱۸۰۲ء کو اس نے ایک مراسلہ بھیجا اور اسکے ساتھ اپنا استعفا منسلک
 کر دیا۔ ایک خط اس نے اپنے دوست ایڈنگٹن کو لکھا (جسکا کچھ حصہ نقل کیا جا چکا ہے)
 جو اس وقت وزیر اعظم انگلستان تھا، اور آپس میں اس کا روائی کے متعلق پورے دلائل
 پیش کئے۔ لارڈ کلائیو پہلے ہی مجبوراً گناہ کش ہو چکا تھا، ویلزلی نے دیکھا کہ ایسی
 حالت اسکے نزدیک ”حد درجہ ذلت انگیز اور اسکی فکر طبع کے لئے سخت نفرت خیز
 تھی“ اسکے لئے ناممکن ہو گیا تھا کہ وہ ”ذاتی عزت یا رفہ عام کی کسی امید کے ساتھ“ اپنے
 عہدہ پر قائم رہے۔ اس نے اپنے عہدے سے دست بردار ہو نیکی درخواست کو ایک
 دوسرے خط میں جو ۱۱ مارچ کو لکھا گیا تھا، ڈھرایا۔ اب تو ناظموں کے ہوش و حواس
 خطا ہو گئے بہت سا کام پھیل چکا تھا، جسے صرف ویلزلی ہی ختم کر سکتا تھا، چنانچہ انھوں
 نے خواہش ظاہر کی کہ وہ جنوری ۱۸۰۲ء تک اپنے عہدے پر رہے، اور نہایت شد و مد سے
 اپنے اس اعتقاد کا اظہار کیا کہ کمپنی کے اغراض و فوائد اس کے ایک سال اور ہندوستان
 رہنے سے ”اعلیٰ طور پر بڑھ سکتے ہیں“ اور اپنے مراسلے کو اس جگہ پر جو تپاک لیکن
 باضابطہ تپاک سے لبریز تھا، اور جواب تک امیر جامعہ گس فورڈ کے سرکاری خطوط
 میں زندہ پایا جاتا ہے، ختم کیا، یعنی ”ہم ہیں آپ کے پیارے دوست جان براہٹس“
 بوسکے وغیرہ وغیرہ۔

ویلزلی نے ایڈنگٹن سے کہہ دیا تھا کہ اگر وزارت اس کو اس بات کا اطمینان دلائے
 کہ اسے اس پر پورا اعتماد ہے، نیز اس نے عزم کر لیا ہے کہ وہ اسکی ہر طرح حفاظت اور

مدد کر دی گئی تو وہ جنوری ۱۸۰۳ء تک ہندوستان میں رہ سکتا ہے کہ وزیر اعظم نے اسکا جوش مسرت سے جواب دیا اور اس نے ہندوستان میں رہنا منظور کر لیا۔ لیکن اب تک اس پر نگتہ چینی برابر جاری تھی اور اسکی اب اسے تاب نہیں رہی تھی۔ چنانچہ ۱۸۰۳ء میں پھر اس نے واپس جانے کی خواہش ظاہر کی، اور اس کو پھر روک دیا گیا۔ لیکن مرہٹوں سے جنگ کی ابتدائی دھنشاں کامیابیوں پر مجلس نے جو اسے مبارکباد کا زور دیا روشن بھیجا اس میں ایک بات یہ بھی لکھ دی کہ مجلس نے ”سروست اس جنگ کی مصلحت یا اصل بنا پر“ غور نہیں کیا ہے جو ملزلی اتنی بات کو کہاں سہارا سکتا تھا، شاہی مزاج مدارالمہام کی نگاہ میں ان کی تمام شکرت گزاری پر بالکل پانی پھر گیا۔ چنانچہ اس نے مجلس کو ایک خط لکھا، جسکا کچھ حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

سرکاری فرض کی انجام دہی میں اتنی عظیم باتیں تکلیف دہ قربانی مجھے کبھی طلب نہیں کی گئی جتنی کہ مجھے آپ کے عطیہ اعزاز و اکرام کے ہندوستان میں شائع کرنے کے مسرت و امتنان کو خیر باد کہنے میں ہوئی۔۔۔۔۔ لیکن مجھے یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے اعلیٰ درجے کے ذاتی اعزاز و امتیاز سے جو آپ کی مبارک باد اعلان کرنے سے حاصل ہوئی، اس عامۃً کہیں اور برطانوی قوم کے فوائد کو زیادہ اہم اور مقدم تصور کرتا ہوں۔۔۔۔۔

مرہٹوں سے جنگ کے جواز پر آپ نے جو اپنے سرکاری اور باضابطہ فیصلے کو محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔ اس میں اس قسم کا امکان پایا جاتا ہے کہ آپ جس میں برطانوی فوج مشغول ہے، زمانہ مستقبل میں ملامت کا فتوے صادر کریں گے، اور یہ تو فرض بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کی محترم مجلس یا انکوں کی مجلس جنگ کی اصلی وجہ کو ہماری فوجی کامیابی پر منحصر رکھے گی۔ اس لیے کہ جنگ کے نفع بخش نتائج بھی اسکے جواز کے متعلق شبہات کو زائل نہیں کر سکتے تھے۔ یہ خیال آپ کے اس ریزولیشن کے اظہار سے پیدا ہوتا ہے جس میں آپ نے اپنی رائے کو محفوظ کر لیا ہے۔ اس ریزولیشن کے اعلان سے تمام دیہی ریاستیں بھی بلا پسندیش یہ نتیجہ نکالتیں کہ انکوں کی مجلس جنگ کے متعلق تمام کارروائی پر الزام دھرے گی اور آپ کی انصاف پسندی اور سیریشی اس قسم کے توہین خیالات کو بالائے طاق رکھ دیتی ہے کہ آپ ہمارے مذہب جنگ کو مورد الزام قرار دینے کے بعد ہماری کامیابی کے ثمر کو رکھنا پسند کریں گے یا آپ امن کی برکات سے مسرور ہوں گے

لے پلیس کی لاکٹ آف لارڈسید متوجہ دوم ص ۷۷ دیکھیے ۶

جیکہ آپ جنگ کی ضرورت اور مصیحت کو مسترد کر چکے ہوں۔ آپ کی معزز مجلس کی دانائی اور دور اندیشی اس بات کو سمجھ گئی کہ اگر آپ کا صاف حکم آئے بغیر یہ حکومت اپنے اختیارات سرکاری سے مسلم کی پابندی کے متعلق شبہات ظاہر کر دیتی تو دوسری ریاستوں میں کیا غلغلا راور کیسی بد امنی پھیل جاتی اور صلح بھی کیسی ایسی جوابدہ خوفناک جنگ کے بعد مدوجہ اعتدال اور ثبات سے کی گئی ہو، جس میں ہندوستان کی تمام بڑی بڑی ریاستوں کے اغراض و فوائد کو مد نظر رکھا گیا ہو، اور جس نے ہندوستان کے ہر ضلع اور صوبے اور دکن میں ایک جامع و مانع نظام اتحاد اور سیاسی ارتباط کو قائم کر دیا ہو، اگر جنگ کی اصل اور مصیحت آخر کار دور و الزام قرار دیا جائیگی، اور اگر صلح تقسیم ملک، ہدیہ حفظ امن اور اتحاد کے متعلق عہد نامے آخریں آپ کی معزز مجلس کے احکام کے ذریعے منسوخ کر دیئے جائیں گے تو پھر آپ کے جدید احکامات ایسے الفاظ میں لکھے جائیں گے، اور ایسے انتظام کے ساتھ پیش کیئے جائیں گے، کہ انہی تعمیل امن عامہ کے لیے ایک مزید قلعہ کے نشان ہوگی اور اطمینان عامہ کے لیے ایک جدید کفالت کی حیثیت رکھیں گی۔ آپ کی معزز مجلس کا جوسف جی چا ہے، اس فیصلے کو معطل کر دے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ انریبل ممبروں کے لیے نہ تو یہ بات ہندوستان میں اور نہ آپ ہی کی اعلیٰ شان کے اقتدار کے لیے زیبا ہوگی کہ آپ کا ایک ملازم اپنے ذاتی نام و نمود کے خاطر آپ کے اعزاز و اکرام کی دھوم دھام سے نمائش کرے اور ایسا طریقہ اختیار کرے جو آپ کی دانائی اور انصاف کے آزاد اور صاف عمل کو اس معاملے میں غلطی میں ڈال دے جو قومی فوائد اور عزت کے لیے انریبل ممبر ہیں، یا دہی ملازم اپنی خدمات کے متعلق مجلس کے مشرف قبولیت کو شائع کر کے ان خدمات کی اصل غرض و غایت کو اور اسکے ساتھ ہی ایک عظیم سیاسی نظام کی قریبی مہارت کو معرض خطر میں ڈال دے، جسے ممکن ہے اب آگے چل کر خوشی خوشی منظور فرمائیں۔

مجھے یقین ہے کہ آپ کی محترم مجلس میرے اس سچے شکریہ کو جو آپ کے اعزاز و اکرام پر پیش کیے گئے ہیں، بار بار یاد آکے جاکے قبول فرمائے گی، ورنہ ہمارے اس دلی افسوس کو بھی منظور فرمائیگی کہ آپ کی آزادانہ فیاضانہ اور رعایا پروری آکا کو جن کا آپ نے اپنے ہندوستان کے سب سے بڑے نوکر پر اعلیٰ امتیازات نبھاد رکھے، انعام فرمایا ہے، آپ کے ملازم نے اس احساس فرض کے باعث جو قوم، کمپنی اور آپ کی نسبت اس کے ضمیمہ میں ممکن ہے، باطل عمل پہنانے سے معطل کر دیا ہے۔

اس عبارت میں ویلنزی کی طنز یہ سخن گستری کی ایسی مختص اور عجیب چاشنی موجود ہے،

کہ میں امید ہے کہ ہمارے قارئین اس طویل اقتباس کو معاف کریں گے، اس جاہک کی چوٹ محترم مجلس کو مخصوص تو ضرور ہوئی ہوگی۔ اور میں اس بات پر مطلق قہج نہیں کرنا چاہتا ہوں کہ ویلزلی نے کیسل سے کے خط میں ”ڈائرکٹروں کی رائے کے متعلق انتہا درجہ نفرت“ کا اظہار کیا ہو، اور ان کے ”کینہہ توڑ شہدین“ کو بھی اسی نظر سے دیکھا ہو، کیونکہ وہ کلمتا ہے کہ:-

آپ کو اس بات کا اطمینان دلاتا ہوں کہ چونکہ محترم مجلس نے میری تازہ کامیابیوں کے بعد بھی اپنی غلطیوں کے متعلق شرم و انفعال کا شائبہ تک ظاہر نہیں کیا، اس لیے میرے نہایت لائق و فائق قابل و فاضل ولی نعمتوں کے وقار و اعتبار کے متعلق میری موجودہ رائے میں بہت بڑا انقلاب پیدا ہوگا، اور میں سرکاری ضرورتوں و اغراض کی رو میں اس سے ایک گھٹنے بھی زیادہ ہندوستان میں قیام کو پسند نہیں کروں گا، اس لیے انڈیا ہاؤس کی نہایت نفرت انگیز کوٹھڑی سے اگر کوئی مزید امانت و ملامت کا تیر میری طرف نہ چلایا جائے تو اس سبب سے ایسی حالتیں میری روانگی بعلت نہیں ہو سکتی جبکہ ایسے سخت موقع پر اس عامہ کے برقرار رکھنے کے لیے

میری مدد کی یہاں ضرورت ہوگی

لیکن مجلس کسی عنوان سبب و ختم سے باز نہیں آئی، ۱۸۵۰ء کے آغاز میں انھوں نے پھر اس پر عدول حکم تقررات اور مصارف کی زیادتی کا الزام لگایا، اور پورٹ آف کنٹرول نے اس پر یہ حاشیہ چڑھایا کہ وہ اپنی کونسل کے اجلاس سے اتنا کیوں غیر حاضر رہتا ہے؟ غرض جبکہ گورنمنٹ نے لیک کو اسکے کارناموں کے اعتراض میں امیر بنایا، اور آرٹھر ویلزلی کو آرڈر آف دی ہاتھ کا خطاب عطا فرمایا، گورنر جنرل تعریف اور تضحیک کے درمیان ہوا میں معلق لٹکا ہوا تھا؛

وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح چلا جائے، اور جب مانسن کی ہزیمت و تباہی پر کارنوالس فوراً اس کا جانشین مقرر کیا گیا، تو اغلب ہے کہ اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی ہوگی اور اسکو خیال ہوا ہوگا کہ اب اسکی ولی آرڈر پوری ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ کارنوالس کے دوبارہ تقررات کی خبر اسکو مسٹر ٹکر سے ایک گفتگو کے دوران میں معلوم ہوگئی تھی، ۲۵ مئی کو کیسل سے کا خط اسکے پاس پہنچا جس میں اس امر کا اعلان تھا:- ۳۰ جولائی کو کارنوالس کلکتہ پہنچ گیا، ملٹ افٹھایا اور ۵ اگست کو ویلزلی انگلستان روانہ ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ

اس کی پالیسی اب تلپٹ کر دی جائیگی لیکن اس کے ساتھ ہی اس میں بھی تبدیلی نہیں کہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ زمانہ اسکا بدلہ لے گا، اور پھر وہی اصول ساری وٹاری ہو جائیں گے جن کے ذریعے سے اس نے ہندوستان میں برطانوی سلطنت اور اس پر حکومت کی تھی۔ جب کلکتہ کی انگریز آبادی کو اس نے باضابطہ اور سرکاری وداع کہنے کی تیاری کی، تو انھوں نے ویلزی کی خدمت میں ایڈرس پیش کیا، جس کے الفاظ خلوص اور سچائی سے لبریز ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے۔

گزشتہ سات سال کے واقعات نے آپ کے زمانہ حکومت کو یورپین طاقت کی تاریخ ہند میں اہمیت اور افادے کے اعتبار سے نہایت ممتاز کر دیا ہے۔ زمانے اور ملک کی ضروریات کو جہاں آپ کام کر سیکے لیے بلائے گئے تھے، آپ کی باغ نظری نے جس طرح جانچا، کام کے مواقع کو جس عجلت اور عزم کے ساتھ اپنے قبضے میں کیا ہماری اصل قوت کا صحیح انداز اسکا استادانہ استعمال جس خوبی سے آپ نے کیا، ان چیزوں کے ساتھ ہماری فوج کا جوش و خروش، اسکی تربیت، اور اسکی ہمت نے مل ملا کر ان سلسلہ واقعات کا ہمارے حق میں جو فیصلہ کیا، اور اس مملکت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک برطانوی اعلیٰ اور برطانوی نام کا ڈھکا جس شان و شوکت سے بجا دیا، حق تو یہ ہے، وہ سب آپ کا

کاحقہ ہے۔

آٹھویں فصل

بعد کی زندگی

ویلزی یورپ اس امید کے ساتھ واپس ہوا کہ اس کی شہرت کے شایاں اس کا استقبال کیا جائیگا۔ اس کے بھائی ولیم کو طبری کامیابی ہوئی تھی اور سیاسی دنیا میں اس کی بہت عزت کی جاتی تھی۔ اس کا بھائی آر تھر ایک سال سے انگلستان میں تھا اور اس نے ویلزی کو اطلاع دی تھی، کہ وزارت اس پر کتنی مہربان ہے۔ پٹ ابھی تک ان کا بہت بڑا دوست تھا، اور اسے ویلزی سے اتنی محبت تھی کہ جب پارلیمنٹ میں ویلزی پر حرکت کرنا مسئلہ چھڑا، تو اس نے لارڈ کرینول سے صلاح لی کہ کس طرح دارالامرا اور دارالعوام میں اسکی مدافعت کی جائے۔ حالانکہ لارڈ کرینول وہ شخص تھا، کہ جس سے اس زمانے میں

پٹے کا سیاست میں کوئی تعلق نہ تھا تو اس کے برعکس معلوم ہوتا تھا کہ فریقِ وھگ کی یہ تمنا تھی کہ کسی طرح ایسے بیش بہا اتحاد (ویلزلی) کو اپنے رخ پر لے چلیں۔ آرٹھر ویلزلی نے اسٹوہ سے ملاقات کے بعد جس نے دو روز تک بہت رنج کیا، ویلزلی کو لکھا کہ ”میری کو اس بات کی بڑی فکر ہے کہ تم کسی فریقِ مخالف کی حکومت میں شامل ہو جاؤ۔“ لیکن عام رائے اس وقت جیسی کہ اب بھی ہے، بہت حسرت تھی، اور ہندوستانی مسائل کے متعلق اسے بہت کم اور ناقص معلومات حاصل تھیں۔ مرہٹوں سے جنگ کے متعلق انگلستان میں سکوت طاری تھا اور عبداللہ اودھ کے متعلق غلط فہمی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ معلوم ہو چکا تھا، کہ وائس آف آفم گورنر جنرل پر حملہ ہو گا۔ آرٹھر ویلزلی کی صلاح یہ تھی کہ دارالامرا میں تو مارکویس خود گفتگو کرے، اور پٹ جو معلومات سے پوری طرح باخبر ہے، دارالامرا میں مقابلے پر آئے۔ بہر کیف منظر صاف طور پر ویلزلی کے موافق نظر آتا تھا، اور ویلزلی کو تو یہ توقع تھی کہ اس کے انگلستان پہنچتے ہی نقشہ بدل جائیگا اور اسے فتح ہوگی۔

انگلستان آنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اُن کے اہل خانہ کے وطن کے دلوں میں اس کے کارناموں کی کتنی وقعت ہے! پورٹسمتھ پر اس کا استقبال دلی جوش اور خلوص کے ساتھ ہوا، لیکن گفتی کے چند دوست تھے اور تھوڑے سیسے بحری و بری افیسر، اکتنا بڑا فرق تھا اس استقبال میں اور اُن عظیم الشان نمائندوں اور جلو سوں میں جو وہ مشرق میں دیکھ چکا تھا۔ مسٹر ٹائرس کہتا ہے کہ یہ نہ معلوم ہوا کہ اسکی سند کیا ہے۔ کہ یہ دیکھ کر اس کے دل میں ایسی نفرت اور بے چینی پیدا ہوئی اور اپنے غصے اور خجالت کو ضبط نہ کر سکا۔ لیکن خیال غالب یہ ہے کہ غیظ و غضب پر اسکا ضبط غالب تھا۔

ممکن ہے اسے امید ہو کہ اس کے اہل و عیال، عزیز و اقارب نہایت تپاک اور محبت سے اس کا استقبال کریں گے۔ لیکن یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ اسے مایوس ہونے میں کچھ دیر نہ لگی۔ ویلزلی کے متعلق جو کچھ میں معلوم ہے، اس سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ ناگہی زندگی میں اسکا بہت کم حصہ ہے۔ وہ صدمہ سخت مزاج اور خود دار تھا اور تمام عیوضات میں بھی اس کے مزاج پر جلوت کا ایسا رنگ چڑھا رہا کہ ہم تو یہی بھول گئے تھے کہ اس کی شادی بھی ہوئی یا نہیں۔ بات یہ ہے کہ عنفوانِ شباب میں اس کا

ایک نہایت حسین و جمیل، فہیم و عقل فرامیسی عورت سے تعلق ہو گیا تھا، جس سے اس نے بعد میں شادی کر لی تھی۔ اس سے جو اولاد ہوئی وہ حلالی نہ تھی، لیکن اس زمانے میں تعلقات زنا سنوئی کے متعلق سوسائٹی کے خیالات نہایت نرم اور جمیل تھے۔ اس لئے سوسائٹی نہ تو اس عورت کو تیوری پر ل ڈال کر دیکھتی اور نہ اس کے بچوں کی ناقصی کرتی تھی۔ لیڈی مارننگٹن اپنے خاوند کے ساتھ ہندوستان نہیں آئی تھی۔ ویلزلی کے دوستوں علی الخصوص لارڈ آکلنڈ کے خطوط سے پایا جاتا ہے کہ ویلزلی اپنی بیوی کی ہر طرح خبر گیری کرتا تھا اور اس کو اس سے محبت بھی بہت تھی۔ لیکن ایک ایسے تعلق میں جبکہ اس طرح ابتدا ہوئی تھی، اتنی اخلاقی قوت نہ تھی، کہ برابر جاری رہتا، چنانچہ اس نے میل جوڑے میں مارکویس کے انگلستان واپس آنے کے بعد بہت جلد تفریق و علیحدگی ہو گئی۔ لیڈی ویلزلی کا ۱۸۱۷ء میں انتقال ہوا۔ اس کی بیٹی نے لارڈ ہیتھٹن اول سے شادی کی۔ اس کے بیٹوں میں سے بڑے بیٹے رچرڈ نے بحیثیت سیاست داں بڑا نام پیدا کیا، اور حکومت انگلستان کے تحت مختلف اوقات میں عہدوں پر مامور رہا، مہنری جو اس سے چھوٹا تھا، آگسٹورٹون و بیوٹلی میں معلم تھا، علم الہیات کا ڈاکٹر تھا۔ اور ڈوفنون تھا۔ اس نے حد درجہ قابلیت کا اظہار کیا وہ ایک اعلیٰ درجے کا ادیب اور بڑا شاکستہ اور خوش اخلاق تھا۔ اس کو اپنے باپ کا علمی ذوق ترکے میں ملا تھا، اور اس کے پاس ایک بیش بہا کتب خانہ تھا، جس میں خصوصیت سے اطالوی کتابوں کا ذخیرہ بہت زیادہ تھا، نیووان ہال کے پرنسپل کی حیثیت سے وہ زیادہ مشہور ہے، اور آگسٹورٹون میں اب تک اس کی یاد باقی ہے۔ بیوٹورٹلی نے اس کی منقش و مطلا کتابوں کے بیش بہا ذخیرے کے بڑے حصے کو حاصل کر لیا تو

ویلزلی ان لوگوں میں سے ہے جنکی خانگی زندگی کسی طرح ناخن سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی۔ انگلستان پہنچتے ہی سب سے پہلے اس نے اپنے دوست ایڈنگٹن سے جواب لارڈ سڈہم کے خطاب سے موسوم تھا ملاقات کی۔ اور تقریباً سب سے پہلا خط جو اس نے لکھا وہ بیٹ کے نام تھا۔ اس وقت یہ مدبر اعظم گواٹے اس کا علم نہ تھا مرض الموت میں مبتلا تھا اور اس کے ایک پوشیدہ

دوست کے نام چڑھ لکھا گیا تھا، وہ اس کے آخری خطوط میں سے تھا جو قیل میں بچ کیا جاتا ہے۔ میرے پیارے ویلزی، کل شب یہاں (پٹنی) پہنچنے کے بعد تمہارا پیارا راجا غایت نامہ وصول ہوا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے تمکے وصول ہونے پر کتنی مسرت ہوئی۔ اگر مجھ کو جب تک کہ ذرا قوت نہ آجائے۔ لندن سے باہر رہنے کی زور کے ساتھ ممانعت نہ کی گئی ہوتی تو میں فوراً تم سے ملنے آتا۔ لیکن موجودہ صورت حالات میں میں معذور ہوں اور مجھے تمہارے لطف کرم پر مجبور رہنا ہے کہ تم یہاں اگر مجھ سے ملو گے اور میرے دل کو خوش کرو گے، جقدر جلد تم آسکو آؤ اگر تم کو اس میں تکلیف نہ ہو، اور تم دوپہر کو انگریزی قادیب میں جو دو اور چار کے درمیان ہوتی ہے یہاں آسکو تو میرے لیے یہ گھڑی اور اوقات سے زیادہ آسائش کا باعث ہوگی، اور یوں تو میرے لئے کوئی وقت بھی تکلیف کا باعث نہیں ہے۔ مجھے وعدے کی شکایتیں لاحق ہو گئی تھیں، اسکے بعد ہی نفرس کے سخت دورے ہوئے۔ ان امراض میں اب آہستہ آہستہ افادہ ہو رہا ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ طبیعت کی اصلاح صبح راستے پر آ پڑی ہے۔

ہمیشہ سے تمہارا صادق اور محبت کی شش

فریڈریک ویلزی

۱۳۔ جنوری کو دونوں میں ملاقات ہوئی، پٹ بہت ہی مسرور نظر آتا تھا، لیکن ویلزی نے نارایا تھا کہ موت اپنا کام کر رہی ہے۔ دوپڑے بڑے انگریزوں کی یہ عجیب غمناک ملاقات تھی۔ دونوں بظاہر اپنی شہرت کے نصف النہار پر تھے۔ ایک وسیع اقلیم پیدا کر کے اور اس پر حکومت کر کے واپس آیا تھا، اور تمہنی تھا لکرا اپنے ملک میں رہ رہی کرے، اور حکومت کرے، دوسرے کے ہاتھ سے سلطنت کی باگ ڈوریں کھسکی چلی جا رہی تھیں، یہ دونوں نہایت وفادار دوست تھے، جنکو مسند نے جدا کر دیا تھا، اور دونوں اس حسرت ناک دعوت کے سبب دوبارہ مل گئے تھے، جس میں ایک کی زندگی کے کارناموں کی جانچ پڑتال اور تفتیش کی جانے والی تھی۔ یہ ویلزی ہی تھا، جس نے دوست دشمن سے کہا، کہ پٹ موت کے جنگل میں ہے، اور وہ کچھ دنوں کا تھماں ہے۔ اور یہ ویلزی ہی تھا، جسکی تقریر نے گریجویٹ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہا دیا اور اس نے فوراً مرنے والے تدبیر کے خلاف تمام مخالفت تمام نکتہ چینی کو یکسر موقوف کر دیا۔ اور اس کے کہنے کی توجہ تھی کہ ویلزی

لے یہ خلا سطر جس نے اپنی تالیف کی جلد دوم ص ۵۵ پر اور سطر ۱۸۵ نے ص ۵۶ پر نقل کیا ہے

ہٹ کا اتنا ماح تھا، اور اس سے اتنی محبت کرتا تھا، کہ دنیا میں کسی دوسرے شخص سے اتنی محبت نہ تھی۔

ہٹ کی وفات نے اس گورنر جنرل کو ایک زبردست حامی کی حمایت سے محروم کر دیا۔ بجائے اس کے کہ حکومت میں کوئی عہدہ اُسکی فکر کیا جاتا، اسے دارالعوام کی باز پرس پر گفتگو کرنی پڑی۔ ایک شخص جس کا نام پال تھا اور جو وس بیچ کے ایک بزار کا بیٹا تھا لکھنؤ میں تجارت کرتا تھا کجب ویلزلی نے یورپیٹینوں کو وہاں سے لکالنا شروع کیا تھا اور سامی بازوں کی طرح اس پر بھی یہ حقیقت منکشف ہو گئی تھی، کہ سونے کی چڑیاں اب ہاتھ نہیں آئیں گی۔ گو ویلزلی نے ذاتی طور پر اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا تھا لیکن وہ اسکے اس طرز عمل پر گز دل سے نہیں بھلا سکا۔ ۱۸۷۷ء میں وہ ہندوستان سے رخصت ہوا، اور انگلستان پہنچے ہی اس نے پارلیمنٹ میں ایک نشست خرید لی اور کابٹ اور پرنس آف ویلز سے لائق موبدین کی ہمت افزائی سے اس نے کوشش کی کہ گورنر جنرل کو نشانہ ملامت بنا کے شہرت حاصل کرے۔ ۲۷ جنوری کو پال نے تحریک کی کہ اودھ کے متعلق کاغذات پیش کیے جائیں۔ اسے لارڈ فوکسٹون کی امداد بھی حاصل کر لی اور کچھ عرصے تک ویلزلی پر منہ آتا رہا۔ ایک بار تو اس نے اتنی ہمت کی کہ پارلیمنٹ کی میز پر ایک کاغذ رکھا، جس میں ویلزلی کی بد اعمالیوں کی فہرست تھی اور اس پر بڑے بڑے جرم لگائے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ویلزلی کو عہدہ تو پیش کیا گیا تھا لیکن اس نے اس بنا پر کہ تاوقتیکہ الزامات جو اس کے خلاف لگائے گئے ہیں، ان کی صفائی نہ ہو جائے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن اس قول کی تصدیق میں کہ جیتک تمام الزامات رفع نہیں ہو گئے اور دارالشوریٰ میں ایک ریزولوشن کثرت رائے سے اس امر کا پاس نہ ہو گیا کہ اس کی پالیسی قابل تحسین ہی تھی؟

اس کا پہلے سے ارادہ تھا کہ وہ امور خارجہ کی رو براسی میں اپنا وقت صرف کرے گا، چنانچہ واپسی کے بعد سرکاری خدمت کا پہلا موقع جو اسے ملا، تو اس کے کام کرنے کا ہی موضوع تھا۔ یہ موقع وہ تھا جبکہ حکومت انگلشیہ نے ڈنمارک کے بیڑے کو بے رحمی اور سنگدلی سے گرفتار کر لیا تھا اور اراکین حکومت سے دارالامراء میں

اس رویے کا جواب طلب کیا گیا تھا۔ ویلزلی نے حکومت کے اس طرز عمل کی مدافعت کی اور کہا کہ یہ ایک ایسی مردانگی کا کام تھا جس نے مملکت کو برطانیہ کی خوشنویسی سے بچالیا اور نیپولین کی کامیابیوں کی تکثیر میں اس نے رخنہ ڈال دیا ہے۔ اس وقت تک تمام یورپ نیپولین کے قدموں پر سر رکھے ہوئے تھا۔ ویلزلی نے کہا کہ ڈیلفی کے مندیں غیب کی باتیں مقدود نوی بولی میں بتائی جاتی ہیں، جسے صرف خاص خاص اہل تفسیر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ڈنمارک کے بیڑے کی گرفتاری ایک نادر روزگار کارنامہ ہے جس نے نیپولین کے منصوبوں میں سے ایک منصوبے کو خاک میں ملا دیا، اور خود تھوڑے ہی زمانے کے لئے سہی، لیکن اس نے اس کی کامیابی کی گاڑی کی چول میں روڑا لگا دیا ہے۔ تقریر اس کے قدیم انداز بیان میں ہوئی تھی، جو دراصل ایک نئی تلی تھی، لیکن جوش سے لبریز تھی۔ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ وزارت کی طرف سے یہ بہترین مدافعت تھی۔ ۸ فروری ۱۸۰۵ء کو یہ تقریر ہوئی اور مقرر کے لئے وزارت سے گھرے تعلق کی اس نے بنیاد رکھ دی جس کو کیننگ کے ساتھ روز افزوں ہمدردی نے زیادہ پختہ اور مستحکم کر دیا۔

ویلزلی کو اب فرقوں اور آدمیوں کے سمجھنے اور جانچنے کا موقع ملا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ معمولی اتحادوں سے الگ رہنے کو ترجیح دیتا تھا، لیکن وزیر خارجہ کے ساتھ اشتراک عمل کو دل سے پسند کرتا تھا۔ دونوں نیپولین کے مخالف پالیسی میں ایک ہی قسم کے خیالات رکھتے تھے، دونوں عوام الناس کے جوش و خروش کو برطانیہ کی خیر سمجھتے تھے اور دونوں اس امر کے کوشاں تھے کہ اسے ترقی دیا جائے۔ ویلزلی نے اپنے بھائی آر تھمر کے مثل مضحکہ خیز ویلشپین جہم کو ایک لغو و پیرودہ حرکت بتایا تھا، اور نہایت شد و مد سے اس بات پر زور دیا کہ ہسپانوی جنگ میں قطعی مداخلت کرنی چاہیے، کرونا اور سر آر تھمر کی عارضی برطرفی کے بعد یہ طے پایا کہ ہسپانیہ میں علی کارروائی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ہسپانیہ (آر تھمر) کو تیسہ سالار افواج کر کے جزیرہ تائے ہسپانیہ میں بھیج دیا گیا، اور مدبر (ویلزلی) شاہ ہسپانیہ کے دربار میں سفیر غیر معمولی کے طور پر مبعوث کیا۔ لیکن جیب مارکوئیس کو یہ معلوم ہوا کہ اصل فیج کو ایک بیوقوفی کے کام کے لئے واشینگٹن بھیجا جا رہا ہے، تو اس نے استدعا دیدیا، لیکن یہ پھر مادہ کیا گیا کہ اسے قبول کر لے، چنانچہ کچھ تاخیر کے بعد وہ پھر ہسپانیہ روانہ ہوا اور اسے جولائی ۱۸۰۵ء کو بمقام سید زہنا سے بخشی پر اتارا۔

آسکا استقبال نہایت عظیم الشان ہوا۔ جہاز سے اترتے ہی آسکے اعزاز میں ہر قسم کا مظاہرہ کیا گیا، اور جب وہ شہر کی واک میں داخل ہوا، تو تمام شہر آسکو خوش آمدید کہنے اور اظہارِ مسرت کرنے کے لیے جمع ہو گیا تھا۔ آس کا کام یہ تھا کہ اپنے بھائی کی فوج کے لیے کافی ملک بہم پہنچائے۔ جنرل نے آسکو لکھا تھا کہ فوج صرف نصف ہتھیار گزراہ کر رہی ہے اور رسالے کو گھانسنے والے صرف جنگل میں مسیر کرتے ہیں۔ انتظار میں ہیں تو گزر گئے اس عرصے میں فوج بھوکے مرنے لگی، اور آس کا کام تھا کہ فوج کو ذخیرہ پر دانت پیس دیا تھا اور خون کے گھونٹ پی رہا تھا۔ اور سفیر اپنی گورنمنٹ کو انگلستان اور ہسپانوی دربار کو خط پر خط لکھ رہا تھا اور ہر خط ماسبق سے زیادہ موکلہ ہوتا تھا۔ آس نے دبا دبا سین کے سامنے حکومت اور فوجی نظام کی از سر نو ترتیب کے متعلق تجاویز پیش کیں، آس نے تاکید و تقاضا کیا، منت سماجت کی اور حکم و احکام بھیجے، لیکن تمام بے سود ثابت ہوئے۔ یہ بات بالکل ظاہر ہو گئی تھی، تاکہ ہسپانوی حکومت سے کسی قسم کی اعانت کی امید فضول تھی۔ سر آلفرے ویلز نے (جواب داری کا نوٹ ویلزنگٹن ہو گیا تھا) مجبوراً پرتگال کی طرف گریز کیا۔

کینگس بھی اس بات کو جان گیا تھا کہ انگلستان میں پرزور اصلاح کاروں کی ضرورت ہے۔ تاکہ جو شش و خروش پیدا کر کے نیپولین کی فوجی مداخلت کی تائید کریں کیلئے اس پالیسی کو معرضِ عمل میں لانے کا اہل نہ تھا، اس لیے کینگس نے کوشش کی کہ

سے مسٹر مارٹن نے اس ذیل میں بیان کیا ہے کہ ہسپانیوں کی شہنیت میں ویلز نے اپنی ٹوپی میں شخ رنگ کے سبز پتوں کا طرہ لگا لیا تھا ڈی مینوئل گو میسز مارا اور ڈی رفاہیل التامار کی عنایت کی بدولت میں بوٹو کہہ سکتا ہوں کہ کسی کوئی شہادت نہیں ملتی اور یہ بات ناممکن سی نظر آتی ہے۔ ان ہسپانوی عالموں کی مدد سے مجھے اپنے دوست ایچ ٹلر کلارک کے توسط سے حاصل ہوئی۔

سے مسٹر مارٹن نے ایک مسخر انگلیز واقعہ بیان کیا ہے، جو یقیناً مسٹر جیکب سے پوشیدہ نہیں ہو سکتا تھا، جو اس وقت موجود تھا۔ پیرس کی سوانح ویلز کی جلد سوم ص ۳۳ میں انکی کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ سارا گوسہ کی ایک ام ٹنگی خاتون نے مغز و سفیر کو کھڑا لیا اور ٹائون ہال کی بے شمار سیڑھیوں پر سے آئے اٹھا کے اوپر لے گئی اور سب سے اوپر کے کمرے میں چلچلا کے ایک ایسا بوسہ لیا، جسکی آواز سے چھت گونج اٹھی۔

اُنکی جگہ مارکویس آف ویلنلی بحیثیت وزیر خارجہ مقرر کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد وزارت میں مناقشہ ہوا۔ اور یہ مناقشہ اس قسم کا یہودہ مناقشہ تھا، جسکا نتیجہ ڈیوک آف ویلنگٹن نے خود تھوڑے عرصے کے بعد کیا۔ مناقشے کا نتیجہ یہ نکلا کہ وزارت کی از سر نو ترتیب ہوئی، ۶۔ دسمبر کو ویلنلی بنگال عجلت اسپن سے واپس طلب کیا گیا۔ وہ آیا اور اُس نے حلف کیا، اور وزیر خارجہ کی حیثیت سے بادشاہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اُس کے بڑے بیٹے چرڈ کو پارلیمنٹ میں ایک جگہ دئی گئی، اور چند ہفتے بعد خود اُسکو گارٹر کا خطاب و تمغہ ملا۔ ۱۰۔ مارچ ۱۸۷۰ء کو اس اعزاز و انعام کی رسم پوری ہوئی۔ اس کے تھوڑے دن بعد ہنری ویلنلی کو اُنکی جگہ سفیر بنا دیا گیا۔ اور اب تو یہ بات عیاں ہو گئی، کہ بیرونہ نے اسپن کی فوج کی دستگیری و مدد کے لیے سخت جدوجہد کی جائیگی، لیکن وزیر خارجہ کے سامنے کام بڑا اور سخت ہے، ڈھب تھا۔ احساس عام ہم ہسپانیہ کے سخت خلاف تھا۔ لندن کی (مجلس عام) کا من کوئسل نے جو بہت سی دوسری جماعتوں کی نمایندہ تھی، فوج کو واپس بلانے کے متعلق عرضداشت پیش کی۔ ویلنلی نے جوتہا انگلستان میں اس ہم کامی و موید تھا، اُس چیز کو روک دیا، جو یورپ کے لیے تباہی کا باعث ہوتی۔ اُس نے اس بات میں نہایت شد و مد سے تقریر کی، نہایت عجلت سے کام کیا، اور اُسکی مساعی مشکور ہوئیں۔ ۱۰۔ جون ۱۸۷۰ء کو اُس نے ہوس آف لارڈز کی تقریر میں بیان کیا۔

ہسپانیہ کی قسمت کے ساتھ انگلستان کی قسمت غیر منفک طور پر وابستہ ہے، تو کیا ہم کو آخری دم تک اُسکا ساتھ نہ دینا چاہئے؟ اگر آپ مجھ سے پوچھیں، تو حضرات، تاج کے منبر کی حیثیت سے اپنے بادشاہ کی خدمت میں برابری عرض کروں گا کہ اسپن کی اُسکے وجود کے آخری لمحوں تک مدد جاری رکھی جائے۔ اس بات سے ہمیں دل نہیں توڑنا چاہئے، کہ اسپن کی زندگی (کی حالت بڑی نازک نظر آتی ہے، بلکہ ایسے جو کھوں کے وقت تو ہمیں نہایت دلسوزی سے اُنکی خبر گیری کرنی چاہئے۔ کیونکہ طرح اقوام میں، اور اسی طرح سب سے پہلے اسپن ہم خیر خیر تحلیل کی تہی باطلاات دیکھ چکے ہیں۔ اور یہی علامات پیش خیمہ ہوتی ہیں نئی زندگی کی نئی طاقت کا، اس لیے میں اسپن کی زندگی کی آخری کشمکش میں اُسکا ساتھ دوں گا، اسی لیے میں اُسکی ترقی کی حالت میں اُنکی تباہی میں دینے نہ کروں گا، میں اُسکے ختم ہونے کا، اُنکی ہم ٹی کروں گا، میں اپنے ہاتھوں میں اُس کے

ہم دیس کو نوں گا، اور اُس کی رحلت گزیر جسب الوٹنی کی آخری چنگاری کو دل میں کھوں گا،
اور ہر دوش کوں گا۔ اس بات کو یہ نہ خیال کیا جائے کہ یہ محض بد خبری سگالی اور پاکبازی ہے،
یا میرے احساسات کا مبالغہ آمیز بیان ہے، ہاں اُن واقعات کا ضرورت سے زیادہ
گہرا چرچہ ہے جنھوں نے اس ہمدردی کو قلب میں پیدا کیا ہے بلکہ حقیقت نفس الامری
یہ ہے کہ ہسپانیہ کے ساتھ عزت و حرمت، اور اغراض و فوائد یکساں ملوث ہیں اور
غیر متفاک طور پر اُس میں خال ہیں۔ ہسپانیہ کی طرف قدری ایسی طرف داری ہے جسکے لئے
دل کے بہترین جذبات کے ساتھ عقل کے اعلیٰ ترین احکام متحد ہیں۔

دارالام میں اُسے اپنے بعض قدیم ترین دوستوں کے برقرار نہایت سخت لڑائیاں
کرنی پڑیں اُس وزارت کے جوش و خروش کو اُسے برقرار رکھنا ضروری تھا، جس کے
متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ خود اسکو ہسپانوی پالیسی کے متعلق شکوک تھے۔ اُسے
عوام الناس کے بغض و غضب کا مقابلہ کرنا تھا جو ہسپانوی جنگ اور سرخس برٹش
کی قید پر غضبناک ہو رہے تھے۔ ۶۔ اپریل کی شام کو اسیلے ہوس کی کھڑکیاں
توڑ دی گئیں یہ ایک ایسا منظر تھا جسکا ساکنین مقام کو عادی ہونا تھا۔ ہسپانیہ ویلزی
نہایت ثابت قدمی سے اپنی جگہ پر اڑ رہا، اور اُسکے غیر مطلوب استقلال نے اُس کے
رفیقان کار کو اپنے ساتھ گھسیٹے رکھا، یہاں تک کہ ویلنگٹن کے اپنی اور پرتگالی فوج کے
سامان خورد و نوش بہم پہنچانے کے متعلق تمام مطالبات زچہم کہ وہ پیش کیے گئے
پورے کیے گئے۔ اور معنی کے شروع میں تو یہ پیرہ نہایت بہتات سے اُس کے
پاس بھیجا گیا، سپاہیوں کی اُسے ضرورت ہی نہ تھی۔

وزیر خارجہ کو امریکن مشکلات کا بھی تصفیہ کرنا تھا، جو برلن اور میلان کے
فیصلوں اور کونسل کے احکامات سے پیدا ہو گئی تھیں۔ اور اسکو اُن حدود و
قیود کے انضاط میں بھی شریک ہونا تھا، جن کے مطابق پرنس آف ویلزی سے
استدعا کی گئی تھی کہ وہ ریجنٹ کی حیثیت سے اختتام کرے۔ دارالام میں سچائی بل
کی پہلی خواندگی کا موقع بعض لوگوں کی نگاہ میں ویلزی کے لئے اسکی عمر میں سب
سے بڑی آزمائش کا وقت سمجھا گیا تھا، لوگوں کو امید تھی اور وہ اسکے لئے
تیار تھا کہ وہ تقریر کرے۔ کوئی شخص اُس قانون کے متعلق تقریر کرنے کا اتنا اہل

نہ تھا۔ اور کسی کی تقریر اتنے غور و ادب سے نہ سنی جاتی تھی۔ لیکن نہ معلوم کیا بات ہوئی کہ اس پر اعضاء کی بکڑوری چھا گئی اور وہ کم سن بیٹھا رہا۔ اسی وقت سے لوگوں نے یہ حکم لگا دیا کہ اعلیٰ درجے کے سیاسی اقتدار کا موقع اس نے کھو دیا اور آئندہ اس کے بڑھنے کی امید نہیں۔ اس معاملے کے متعلق بڑی چیمگیوں ہوں، کسی اخبار کے نامہ نگار نے لکھا کہ لوگوں کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ "اس کی طبیعت جھج گئی، دل مر گیا ہے، اور سب سے خطرناک بات یہ ہوئی کہ خود اس نے اس رائے سے اتفاق کلی کیا، باخبر لوگوں کو سخت تعجب ہوا کہ نائب شاہ (ریجنٹ) نے وزارت کو جوں کا توں قائم رکھا۔ اور ویلنزی ہسپانوی جنگ کے لیے برابر جدوجہد کرتا رہا، اور یہی سب سے بڑی وجہ ہے جس کے باعث اپنے عہدے پر قائم رہا۔ اس کے علاوہ اور کسی مسئلے میں وہ اپنے رفیقان کار سے پورے طور پر متحد نہ تھا۔ وزارت کے اکثر جلسوں سے وہ غیر حاضر رہا کرتا تھا اور جب مسئلہ ایمن سی پیشینہ (آزادی و مساوات حقوق) فرقہ کھٹاک کی عرضی کی صورت میں ۱۸ جون ۱۸۸۰ء کو پیش ہوا، تو اس نے وزراء کے خلاف رائے دی کہ آخر کار یہ نظر آنے لگا کہ اس کی مساعی بے صلہ نہ ہوگی۔ بلکہ در اول انگلستان کی طرف مائل ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی اس نقل و حرکت سے یورپ کی آنکھیں کھلنی شروع ہوئیں، اور اُن پر روشن ہوا کہ ہسپانوی مداخلت نے یورپ کی ایسی خدمت کی ہے، جرمنی میں بھی اب ایک نئی جان پڑنی شروع ہوئی تھی، اور ویلنزی نے جب دیکھا کہ ہوا کا رخ بدل رہا ہے تو اس نے اپنی سی سی اور کوشش اور زیادہ محنت و شفقت شروع کی۔ وزارت خارجہ کے محافظ خانے کی مشلوں پر نظر ڈالنے سے اسکی ان تحکک کوششوں اور دلی جوش و خروش کا حال ظاہر ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا نامہ نگار نے لکھا "اسکو اس بات کا یقین کامل ہے کہ نقشہ یورپ میں کچھ بہتری کے لیے ہی بہت بڑی تبدیلی پیدا ہونے والی ہے، اور یہ تبدیلی ویلنزی کی مساعی کا نتیجہ ہوگی۔ یہ بات بھی یقینی ہے کہ انتہا درجہ صبر و تحمل سے اور ہر طرح تدبیریں کر کے جس میں کبھی ظرافت ہوتی تھی اور کبھی جدت، اور ان دونوں میں اسے بڑا ملکہ تھا، اس نے کامل وجود عیش کے بندے میں جو شاہ کے فرائض انجام دیتا تھا، یوروپین کشمکش کے متعلق دلچسپی اور جوش پیدا کر دیا تھا۔ وہ ہر دم ریجنٹ کے ساتھ رہتا تھا اور معلوم ہوتا تھا، کہ

وہ تھوڑے عرصے میں وزیر اعظم ہو جائے گا، اور معلوم ہوتا تھا کہ روس کتھلک کا مسئلہ بھی جس کے باعث اس نے استعفا دیدیا تھا، لیکن اس کی جگہ پر کرنے کے لیے کوئی قابل اطمینان ذریعہ ثابت نہیں ہوا تھا، اس کو اس کی جگہ سے نہیں ہٹا سیکے گا۔ اس نے ایک تقریر کی، اور قدیم ٹورپوں سی بھی بگاڑ پیدا کر لیا۔ اور ان سے بالکل علیحدہ ہو گیا۔ اور دھڑکنے بھی اسے خوش آمدید نہ کہا، لیکن یہ تقریر انا دخیالی میں اس کے سچے استحکام کی تین دلیل ہے، اور اس مسئلے میں ہمیشہ اس کے افعال اسی رویہ کے تابع فرمان رہے۔

پہلے اسی جیسے بیچ میں گزر گئے۔ پرنس پینٹ بظاہر تو بڑی گرم جوشی اور شفقت سے پیش آتا تھا، لیکن دیر پردہ انقلاب کی تدبیریں لڑا رہا تھا، چنانچہ ۹ فروری ۱۸۱۲ء کو اس کی ساز باز کا نتیجہ یہ نکلا کہ ویلزلی نے وزارت خارجہ کی جہیں واپس کر دیں، یعنی مستعفی ہو گیا۔ اور آئرلینڈ کے لارڈ لوفٹسٹ کے عہدے کو منظور کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ وہ ایک لمحہ بھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ وزیر اعظم پرسیوئل کی تنگ نظری سے متفق و متحد ہو نیکا شکا رہے۔ تین ماہ بعد جب وزیر اعظم گوئی سے مار دیا گیا تو ویلزلی سے درخواست کی گئی کہ کیننگ کے ساتھ اپنی سابق وزارت پر چلا آئے، لیکن دونوں نے اصول کار کے متعلق رفقہ دباہمی کرنے سے انکار کر دیا۔ ویلزلی نے لارڈ لورپول کو دو خط لکھے۔ یہ خط کیا ہیں، دلائل و براہین کا استلزام نمونہ ہیں۔ ان میں اس نے اپنی رائے کے استحکام و استقلال کو تسلیم کیا ہے۔ چند دفعہ بعد وزارت مرتب کرنے کا موقع فی الواقع اس کو ہاتھ آ گیا، لیکن بمقابل قرقوں کے سرداروں نے اس کے ساتھ کام کرنا پسند نہیں کیا۔ فرقہ کتھلک کی آزادی (ای میں سی پشین) اور ہسپانیہ میں نہایت سختی سے جنگ کا اجراء یہ دو باتیں تھیں جن پر ویلزلی اڑا ہوا تھا، اور انھیں دونوں بناؤں پر زبردست حکومت کا قیام کرنا ناممکن ہو گیا۔ ان لوگوں میں جو فرقہ کتھلک کی آزادی چاہتے تھے اور وہ لوگ جو اس مسئلے سے سرے ہی سے متنفر تھے، اصلاح ذات البین ناممکن تھی۔ چنانچہ ویلزلی نے دارالامرا میں آخر کہی دیا کہ نہایت ہی خوفناک ذالی کا دشمن، نے اس کے کام کو ناممکن کر دیا ہے۔

۱۷ ویلزلی نے ۱۸۱۲ء میں وہ خط و کتابت شائع کی جس میں حکومت قائم کرنے کے متعلق نامہ دوہما مفصل بیان تھا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لارڈ ولورپول کی وزارت قائم ہو گئی، جس کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ اس کی عمر چند ماہ سے زیادہ نہ ہوگی، لیکن وہ پورے پندرہ سال قائم رہی۔ یہ بھی طرفہ ماجرا ہے کہ متوسط طبقے کے لوگ انسانی پرستش پر اتر آئے تھے اور لارڈ ولورپول جیسے شخص کو عرش کا تارا سمجھنے لگے تھے۔ جب ارکان وزارت کے تقرر کا حال گھلا تو دارالام میں نہایت تلخ و ترش بحث ہوئی ویلزلی اس میں نہایت آسانی سے سرخرو لگلا لیکن اسکے وزیر اعظم ہونے کا موقع ہمیشہ کے لیے جاتا رہا۔

یکم جولائی ۱۸۱۲ء کو ویلزلی نے رومن کیتھولک کے دعاوی پر غور کرنے کے متعلق ایک تحریک پیش کی اور اس موقع پر اس نے بہترین تقریر کی۔ تقریر اس کے عام انداز کے مانند فصاحت اور بلاغت میں ڈوبی ہوئی تھی لیکن اس کے ساتھ ”انجی ازل می خیز و بر دل می ریزد“ کی مصداق بھی تھی۔ حرف ایک مخالف رائے کی زیادتی سے اسے شکست ہوئی۔ اس کے بعد اس مسئلے کے متعلق ان کی تمام مساعی چپکے چپکے ہوتی رہیں، تاہم وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا رہا۔

۲۲ جولائی ۱۸۱۲ء کو سلاواٹکا کی فتح کی خبر نے ویلزلی کی توجہ کو عوام الناس کی نگاہ میں کچھ کا کچھ کر دیا۔ اس فتح عظیم سے ایک تو ارتھر ویلزلی کی جنگی قابلیت کی عظمت فیصلہ کن طریق پر اظہار من الشہس ہو گئی اور دوسرے اس نیک فال میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ اسپین میں القطاعی فتح کا سہرا انگریزی فوج کے ہی سر رہے گا۔

معیندایہ دونوں بھائی عوام الناس کی لہر مسرت کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ ویلنگٹن کو مارکویس کے درجے پر فائز کیا گیا، اور ویلزلی یہ دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہوتا تھا کہ اس کی قوت فیصلہ جو اتنے عرصے تک مرکز بحث اور ہدف ملامت بنی رہی، آخر سچی ثابت ہوئی۔ اور اس کے بعد تو وہ اتنا گھلا کہ لندن کے اردو حام کے ساتھ فتح کی خوشی میں نہایت گرمجوشی سے شریک ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے فتح کی دل سے خوشی منائی۔ اس وقت سے دو سال پہلے ہی لوگ تھے جنہوں نے اس کے مکان کی گھر گھریاں توڑ دی تھیں اور اب بھی وہی لوگ تھے جو اس کی گاڑی کو سینٹ پال کے گرجا اور پینشن ہاؤس گھسیٹ کے لے گئے، اور پھر نورماٹے محسن و آفریں کے ساتھ ان کے گھر واپس پہنچا گئے۔

اس کے بعد ویلنزی نے چند سال تک سیاسیات میں بہت کم حصہ لیا۔ اس کے مقاصد میں ایک مقصد حاصل ہو گیا تھا، لیکن ایک دوسرا دست خارج از تحصیل تھا۔ اس نے ان کی بارہ امرا کے ساتھ حکومت کے اس مہیب و لغو قانون کے خلاف قابل تحریر احتجاج پر دستخط کیے بلکہ کہتے تو یہ ہیں کہ اس نے لارڈ کرینویل کے ساتھ ملکر خود اُسے لکھا تھا، جو ایک ایسا قانون تھا کہ آج کے دن اگر ضبط تحریر میں آتا، تو کوئی اسکے حاقت آئینہ مضمون پر یقین نہ لاتا اسکا منشا یہ تھا کہ جب تک ملکی پیداوار کے گیسوں کی ایک کو آڑ (۲۸ پونڈ یعنی ۱۴ سیر) کی قیمت نہ شلنگ و صول نہو، اسوقت تک تمام مالک غیر کے اناج کو انگلستان آنے سے روک دیا جائے۔ ایڈم سمٹھ فراموش نہیں کیا گیا، تحریر احتجاج میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ یہ قانون اس قسم کا ہے جس کے ذریعے کا شکار کو خریدار پر ٹیکس لگا کے فیض پہنچایا جائیگا۔

جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، ویلنزی نے حکومت کی آر لینڈ کے متعلق جاہلانہ پالیسی اور انگلستان میں آلات حرب و ضرب پر اسراف اور داخل میں زیادتی کے خلاف بار بار صدائے احتجاج بلند کی۔ اس نے کبھی کسی جماعت کے اغراض و فوائد یا احساس عام کے خلاف کی مخالفت کرنے میں خوف نہیں کیا جس طرح اس نے جنگ کے جاری رکھنے کی نسبت اس وقت زور شور دکھایا تھا جبکہ سب اسکے خلاف تھے، اسی طرح اس نے نیپولین کی ایلبار سے فروری کے بعد اسکی عداوت کی مخالفت کی۔ اسکی ایک تقریر میں ہیں ایک ایسی صدا سنائی دیتی ہے جو اُس نخوت کے زمانے میں بالکل غیر معمولی معلوم ہوتی ہے۔ یہ صدا اخلاقی اصلاح اور نئے اسلوب کے متعلق تحریک تھی جس کے اتمام کی ابھی تک ضرورت باقی ہے۔

جب ملک منظم کے ہر طبقے کے لوگوں کی حالت دیکھتا ہوں، اور انکی مساعی ان کے صبر و ان کی وفاداری پارلیمنٹ پر ان کے اعتماد اور ان کی موجودہ مصیبت پر نظر ڈالتا ہوں تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے ذہن کی کس جہر یا ذرا مٹھی کے باعث دہلنے ایسے خونخوار مصائب کے اسباب کے متعلق ماحول و کامل تحقیقات کر کے مطمئن کرنے سے منہ موڑ لیا اور مہر مکن مدد کے عہد سے ہاتھ کھینچ لیا۔ مندرجہ بالا ملامت انگیز اسراف زیادہ دلوں میں جل سکتا۔ پارلیمنٹ کو اپنا فرض پورا کرنا چاہیے ملکی عہدہ داروں اور دفتر کے سرکاری عملوں کی اچھی طرح تحقیق کرنی چاہیے۔

درحقیقت سب کو ایک قاعدے کے زیر فرمان کرنا چاہیے کہ کوئی چیز خواہ وہ کتنی ہی قدیم کیوں نہ ہو ملک کی احیاء و بقا کے لئے لازمی طور پر ضروری نہیں ہے تو وہ برقرار نہ رہی جائے۔
یہ تھے وہ مردانہ الفاظ جو اس شخص نے کہے تھے۔ لیکن نہ تو وہ جوشیلا مقرر تھا اور نہ سرگروہ انبوه عوام کی سینہ زوریوں کا مقابلہ کرنے میں جہدِ رواہ بنے خوف تھا اسی قدر ان کی شکایتیں رفع کرنے میں مستعد۔ اس نے ۱۸۱۹ء کے چھ قانونوں کی تالیف کی، اور "ماہیچسٹر کے قتل عام" سے جو بد امنی اور بے چینی مہیب صورت میں پیدا ہو گئی تھی، اسکا اعتراف کیا اور اسے تسلیم کر لیا۔
۱۸۲۱ء کے آخر میں ویلزلی کو آئرلینڈ کے لارڈ لفسٹ کا عہدہ پیش کیا گیا، اور اسے اُسے منظور کر لیا، ملک کی حالت جتنی ابتر تھی، وہ ہم اچھی طرح جان چکے ہیں۔ ہر طرف دنگا فساد پھیل رہا تھا۔ اضلاع ملک میں انتظام و انصرام دہم دہم ہو گیا تھا۔ ہر جگہ افواج فوجی مچی ہوئی تھی۔ بازاری لوگوں کا دھمکاج رہا تھا۔ ویلزلی جب آئرلینڈ پہنچا تو لوگوں نے اُسے مصالحت کا پیش خیمہ قصو کر لیا۔ اسکا قدیم دوست گرینویل پھر ایک عہدے پر فائز ہو گیا تھا اور گورنمنٹ کی نظر میں بھی اب وسعت پیدا ہو گئی تھی۔ دارالامرا میں بھی ایسی ہی پیشینہ دفرقہ کشک کی آزادی، کا مسئلہ کم آراء کی کثرت سے مسترد ہو رہا تھا۔ یعنی اس میں اس مسئلے کی مخالفت رفتہ رفتہ کم ہو رہی تھی۔ ویلزلی اور اس کا بھائی دونوں آئرلینڈ کے سب سے بڑے زندہ آدمیوں میں تھے۔ لہذا آئرلینڈ کے دارالحکومت میں اس کے داخلے کا منظر ایسا عجیب و غریب تھا، جو شاید ہی ان کے بعد کسی دوسرے کو نصیب ہوا۔
جس میں تمام فریقوں نے یکساں ان کا نہایت عظیم الشان طور پر استقبال کیا۔ ۸ جنوری ۱۸۲۲ء کو جب اس نے پہلا اذن عام منعقد کیا، تو اہل ڈبلن کے خطبے کا اس نے چیدہ الفاظ میں جواب دیا۔

میں نے اپنے ملک معظم اور اپنے ملک کے مختلف عہدوں پر دور و دراز ملکوں میں خدمات انجام دی ہیں۔ جہاں کہیں بھی قسمت نے مجھے پہنچایا ہے، میں اپنے خاندان یا ملک کے لئے ننگ نہیں ثابت ہوا ہوں۔ اب اگر تباہی دہشت اور مہلک زلزلہ بادشاہ سلامت آئرلینڈ میں میں نے امن و امان کو بحال کر دیا، تو میری طویل خدمات مسرت اور عزت اور

حقیقی ناموری کے ساتھ ختم ہو جائیگی۔

چند روز بعد خواستہ ضیافت دی گئی اس میں اس نے نہایت فخر و انبساط کے ساتھ اپنے بھائی کی کامیابیوں کا ذکر کیا، اور حاضرین کو اپنے بھائی کی اپنے وطن کے ساتھ غیر بدل محبت کا اطمینان دلایا۔

آئرلینڈ میں جاتے ہی جو کارروائیاں اس نے کیں، وہ اس نوع کی تھیں کہ اس نے پہلے ان لوگوں کا تالیف قلوب کیا، جو آئرلینڈ کی ضروریات سے ہم دردی رکھتے تھے۔ چنانچہ سٹر پارلیمنٹ ایٹارنی جنرل اور سٹر مرگ چیف جسٹس مقرر کئے گئے۔ اس نے کام کی ابتدا بڑے عمدہ شکون کے ساتھ کی۔ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ وہ آئرلینڈ کے حق میں بہتر سے بہتر کام کرے گا جیسا کہ متلون مزاج اور متمنع الاصلاح سرفرائنس برٹش نے بھی مخلوق سے ہمدردی پر اسکی تعریف و توصیف کی تھی۔

ویلزلی کا کام درحقیقت وہ تھا جسے آجکل "پیغام مصالحت" کہا جاتا ہے۔ لیکن بہت سے وائسرائوں کے مانعہ جو اس کے بعد آئے، اسے معلوم ہوا کہ آئرلینڈ پر نیچر و تشدد کے حکومت ناممکن ہے۔ سب سے پہلی رپورٹ جو اس نے وزارت داخلہ کو بھیجی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدامنی کے رفع کرنے کے لیے معمولی قانون کس قدر ناقابل ہے۔ غور بھی ہوا کہ کو پارلیمنٹ کے اجلاس کے آغاز میں اس کا جو مراسلہ پیش ہوا اس میں اسے لکھا۔

مزید فوجی طاقت، یا پولیس میں زیادتی و ترقی قانون بغاوت کی مدد کے بغیر کارگر ثابت نہوگی۔ اس مدد کے ساتھ مجھے یہ توقع قریب عقل معلوم ہوتی ہے کہ بھلاسن و سکون نہ من

بھال بلکہ تمام آئرلینڈ میں مستقل طور پر ساری و طاری ہو جائیگا۔

قانون بغاوت منظور ہوا اور سیدیس کا برس ایکٹ معطل کر دیا۔ برن من کے فرسے والوں پر مقدمہ چلا لیا گیا اور تمام مغویانہ انجمنوں کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ویلزلی اور آئرلینڈ کے فہر ان قانون کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا فائدہ تھا کہ سازشوں اور خفیہ انجمنوں کی سمیت و دہشت کی بجائے قانون کی غفلت اور جلال کا خوف بنائے وطن کے دل میں بٹھا دیا جائے۔ ایک سال کے اندر یعنی ۲۹ جنوری ۱۸۳۳ء کو وہ یہ رپورٹ کرنے کے قابل ہو گیا تھا کہ جرائم میں بہت تخفیف ہو گئی ہے۔ تجربے نے جو اس میں اعتماد

۱۔ پیر کی کتاب ویلزلی جلد سوم ص ۳۱۳۔

ہاتھ سے نہ دیا جاسکتا تھا۔ لڑکوں نے اس موقع کو ناک لیا انھوں نے اشتہار تقسیم کیے اور اس میں کنایت یہ بھی لکھ دیا کہ ”اب بابائی نہیں چلے گی“۔ پراشٹنٹ کو ٹال بٹ نسل کے کئے کی ضرورت ہے، اس لئے کٹیا پاؤں کو سب کچھ مل گیا ہے، صرف“ اور سینٹر (یعنی مرغوں) کے سابق گورنر اپنی صبح کی اذان کو بدل دیں گے۔“

ویلزی کی کواچی طرح معلوم ہو گیا ہو گا لیکن غالباً اسے یہ خبر نہ ہو گی کہ بوتل اس کے سر پر لڑی جا بیگی۔ جب ”خدا بادشاہ کو سلامت رہے“ کا نذرہ بلند ہوا اور وہ غصیلکھٹا نظر اہو گیا تو بوتل سر پر کی لیکن خیر یہ ہوئی کہ مارنے والے کا نشانہ پورا نہیں ملے گا، اور پست تہ والے اسے کو سفٹیوں اور قفل اتارنے کی آوازوں کے علاوہ اور کچھ ضرر نہ پہنچا۔ بد قسمتی سے اس نے اس آئرش مذاق کو محض مذاق کے طور پر نہ سمجھا۔ بلکہ بہت سے بلوائیوں کو حکومت کے خلاف سازش کے الزام میں دھوکا دیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ گرینڈ جوری ڈالٹ اعظم نے آئرلینڈ کے متعلق قانون بغاوت کو مسترد کر دیا، اور دارالعوام میں استغاثے کے خلاف ملامت کی تحریک کی گئی، جسکو رد کرنے میں پانکٹ کی ساری فصاحت و بلاغت صرف ہو گئی۔

اسی دن میں لارڈ اور پل کی حکومت ۲۱ اگست ۱۸۲۲ء کو کیسل رے کی خود کشی کے باعث کمینٹک کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اب تو ویلزی اپنی مصالحت کی پالیسی میں حکومت کی تائید کے اعتبار سے زیادہ محفوظ ہو گیا۔ اور اس نے پھر سوچیں حصے مسئلہ عشرہ کے تصفیے کے متعلق تجویز پیش کرنے کی ٹھان لی۔ مسٹر پیرس نے ایک دلچسپ خط شائع کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لارڈ ڈاکرے نے اس مسئلے کے متعلق وائسرائے سے گفتگو کی تاکہ ایک تجویز مرتب کرے اور اس کی اُنڈ سے مسئلہ عشرہ کو ہفت سالہ اوسط سے منصفی کر دے جیسا کہ بعد میں انگلستان کے لئے اختیار کیا گیا۔

یہ کوششیں ویلزی کی نائب السلطنتی سے مخصوص تھیں۔ گو وہ ہر دلعزیز حاکم

لے ٹالٹ اصطلاحاً بڑے منہ اور بڑے کانوں والے شکاری کتے کہتے ہیں، جکا رنگ عموماً سفید ہوتا ہے۔

بظاہر یہ سینٹر میو برٹ نسل کے نسل ہوتا ہے۔

یہ سینٹر بھی مرغ کو کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ نام جاوے سے لیا گیا ہے جہاں کا مرغ بڑا جیوٹ ہوتا ہے۔

نہ تھا، اور نہ اس میں عوام کے لیڈر بننے کے اوصاف تھے، تاہم اس کی طبیعت میں نفع رسانی اور خیر سبب سبب سبب تھی، اور مخلوق کو آسائش پہنچانے کا اسے بہت خیال رہتا تھا۔ اور وہ یہ کی حیثیت سے وہ حقیقت میں نہایت دور اندیش تھا۔ اس کے کام میں ہنود و نمائش نہیں ہوتی تھی، بلکہ وہ کئی درجے اس قسم کا مالک تھا جس کی آئرلینڈ کو سخت ضرورت تھی۔ اور اس کے ذریعے سے آئرلینڈ کے نظم و نسق پر ایسا نقش بیٹھ گیا تھا جو ہرگز مٹنا نہ جائے گا تھا۔ اس کے جانشینوں نے اس کی حکومت کے مقابلے میں جو آثار چھوڑے ان کو ویلنزی نے خود مزاح کے پہلے میں خوب بیان کیا ہے۔ لارڈ نارمن بی نے جو اس کی دوسری بار زمانہ حکومت ختم ہونے کے بعد ۱۸۳۵ء میں اس کا جانشین مقرر ہوا، تمام آئرلینڈ کا دورہ کیا۔ اور قید خانوں کے دروازے ہر قسم کے مجرموں کے لیے کھول دیئے۔ عزت اور حرمت کی اس نے ایسی بے قدری کی کہ جس نے لغو و برباد کر دیا، محض قتل کی صورت اختیار کر لی۔ ویلنزی نے نارمن بی کو کتاب "ٹائم ٹیمپ" کے شاہ سے مقابلہ کرنے ہوئے کہا کہ "افسوس اس نے انصاف کرنے کے بجائے رحم کو اندھا قرار دیا ہے" ویلنزی کی نائب السلطنتی کیننگ اور لارڈ کاؤرچ کی حکومتوں کے زمانے تک رہی۔ یعنی اس وقت تک جب تک کہ روس کی تھلک کی آزادی کا مسئلہ وزارت میں جاری رہا۔ اس نے جنوری ۱۸۳۵ء کو استعفا دیا جب اس کا بھائی کڈلوک آف ویلنگٹن فریقہ برائٹن کی کامل فوقیت مان کر وزیر اعظم ہوا۔ لیکن اس کا استعفا علامت تھا آئرلینڈ میں نہایت شدید اور مستقل بلچل اور آدمی کا، جو کلیہ ایکشن (انتخاب کلیہ) کے بعد فوراً شروع کر دی گئی تھی۔

ٹوئیل او کائل نے صاف لکھا ہے کہ "وقت آگیا ہے کہ اب اس نظام عمل کو جو اس ملک میں ساری اور طاری ہے، یکسر موقوف کر دیا جائے۔ آئندہ صرف ان الفاظ سے کہ پیارے دوست میں تمہاری خیر خواہی کا تمنی ہوں، کام نہیں چلے گا۔ بلکہ جو کچھ کہا جاتا ہے اس کو عمل کر کے دکھلایا جائے۔ اور ہمارے ساتھ واقعی طور پر خیر خواہی برتی جائے۔ وقت آگیا ہے کہ اس طرز عمل کا خاتمہ کر دیا جائے اور میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ اس کا خاتمہ کر دوں" آخر شش وہ دن بھی آگیا کہ ویلنزی کے مقصد کی تکمیل کے سامان ہونے لگے۔

مارکوئیس کا استعفا اس امر کی بھی صاف دلیل تھی، لکھا اسکو ڈیوک سے اختلاف ہے دونوں بھائیوں میں عرصے سے نزاع کے سامان ہو رہے تھے، اور اس موقع نے اس کو پورا کر دیا۔ مسئلہ تھرسٹن فیلڈ نے خوب کہا ہے کہ ڈیوک کے یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔ کہ قدیم قسم ٹوری ازم نذر اعلیٰ ہو چکی ہے یہ مارکوئیس کبھی قدیم ٹوری نہیں ہوا تھا۔ اسکے گھرنے کے لوگوں کو اس کے بعض اقوال یاد ہیں۔ ان میں سے ایک ممتاز رکن دی انریبل چارلس گراہم اب تک جن حیات ہے، اور وہ مارکوئیس کے بہت سے اقوال نقل کیا کرتا ہے، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے بھائی کی سیاسی قابلیت کے متعلق وہ کچھ اچھی رائے نہیں رکھتا تھا۔ یہ بھی عیان ہے کہ اسکو اس بات کا بہت افسوس تھا کہ وہ بھائی جسکو اس نے ہندوستان میں ایسے ایسے موقع دیئے، جن پر اس نے اپنی عظمت اور ناموری کی بنیادیں ڈال دیں، اب جبکہ وہ وزیر اعظم ہو گیا تو اس نے اس کے احسانات کا کوئی شکریہ نہیں ادا کیا۔

ماہ جون ۱۸۳۷ء کی دسویں تاریخ کو دارالامرا میں ایک نے دوسرے کی مخالفت کی۔ ویلزلی نے نہایت دانائی اور متانت سے اس بات پر زور دیا کہ کہنہ اور فرسودہ نا انصافیوں کو اب ترک کر دینا چاہیے۔ فرقہ رومن کتھولک کا حکومت سے اخراج حفظ امن کا ذریعہ نہیں رہا بلکہ اب وہ حقیقتہً ایک تکلیف دہ اور فوری خواہش بن گیا تھا۔ چنانچہ اس نے کامل اعتقاد کے ساتھ رومن کتھولک فرقے کے دعووں کی تائید کی۔ ان دعاوی کا ویلزلی کے دل میں جو اعتقاد آئر لینڈ میں ان قوانین کے عمل کے پورے مطالعے اور طولانی تجربے کے بعد قائم ہوا تھا، جس کے ذریعے اہل آئر لینڈ کو حکومت سے خارج کر دیا گیا تھا، ویلنگٹن نے اس کا جواب یہ دیا کہ ویلزلی یہ سہ ہے کہ رومن کتھولک کی بے بسی اور حکومت سے اخراج سلطنت اور کلیسا کی حفاظت کی شرط ہے۔ لیکن ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ ڈیوک نے خود اس چیز کو جسکی مخالفت پر وہ اتنا تلمہا ہوا تھا، عمل پذیر کر دیا۔ قانون اصلاح جب پیش ہوا، تو اس کے متعلق ان ہی واقعات کا اعادہ ہوا۔ ویلزلی سالہا سال سے ایک پرچش مصلحت تھا۔ ویلنگٹن ان کے مقابلے میں اُس وقت تک جارہا، جب تک رعایت

و مروت عوام کی خیر خواہی کے مقابلے میں کمزوری اور بزدلی نہیں سمجھی گئی۔ ویلزلی نے لارڈ کو ممبر میر سے خوب کہا تھا کہ اگر تعہد بڑا جی سپاہی ہے، لیکن وہ تدبیر بھی نہیں بن سکتا، ایک اور اپنے دوست کے سامنے اس نے اس سے بھی زیادہ زوردار الفاظ استعمال کیے تھے:

سیاسی مسائل میں اختلاف ہی بنائے تفوق نہ تھا، بلکہ اصل یہ ہے کہ یہ توقع کجانی تھی کہ تبدیلی وزارت کے موقع پر بڑے بھائی کو کوئی نہ کوئی بڑا عہدہ ضرور مل جائے گا۔ ایک دفعہ لارڈ کا ویلنگٹن نے وزارت میں اسکی شمولیت کی سفارش بھی کی تھی۔ علیٰ ہذا جب ویلنگٹن سے ترتیب ارکان حکومت کی درخواست کی گئی، تو لوگوں کو خیال گزرا کہ وہ اپنے بھائی کو اراکین سلطنت کا سالار بنایا گیا۔ لیکن لیچ کا مشہور خاکہ طبع ہونے سے قبل ظاہر کر دیا گیا تھا۔ اس میں یہ دکھایا گیا تھا کہ ”حریریں لڑکا“ کسی دوسرے لڑکے کو جس میں اس کی رقابت کلاشائے بھی ہو، ”عمدہ چیزوں میں سے ایک چیز بھی نہیں لینے دیگا“۔ وہ پھر جب لارڈ گرے کی حکومت عالم وجود میں آئی تو ویلزلی محل شاہی کا میر سامان (لارڈ اسٹیو رڈ) بنا دیا گیا، اور قانون اصلاح کے منظور ہونے کے بعد وہ پھر آئرلینڈ کا لارڈ لفٹننٹ مقرر ہو گیا، اسکا داماد مسٹر لٹلٹن اس وقت آئرلینڈ کا چیف سکرٹری تھا۔ ان دونوں نے مل کر ایسی تجاویز قلمبند کیں کہ اگر انہیں منظور کر لیا جاتا تو آئرلینڈ کے وطن پرستوں مایوس دلوں کے لیے سچی تسکین کا باعث ہوتیں۔ اس وقت قانون جبر نافذ العمل تھا اور اسکی تشدد آمیز دفعات کی ویلزلی اور لٹلٹن کی صلاح کے برخلاف تجدید کر دی گئی۔ ویلزلی اور لٹلٹن کی تجاویز عدالت، مجلس مشیران سلطنت اور دیگر ادنیٰ اور اعلیٰ ملکی عہدوں میں رومن کتھاک کے داخلے پر مشتمل تھیں۔ اور مسئلہ عشر کے متعلق بھی ویلزلی کی عاقلانہ تحریک ہی تھی، جس نے پیل کی وزارت کو نیچا دکھایا تو

لارڈ گرے کے دوسرے عہد حکومت کے دوران میں ویلزلی چند ہفتے تک حاجب (لارڈ چیمبرلین) کے منصب پر مامور رہا۔ پبلک کی خدمت سے اس کی لے لیج کا کارٹون ہرجون کے لئے گودا والا مرا کی بحث کے بعد اخبار پیچ میں نکلا تھا۔ جب ویلنگٹن نے ہارڈنگ اور گف کو مراتب عطا کیے جانے کے خلاف رائے دی تھی تو

گزارہ کشی کے متعلق کوئی توجیہ بیان نہیں کی گئی اس وقت اس کی عمر ۵۰ سال کی ہو گئی تھی۔ اور اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ اس نے زندگی عام کو اب بالکل خیر باد کہو یا نہ ہو اس کی آخری رونمائیوں نے وہ فیسیاسی پارٹیوں سے خراج تحسین وصول کیا۔ میل۔ گرے اور میلیبورن نے متفق اللسان ہو کر اس کا اعزاز و اکرام کیا۔

اس کے بعد سات سال اس نے گوشہ نشینی اور خلوت گزینی میں گزارے۔ ۱۸۵۷ء میں گریٹویل نے ایک خط لکھا کہ۔

کئی کئی سال سے وہ دنیا سے بالکل بے تعلق زندگی بسر کر رہا ہے۔ وہ دانا لاما میں آتا ہے اور بار بار تقریر کرنے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے، لیکن تقریر کبھی نہیں کرتا۔ وہ دیباچہ میں جاتا ہے اور ایک کونے میں بیٹھ جاتا ہے اور جو لوگ اسے جلتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ اس وقت اتنی ہی زندہ دلی اور اتنے ہی جوش سے گفتگو کرتا ہے، بیسی کہ جیدہ کیا کرتا تھا، اور اس کی باتوں میں وہی صفائی اور وہی بے مثل طراری ہوتی ہے، جس میں وہ ہمیشہ مشہور رہا ہے۔

وہ خود ظریف تھا، اس لئے اس کی محفل میں ظرافت کی پھلڑیاں چھٹا کرتی تھیں۔ اس کے نائب السلطنتی کا ایک مصاحب ایک دلچسپ قصہ بیان کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ متوفی لارڈ البرمارل جو اس وقت نوکیر تان کیپٹل تھا، اس کا ایڈ۔ ڈی کانگ تھا جب وہ ہندوستان سے یورپ واپس آیا تو اس نے اپنی سیاحت کے متعلق ایک لاد آب بتی کہانی، لکھی یہ کہانی طبع ہوئی اور اس کے طبع ہونے کے بعد ہی ایک روز نائب السلطنت کے دست خوان پر بیٹھا ہوا تھا اور لارڈ پلنکٹ بھی وہاں موجود تھا۔ لارڈ ویلزلی نے لارڈ پلنکٹ سے کہا لایڈنگٹ، اچھا یہ تو بتاؤ کہ لاد آب بتی لاکے معنی تم کیا سمجھتے؟ داروغہ بیت المال نے کہا جناب اصطلاح قانون میں تو اس کے

لے گریٹویل میائرز جلد سوم ص ۱۳۱ اس بات میں دارالامرا میں انہوں نے جو توضیح کی اس سے کچھ مطلب ہی نہیں نکلا۔ مگر گو مجھے لکھتے ہیں کہ لایڈ بات خلاف فطرت نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی زبردست قابلیت اور اعلیٰ شہرت کے باعث لارڈ جمیرسن کے عہدے کو اپنی ذلت سمجھا ہو، لیکن خیال غالب یہ ہے کہ اوپر کچھ معاملہ بھی ضرور تھا۔

لے گریٹویل میائرز جلد سوم ص ۱۳۱

معنی کچھ اور ہی لیے جاتے ہیں۔ آپ جی اُسے کہتے ہیں جو سرے سے اپنے اوپر ہی نہ گوری ہو، بلکہ محض خیالی ہو۔

ویلزی کی پہلی بیوی کا سال ۱۸۷۱ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ اکتوبر ۱۸۷۲ء میں اس نے مسز پٹرسن سے شادی کر لی۔ یہ عورت ایک خوبصورت اور سنگم طرز امریکن عورت تھی۔ ڈیجز آف لیڈز اور لیڈی اسٹیفورڈ کی بہن تھی۔ دونوں شادی کے بعد بہت خوش و خرم رہے۔ اپنی کتاب پر میٹھی اسی ایٹ ریلی کی رابی (جولائی ۱۸۷۲ء) میں مزین بہ طبع ہوئی تھی، کا ایک نسخہ اس نے اپنی بیوی کو تحفے میں دیا۔ اور اس میں ڈرائنگ کے چند اشعار لکھے جن کا مفہوم درج ذیل ہے۔

ان کی زندگی کا ہر دن ”دن عید اور رات شب بارات“ کی طرح گزرا ان کے عیش و آرام میں کوئی چیز ناگوار اور تلخ نفل نہ ہوئی، ان میں کبھی بخشش یا چشمک پیدا نہ ہوئی، باہمی صدق و صدا نے وہ لطف، الہی الفت و محبت پیدا کر دی جس میں کبھی شہر برابر فرق نہ آیا جو

شام زندگی کننگسٹن ہاؤس، برامپٹن میں گزری۔ اس زمانے میں ویلزی کا یاروفا اشعار لارڈ بروم تھا۔ اس سے ویلزی کو سچی محبت تھی۔ ہر سفتے دونوں میں یونانی زبان میں ظرافت آمیز اشعار کا تبادلہ ہوا کرتا تھا۔ بروم نے ۱۸۷۳ء میں اپنی تقریریں شائع کیں۔ اور انھیں اپنے مفرد دوست کے نام معنون کیا۔ اس میں اس نے لکھا کہ۔

یہ تقاریر معنون ہیں اس فرد پر کے نام، جو اپنے تدبیر اور سیاست کے لحاظ سے ان کا حقیقی طور پر مستحق ہے، اور یادگار ہیں انگلستان کی اس نادار قبائلی کے کہ جس نے ایسے فرزند ہر اور ہونہار اور ظلم و ستم ملک میں ایسے باکمال اور ہوشیار کو اپنی خدمت سے آزاد کر رکھا ہے۔

ویلزی نے تھیل و تدقیق علم میں کسی حالت میں کوتاہی نہیں کی۔ عمر کے آخری سال میں اُس نے اپنی لاطینی اور انگریزی نظموں کو جو اس نے مختلف اوقات میں کہیں شائع کیا،

نظموں کے مجموعے کا نام پریمیٹی اسی ایٹ ریلی کی اسی رکھا اس کا کلام شوخی اور نیکینی میں ڈوبا ہوا ہے۔ اسے خصوصیت میں اس کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ اس کے اشعار میں جا بجا حقیقی جذبات کی بھی چاشنی پائی جاتی ہے۔ اس کتاب میں گریویل کا واقعہ

بھی درج ہے، جس میں لکھا گیا ہے کہ وہ اپنی تقاریر بار بار زبانی پڑھتا تھا جو اس نے کبھی نہیں کیں۔ بہت عرصے سے پہلے پٹ نے یہ رائے زنی کی تھی کہ وہ مضمون لکھنے میں غیر معمولی طور پر سست تھا۔ اور اس کی تیاری میں حد درجہ دقیقہ نظر ہی اور مشکل پسندی سے کام لیتا تھا۔ لیکن اس وقت ان میں سے ایک بات بھی اس میں نہیں رہی تھی۔ اگر اس آخری دور حیات میں وہ دارالامرا میں جاتا تو اس کا استقبال نہرہائے مسرت اور شادمانی سے کیا جاتا۔ لیکن وہ سیاسیات سے دست کش ہو چکا تھا اور اپنی جانشینی کو پہل کے حوالے کر دیتا تھا۔

ستمبر ۱۸۳۲ء میں مسٹر منٹگمری مارٹن نے مارکوئیس سے درخواست کی کہ اس کی ہندوستانی مراسلات شائع کرنے کی اجازت دی جائے۔ ایک سال کے بعد یہ مراسلات زیر طبع سے آراستہ ہو گئے اور ان کو ملک معظم کے نام نامی سے معنون کیا گیا۔ چوتھی جلد کے دیباچے میں لکھا ہے:-

کتاب ہذا کے مدیر کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ ان جذبات کا ذکر کرے جو اس کے دل میں واجب الاحترام امیر کے اعتماد کے باعث موجزن ہیں۔ امیر موصوف کی دانا و فرزانہ حلیم و دردمند اور وطن پرست حکومت کے کارناموں کو صاف صاف طور پر دنیا کو دکھانے کی خواہش خاکسار کے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ ایسے سچے قومی کام کو اتمام کو پہنچانے کی غرض سے کسی طرح بھی قلمی امداد دینی، خواہ وہ کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو، خاکسار کے لیے ہمیشہ سرچشمہ امتنان و مسرت بنی رہے گی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ناظموں کے لئے اب موقع نکل آیا تھا کہ وہ تلافی مافات کریں۔ لیڈن ہال اسٹریٹ کے ارباب بست و کشاد کو عقل و فراست آگئی تھی، اس امر کا اب سب نے اعتراف کر لیا تھا کہ ویلزلی کی بدولت انگلستان نے ہندوستان میں ایک سلطنت قائم کر دی ہے۔ ناظموں نے اس کی مراسلات کے متعدد نسخے جو کتاب کی صورت میں طبع ہو چکے تھے، ہندوستان میں تقسیم کرنے کے لئے خریدے۔ خط و کتابت جو اب مارکوئیس اور ڈاکٹروں کے درمیان ہوئی، اس میں ناظموں نے اس کے کارناموں کو سراہا، اور یقین دلایا کہ "مراسلات کی اتنے ہی جوش کے ساتھ اشاعت کی گئی، جتنے جوش کے ساتھ وہ لکھی گئی تھیں۔ یعنی وہ جوش جو ہندوستان کی

فلاح و بہبود، اور دولت برطانیہ کی عزت اور فوائد پر قرار رکھنے کی خاطر ظاہر کیا گیا تھا اور
 ناظموں نے تحسین و آفرین پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ جب انھوں نے سنا کہ ویلزلی کی
 مالی حالت اچھی نہیں ہے تو ان کی مجلس نے بیس ہزار پونڈ (تین لاکھ روپے، ویلزلی
 کی نذر کیے۔ مارچ ۱۸۴۱ء میں انھوں نے فیصلہ کیا کہ انڈیا ہوس میں اس کا ایک سنگ مرمر
 کا بیت نصب کیا جائے اور وہ "ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکرگزاری اور ستائش کی مستقل
 نمایاں اور پبلک یادگار ہو" اس نے ناظموں کے خط کا جس انداز سے جواب دیا
 اس میں اس کی قدیم شان و شوکت اور فصاحت و بلاغت نظر آتی ہے۔ کہتا ہے۔

آپ کا عنایت نامہ پڑھنے کے بعد جب سے پہلا جذبہ جو میرے دل میں پیدا ہوا، وہ یہ تھا کہ
 میں نے رتبہ عظیم کی درگاہ میں اس امر کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے میری عمر کو انسانی فطرت کے معمولی
 حدود سے زیادہ دراز کیا۔ تاکہ میں ایسے اعزاز و اکرام کو اپنے ہاتھوں سے لوں، جس کی پانچ
 میں اگر کوئی نظیر ہے تو شاید دوناور ہی ہے۔ کاش کہ یہ میری یادگار جس کے ذریعے آپ میری
 خدمات کو سر بلند اور ممتاز کر رہے ہیں، آپ کے خیال کو اس مدد کی طرف مبذول کرے
 جہاں سے ان خدمات کا احساس پیدا ہوا اور جس انجام کی طرف وہ محسوسات مرکوز کر دیئے گئے۔

اور کاش کہ یہ باتیں خلق اللہ کی خیر خواہی کے اصول اور امن عامہ کے قائم رکھنے کے فوائد آپ
 کے دل میں راسخ کر دیں اور آپ کے ذہن میں سچی اور انصافانہ حکومت کی صحیح عزت بٹھائی ہو
 پیام اصل کو لیک کہنے سے پہلے دو نوں بھائیوں میں ملاپ ہو گیا تھا۔ ۱۸۳۸ء میں
 ڈیوک آف ویلنگٹن اپنے بھائی سے ملنے کے لیے آیا۔ اس واقعے سے دو نوں کی مجلسیں
 جاتی رہیں، دل کا میل صاف ہو گیا۔ بڑے بھائی کی چھوٹے بھائی سے محبت کی حد ہا آڑا نشیں
 ہو چکی تھیں۔ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کی خدمات کی ابتداء دل و جان سے
 حفاظت اور حمایت کی تھی، اور اُسے اس قسم کے موقع دیئے تھے کہ اگر وہ زیر سر آتے
 تو اس کے قوائے جسمانی و دماغی کا آشکار عالم ہونا ناممکن ہوتا۔ ویلنگٹن بھی مخالف آرا
 ہونے کے باوجود اپنے بھائی کی عظمت و دانائی کا دل سے مداح تھا۔ وہ کہتا تھا
 زندگی میں جتنے مجھے اعزاز و اکرام نصیب ہوئے اُن موقعوں پر میں نے کبھی یہ عزت
 فراموش نہیں کی میں لارڈ ویلزلی کا بھائی ہوں۔

ویلزلی ۲۶ ستمبر ۱۸۴۲ء کو ۸۲ سال کی عمر میں مر گیا وصیت کے بموجب وہ اٹن میں

دفن کیا گیا۔ اس قدیم درسگاہ کا وہ چمپن سے ہی جاں نثار بیعت تھا۔ ہندوستان میں جب کہ اسکی فتح اور کامرانی کا جھنڈا لہرایا تھا تو اس کا دل ٹھڑی ٹھڑی اپنے دونوں بیٹوں کی اور ان کے ساتھ ایٹن کی یاد سے جہاں وہ تعلیم پڑے تھے بیتاب ہو جاتا تھا۔ اور اس نے اپنی پرمیٹی اسی ریلگی اسی میں بار بار اس رفیع المنزلت کالج کی توصیف و ثنا کی ہے۔ اس کے دو بھائی بھائی، جن میں سے ایک قابل سیاست دان اور دوسرا جری سپاہی تھا، جو اس کی نگرانی اور تعلیم کی بدولت ان درجوں کو پہنچے، اور جن کی خاطر اس نے ایسے غیر مستحق طعنے مٹنے سے تھے، مرحوم کے جنازے کے ساتھ گئے اور اسے سپرد خاک کرائے۔

ایسے موقع پر کسی شبہ کا ظاہر کرنا کس قدر دروناک واقعہ ہے، جہاں قول قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہو، اور واقعہ اس قدر صحت سے بیان کیا گیا ہو۔ سر ولیم فریئر نے اپنی کتاب موسومہ ”ویلنگٹن کے متعلق چند الفاظ“ میں جو شائع ہونے والی تھی بیان کیا کہ ڈیوک کو اس کی وفات کی خبر بذریعہ خط پہنچی۔ لیکن لارڈ اسٹین ہوپ نے ”ڈیوک آف ویلنگٹن سے گفتگو کرنے کے متعلق چند یادداشتوں“ میں لکھا ہے، جو اس وقت و امر میں مقیم تھے کہ ڈیوک نے خود لندن سے و امر آ کر یہ خبر سنائی تھی۔

نویں فصل

مدار الہام اعظم۔ اس کی شہرت، اس کے کارنامے

سٹرٹارنس نے اس جلیل القدر مدبر کو جس کی سوانح عمری اس نے مکمل جوش و سرور سے لکھی، مدار الہام اعظم کا خطاب یہ خطاب اس پر خوب صادق آتا ہے جس خط ملک پر اس نے اپنے اختیارات کو استعمال کیا اور جن اصولوں پر اس نے حکومت کی، اور اس کی ذاتی سیرت جس میں انصاف، مطلق العنانی، تہذیب و شائستگی کوٹ کوٹ کے بھری گئی تھی، ایسی چیزیں تھیں کہ وہ ان جلیل القدر صوبہ داروں کی یادلوں میں تازہ کرتی تھیں، جن کے عظیم الشان کارناموں نے رومہ قدیم کی طرف سے مشرق و مغرب کی اقوام پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ جب اس کا اس کے ہم عصر مشاہیر سے جو

نہایت مشہور رجال سیاست تھے موازنہ کیا جاتا ہے، تو وہ ایک دوسرے ہی آسمان پر نظر آتا ہے، جو ان لوگوں کی دنیا کا نہیں معلوم ہوتا۔ ادنیٰ سازشوں کی تفصیلات، ٹوری اور وہاب فریق کی پالیسی کی تنگ نظریاں، ان سب سے وہ باہر ہے۔ اس کو اس سے کیا غرض کہ کون چیچ یا بشب مقرر ہوتا ہے۔ اس کا کام تو بڑی بڑی مہمات کا سر کرنا تھا۔ ہم خواہ کتنے ہی زور لگا کے اس کی کامیابیوں کو صرف بحیثیت تاجر ہی کیوں نہ دیکھیں، اس کے مقاصد کی پاکیزگی اور وقعت سے انکار ناممکن ہے۔ باوجودیکہ خود ویلزی کے زمانے میں بہت سے اس سے کمتر لوگ جاہ و منصب کی دوڑ میں اس سے آگے نکل گئے، لیکن وہ ہمیشہ اس صدی کے شاہسیر کی صفِ اول میں نظر آئے گا۔ اور جو آثار کہ وہ اپنی قوم کی تانچ پر چھوڑ گیا۔ وہ قیامت تک باقی رہیں گے۔

ہم اس کی سیرت کا اندازہ نہیں کر سکتے، ہم اس کے جوہر کو نہیں پرکھ سکتے، جب تک کہ ہم نہ جان لیں کہ وہ کس وضع قطع کا آدمی تھا، مسٹر پیرس جو اس کا سب سے پہلا سوانح نگار ہے کہتا ہے:-

اس کا تہ چھوٹا سا تھا، لیکن بدن سڈول تھا، اعضا متناسب تھے۔ اس کا چہرہ علمی شان قبول سے فرین تھا، اس کی چپاں دھال، بالکلین اور باوقار تھی۔ اس کی آواز مردانہ اور کرامت سے پاک تھی، اور جلوت میں وہ اپنے خیالات ایسی صراحت اور سلاست سے ادا کرتا تھا کہ دل براثر ہوتا تھا۔ مگر اس کی شکل و صورت کا زیادہ بڑا بیان نہیں یہ نہایت ہی مختصر ہے، جیسا کہ اس کی تصاویر اور مجسموں اور اس کے دیکھنے والوں کے بیانات سے اخذ کر سکتے ہیں جواب تک حین حیات ہیں۔

اس کا چہرہ پہرہ ایسا خوشنما تھا جسے دیکھ کر مصور بھڑک جاتے تھے اور اس کی تصویر اتارنے کو جی چاہنے لگتا تھا۔ ہاپرنے جب کوئٹا سب اعضا کے قائم رکھنے میں کمال کیا تھا، ہندوستان جانے سے پہلے اس کی ایک تصویر کھینچی۔ اور یہ تصویر جس کو بینک نے نہایت کا رہی گری سے تانبے کے پتھر پر کندہ کیا، یہ تصویریت سے نہایت شبک اور خوبصورت ہے۔ اس تصویر میں رنگ روپ صاف ہے اور اس سے جوانی چمکتی ہے۔ نیز اور کبھی ہوی آنکھیں جس کی بہوں لمبی لمبی پلوں میں سے نظر آتی ہیں۔ ہونٹوں کی

ساخت درست، لیکن وہ ذرا آگے کو بڑھ رہے ہوئے ہیں۔ اوپر کے ہونٹ پر عجیب طرح سے ذرا سا بل پڑا ہوا ہے۔ صورت میں عجیب و غریب دلکشی ہے، جس سے ہومیدا ہے کہ اس کا احساس تیز ہے اور محبت کرنے میں مشاق ہے۔ اور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شاعر ہے۔ معنی ہے اور بڑا مصنف ہے۔ لیکن نگاہ کے چوکنے پن سے انحرافی تھنوں سے، کھڑکی کھڑکی لمبوتری ناک سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس جسدِ خاکی میں ایسی بے چین روح ہے جس میں بہادری حکمرانی اور جدت طرائفی کے اوصاف پائے جاتے ہیں اور اس کے بشرے پر ایک ایسی مجموعی کیفیت برستی ہے کہ جس کے دیکھنے سے دل میں بے اختیار اس کی حرمت اور غرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے طور اطوار ایسے تھے کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ فرماں برداری اور اطاعت کا متوقع ہے لیکن ساتھ ہی خود بھروسے کے قابل ہے اور دوسروں پر بھروسہ کرتا ہے۔

بعد میں رابرٹ ہوم، جو اس کا ٹیلنڈ کا رہنے والا تھا، کلکتہ گیا۔ وہاں اس نے بہت سے گورے سویٹینوں اور کالے نوابوں کی تصویریں اتاریں۔ مہندا گورجنرل کی بھی سرکاری پوشاک میں، سینے پر سینٹ پیٹرک کا تمغہ لگے ہوئے تصویر کھینچی۔ ۱۸۷۸ء میں، میٹھ نے اسے کندہ کیا۔ ۱۸۷۸ء میں رابرٹسن نے گارڈ کے خلعت میں اس کی ایک اور تصویر اتاری۔ یہ نمائشی تصویر قدامت ہے، جس میں متوسط عمر کا ایک آدمی نظر آتا ہے، جس کے سر پر بال بالکے ہیں اور ان میں سفیدی جھلک رہی ہے۔ لیکن آدمی معلوم ہوتا ہے بھاری بھرکم، اور شاہی ٹھٹھا کا، اور تزک و احتشام نمود و نمائش کا شوقین۔ اس کی تمام تصویروں میں سب سے زیادہ مشہور و معروف وہ ہے، جو متعدد بار کندہ و کندہ کی جا چکی ہے، اور جسے سرطاس لارنس نے اول بار کھینچی تھا۔ لیکن اس تصویر میں وہ رس نہیں ہے جو اس استاد کی دیگر تصاویر میں بالعموم پایا جاتا ہے۔ اس میں مارکونیس کا تقریباً سامنے سے پورا چہرہ اتارا گیا ہے صبح کا لباس زیب تن ہے۔ اور جارج کا تمغہ اس کے سینے پر لٹکا ہوا ہے۔ آنکھیں اور پٹلیں خاص طور پر روشن، اور صاف ہیں۔ گو یہ تصویر مجموعی طور سے خوبصورت تو ہے مگر زبان سے نہیں بول رہی۔ اس کا صاف اور چمکا چہرہ معلوم ہوتا ہے

کسی شاعر کا ہے یا کسی قدیم خاندان کے سردار کا۔ مگر اس چہرے سے یہ بات نہیں پائی جاتی کہ وہ کسی خلقی حکمران کا چہرہ ہے۔ کہتے ہیں اس کی ایک اور تصویر آرٹسٹ چرچ کالج آکسفورڈ کے ہال میں اسی استاد کی کھینچی ہوئی لٹکی ہوئی ہے۔ اس میں بھی مارکوئیس کی تصویر قیادوم ہے۔ گارٹر خلوت بدن پر ہے لیکن صورت خشک اور بے فیض ہے۔ اسٹین کے کتب خانے میں بھی دو چھوٹی چھوٹی تصویریں ہیں۔ کاؤنٹ ڈی آرسی نے جس کی عاشق مزاجی سے ویلزی کو ایک گونہ نسبت ہے۔ مؤخر الذکر کی عمر کے آخری سال میں بڑی واضح تصویر کھینچی تھی۔ اس میں وہ بڑھاو نظر آتا ہے لیکن بیاسی سال کا نہیں معلوم ہوتا جس عمر کو اس نے ایسی آسانی سے گذار دیا تھا۔ سر پر جو بال رہ گئے تھے وہ اب سفید براق ہیں۔ لیکن گھنڈا ہلکیں شب و بجور کے مانند سیاہ ہیں۔ منہ کے نقشے میں ٹھوڑی جوتھرہ بڑی تھی اتنی بڑی اتری ہے جو کسی تصویر میں بھی نہیں ہے، علی ہذا ناک بھی ایسی لمبی چوڑی ہے کہ وہ آرن ڈیوک کی ناک سے زیادہ مشابہ ہوگئی ہے۔

بایں بہرے پتلے پتلے ہونٹوں پر ہنسنے لطف دے رہا ہے، اور نگاہ تیز اور قائم ہے اور اس میں ایک شان دل کشی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دم واپس تک اس کی نگاہ دھندلی نہیں ہوتی تھی۔ اور نہ اس کی قوت میں فرق پیدا ہوا تھا جو

کلکتہ میں انگریزوں نے اس کا ایک سنگ مرمر کا بت نصب کیا جسے بعد میں گورنمنٹ ہاؤس کے اس ہال میں رکھ دیا گیا جو خود اس نے بنوایا تھا۔ اس کے دوسرے پورے بتوں اور ایک نصف بت میں جسے نوے کنس نے تراشا تھا، عمدہ تصاویر کا حسن مفقود ہے، لیکن ہر ایک میں اس کی گڑھی موٹی آنکھیں اور مڑھائی گھنڈا ہلکیں کیاں نظر آتی ہیں۔ تصویروں میں سے ایک میں بھی وہ نزاکت نہیں پائی جاتی جس کی نسبت اس کے تمام ہم عصر کیزباں ہیں۔ جب وہ نوجوان تھا تو اس کی صحت اچھی نہ تھی اور اپنی تندرستی کی اس کو لامحالہ بڑی حفاظت کرنی پڑتی تھی۔ لیکن بیاسی سال کی عمر میں وہ توانا اور تندرست تھا۔ چنانچہ اس کے بھتیجے گیرالڈ نے بھی لارڈ اسٹین ہوپ سے اس کی وفات سے چند ماہ پہلے ہی یہ بیان کیا تھا یہ بات اس لیے اور زیادہ تعجب خیز تھی کہ اکتالیس برس کی عمر میں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی صحت بالکل خراب ہوگئی ہے، لیکن بڑھا پے میں وہ حدود درجہ چاق چوبند تھا۔ اس کا بھائی ہنری کہتا ہے کہ جب وہ

ہندوستان روانہ ہوا ہے تو وہ بیمار اور کمزور تھا اور اس امید سے اس نے واپسی کا تہیہ کر لیا تھا، لیکن اس کو سمجھا بجھا کے اس ارادے سے باز رکھا گیا۔ مشرق میں آتے ہی اس کے جان میں جان آگئی اور یوں فیوگاس کی تندرستی بڑھتی گئی۔ ۱۷۹۹ء میں اس نے لارڈ کلنڈ کو لکھا کہ ”میری صحت انگلستان کے مقابلے میں یہاں پر اس تمام زمانے میں بہت اچھی رہی ہے اور کام کی مختلف نوعیت اور زیادتی میری طبیعت کی پیرمردگی کے لئے مفید ثابت ہوئی ہے۔ بائیں ہمد اس کے خطوط میں کبھی کبھی بیماری کا ذکر ہے جو اسے اُن اوقات میں خصوصاً ستاتی تھی جب طبیعت پر افکار اور ترددات کا ہجوم ہو جاتا تھا، لیکن بیماری کبھی کام کو قابو میں رکھنے اور مشکلات کو زیر کرنے میں اس کے مانع نہ ہوئی۔ اس کا جسم حقیقت بہت سے بڑے آدمیوں کے مانند اتنا توانا اور قوی نہ تھا کہ وہ اس کے ساتھ لاپرواہی یا بے احتیاطی برت سکتا، یا سخت جسمانی کوفت اٹھا سکتا، گو سخت سے سخت دماغی محنت کی برداشت کر سکتا تھا، لیکن وہ ایک چلبلی اور بے چین طبیعت کا خادم تھا، آقا نہ تھا۔ ایک دفعہ اس نے اپنے کام کی نسبت لکھا کہ ”وہ بہت مشکل ہے“ لیکن بات یہ ہے کہ آجکل مشکلات تو ہمارا اور معنا اور بچو نہا ہے، اور سچ پوچھئے تو مشکلات بجائے کمزور کرنے کے مجھے فربہ کر دیتی ہیں۔“

ویلزلی کی جسمانی قوت کی کمی کا طبیعت کی زندہ دلی سے بدل ہو گیا تھا۔ بڑی نکتہ داس اور لطیفہ سنج طبیعت پائی تھی۔ مبدئ فیاض نے مذاق تو اس میں کوٹ کوٹ کے بھرا تھا۔ محفل میں وہ ستارے کی طرح چمکتا تھا، کیا ہالوڈ اور کوہ پٹی میں، اور کیا واما اور بسلڈن غرض ہر جگہ یا لائن طریقت کی محفل میں اس کی دھوم تھی۔ اور آخری زمانے میں تو لندن کی نصف ماہوشیں اس کے قدموں کے ساتھ تھیں۔ بولنے میں اچھے سے اچھا شیریں مقال اس کے سامنے نہ ٹھیرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ میڈم ڈی ٹیل سے جب لینڈاؤن ہاؤس میں اس کی ملاقات ہوئی، تو وہ بھی اس کا لوہا مان گئی۔ اس کے ظریفانہ چٹکلے بے حد ہر اے جاتے تھے، اور اس کے دوست اپنی باتوں میں انھیں استعمال کرتے تھے بڑے

علم ادب پر دل و جان سے ذلیفہ تھا۔ اُس نے اپنی طرز تحریر بعینہ ادبیات قدیم کے سانچے میں ڈھالی تھی۔ لارڈ بروم کہتا ہے کہ دیکھا تھیں کی نویت کو وہ تسلیم کرتا تھا،

لیکن اس کے مقابلے میں سسرور سے جو محبت اس کے دل میں جاگزیں تھی، وہ مجھ نہیں
 کیجا سکتی تھی۔ خود نما عالموں میں اس کے عالم ہونے کی بڑی شہرت تھی۔ بڑا جید عالم مانا جاتا
 تھا۔ مدرسے کے استادوں کو انھی ہتیاروں سے شکست دیا کرتا تھا اور حتیٰ تو
 یہ ہے کہ وہ بھی اس کی بے حد توقیر کیا کرتے تھے۔ ورنہ یہ گروہ تو ایسا خود پسند ہے
 کہ خطاب یافتہ شعراء کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ جتنی ادبیات قدیم ہیں اس کی نظر عتیق
 تھی اسی قدر ادبیات جدید میں بھی تھی وہ اپنے خطوط میں تو اکثر اور کبھی کبھی مراسلات
 میں بھی کوئی نہ کوئی شکسپیر کا فقرہ ایسی برکتی اور صفائی سے لکھ جاتا ہے کہ سننے والا لوٹ
 ہو جائے۔ اس کے کتب خانے کی وہ فہرست جو کتابیں نیلام ہونے کے وقت مرتب
 ہوئی تھی، ظاہر کرتی تھی کہ اطالوی شعراء کے کلام کا اس کو کس قدر شغف تھا۔ ڈانٹی
 کو وہ اتنا جانتا اور سمجھتا تھا کہ اس زمانے میں شاید ہی کوئی شخص اسے اتنا سمجھتا ہو۔
 لارڈ اسٹین ہو پ نے و امریں ۱۸۲۹ء کے ایک دعوت کا واقعہ لکھا ہے، اس وقت
 مہر اعظم کی عمر اسی سال کی تھی۔

لیڈی برگرش نے مجھے کہا کہ حال ہی میں جب وہ لارڈ ویلزلی سے ملنے گئی، تو اس نے اس کی
 مین پر سرجو سوارہ نیلا لٹکی تصور ہو گونو کی ایک جھپی ہوئی کاپی دیکھی۔ اس کی بابت
 باتیں ہونے لگیں، اور لارڈ ویلزلی نے ڈانٹی کے بہت سے اشعار اس کے متعلق
 دہرائے۔ لیڈی برگرش نے اس کے حافظہ پر اظہار تعجب کیا۔ اس کے جواب میں اس نے کہا
 اگر میں حافظہ پر زور ڈالوں تو اس باب کے تقریباً تمام شعر سننا جاؤں، اور اس نے جب کوئش
 کی تو پچاس سے اوپر اشعار سنا دیئے۔ لیڈی برگرش نے اس کے علاوہ کہا کہ مجھے اس
 بات پر بھی بڑا تعجب آیا کہ اس کا تلفظ نہایت صاف و قدیم اطالوی تھا، اور یہ یقینی ہے کہ
 اس معاملے میں لیڈی برگرش کا ساکل نقاد اور ماہر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس پر میں نے کہا
 کہ ان خوبیوں کو جو چیز وہ بالاکرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اس زبان کو کسی کا رو بار
 یا نام و نہاد کے باعث حاصل نہیں کیا اس لیے کہ اسے نہ تو کبھی کوئی اطالوی سفارت ہی
 ملی، اور نہ کسی اطالوی مہم جی میں نامہ و پیام اس کے سپرد کیا گیا، بلکہ علم ادب کے شوق
 ہی سے اس نے یہ کمال حاصل کیا۔

لاڈلہ ٹریفورڈ وی رید گلف کہتا ہے کہ اس کی خلوت گزینی کے زمانے میں وہ ایک روز اس سے ملنے گیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے باغ میں ٹہلنے اور سیاسیات پر گفتگو کرنے لگا۔ اس نے بیان کیا، کہ اس کی تقریر میں مجھے گونا گوں لذت اور کیفیت حاصل ہوتی رہی ہے۔ کبھی تو وہ زبردست تدبیر نظر آتا تھا، کبھی وہ بالکل مقرر اور اس کی ظرافتِ علیت، اور گزشتہ واقعات کی یادداشت کے تو کیا کہنے ہیں؟

سہ والہ اسکاٹ جوتوت گفتگو کا بڑا نکتہ میں نقاد تھا۔ ۱۸۲۵ء میں اُن کے متعلق لکھتا ہے کہ "مارکویس کی گفتگو نے اس قسم کے مدبر کا میرے ذہن میں گمان پیدا کیا، جس کی توقع رومنہ الکبریٰ کے شہنشاہ سے کی جاسکتی ہے" "جو اپنی نظر کے سامنے تمام دنیا کو رکھ کر باتیں کرنے کے عادی تھے، اور جنہوں نے میسیناس سے وزراء اور ہولریس سے ظریف فرزاند کی صحبتوں سے فیض اٹھایا تھا۔"

ہندوستانی سولینوں کی تعلیمی ترقی کے متعلق اس کی تجاویز اس کے مطالعے کی بہت کی ہیں۔ دلیل ہیں۔ باوجودیکہ اس کی بنیادیں مغرب کی قدیم ادبیات کے علم پر مبنی تھیں، لیکن اس کے اوپر تجارت بالکل جدا گانہ سالے سے تعمیر ہونے والی تھی۔ اپنے جلیل القدر پیشرو وارن ہیسٹنگز کی مثل اس نے عظیم الشان مشرقی ادبیات کے محاسن اور اُن کی بے مثل حیثیت کو تسلیم کیا۔ اس نے آفرونگال کے عالموں کی ہمت بڑھائی اور سرپرستی کی، اور اس کی قدردانی کے باعث اس کے ہم ملکوں نے اپنی قابلیت کو مشرقی علوم و فنون کی تحصیل میں لگانا شروع کیا۔ ذاتی سیرت کے اعتبار سے ویلزلی ان خطاؤں سے متہم نہیں ہو سکتا، جن کا ارتکاب کینی طبیعتیں کیا کرتی ہیں۔ وہ بلاشبہ مغرور تھا، لیکن اس کا غرور کوتاہ نظری سے نہیں بلکہ بلند نظری کے ساتھ تھا۔ میکالے نے ویلنگٹن اور ویلزلی کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک دفعہ کہا ہے کہ "دنیا میں دو بھائی ایسی مختلف طبیعت کے کبھی نہ ہوئے ہوں گے؟" راجرز نے بھی ان دونوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ نتائج ان کا بظاہر عجیب و غریب متضاد مقابلہ پیش کرتی ہے۔ "ایک تو نمائش سے حد درجہ متفرق تھا، اور دوسرا کی زندگی ہی اس پر قائم تھی" یہ تو بے باکانہ اور ایسا کہ غیر ذمہ دار ہونے والے اکثر دیکر سنیں، لیکن سطحی طور پر اس میں کچھ سچائی بھی معلوم ہوتی ہے۔

لیکن بات یہ ہے کہ ویلزلی نمائش کو نمائش کی خاطر نہیں پسند کرتا تھا بلکہ اس کو ظاہر اہلانت سمجھتا تھا اس منصب کی جو اس کو تفویض کیا گیا تھا۔ اس کا لباس اسکا سچ دھج اور انداز، اس کے درباری مراسم، اس کی جلوت و خلوت، اور نمائشیں اور فضول خرچیاں، سب جزو شخص اس کے اس تخیل کی جیسے وہ مشرق میں ایک برطانوی حاکم یا سیلٹ قوم میں ایک وائسرائے کے لیے لوازمات میں سمجھتا تھا۔ وہ سرکاری رسومات اور تقریبات سے ہمیشہ وابستہ رہتا تھا۔ اس کو وہ جانتا تھا کہ اگر وہ ان رسوم کو پورا کرے گا تو ان کی تمام قدر قیمت جاتی رہے گی۔ یہ چیز انگریزی فطرت کے خلاف تھی اور انگریز اس کا مضحکہ اڑاتے تھے جس طرح شہر یڈن اس کی چال ڈھال اور حرکات و سکنات کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ بات یہ ہے کہ انگریز بھی دھوم دھھام کے شائق تو بہت ہیں اور اس معاملے میں ویسے صغیر دہر پر کسی قوم سے کم بھی نہیں ہیں لیکن وہ ان باتوں کو ترتیب و اسلوب سے کرنا پسند نہیں کرتے۔ دنیا کے تمام مناظر میں انگریزی جلوس سب سے زیادہ قدمہ انگیز ہوتا ہے، لیکن کوئی نمائش یا جلوس بلا اسلوب کیا جائے تو ویلزلی اسے قابل نفرت بے ضابطگی سمجھتا تھا۔ اسے لوگوں کے دلوں پر اپنی دھاک بٹھانے میں بڑا مڑا آتا تھا، اور وہ جانتا تھا کہ دھاک کس طرح بٹھائی جاتی ہے۔ اس کے نزدیک شان و شوکت اور ظاہر اسلوب زندگی وجہ حیات تھے پڑ

وہ اب بھی انگلستان کے انقلاب کے قبل کے آداب و رسوم کا پابند اور دلدادہ تھا۔ کوآرٹری ریویو کے ایک دلچسپ مضمون میں ایک نامہ نگار نے بیان کیا ہے کہ وزارت کے روبرو وہ کسی قانون کی توضیح کر رہا تھا، لارڈ ویسٹ مور لینڈ امریکن میں اپنی کرسی کی پشت سے لگا کے ذرا لیٹ گیا اور اپنے میلے پوٹ کو نسل کی میز پر رکھ دیئے یہ دیکھ کر ویلزلی کو تاب نہ رہی۔ وہ ذرا ٹھہرا اور کہا، کہ سر جیمس سیکنڈاش نے کہا کہ ویلزلی رسم و آئین میں اتنا جکڑا ہوا تھا کہ اس کو "انگریزی سلطان" کہنا ہے جانہ ہو گا۔ کلکتہ اور پھر بیرک پور میں اس کی دعوتیں اور جہان داریاں اور طویل تماشے بہت سے پرانے ہندوستانی اخباروں میں مرقوم ہیں۔ گورنمنٹ ہاؤس میں صلح ایماں کی خوشی جس دھوم دھھام سے منائی گئی تھی، اسے مسٹر پیرس اس قابل سمجھا کہ اس کی طویل طویل تفصیل دی جائے۔ اور لارڈ ویلنٹینا نے جو ویلزلی سے ہندوستان ملنے کیا تھا، اس کی کوٹھی

کا نقشہ رنگین الفاظ میں کھینچا ہے۔ وہ کہتا ہے :-

اس کی کوٹھی کا محل وقوع اتنی عمدہ جگہ ہے کہ میں نے ایسی جگہ آج تک نہیں دیکھی۔ دریائے ہنگلی کی سطح سے یہ موقع بہت کچھ اونچا ہے، اور اس کے ایک وسیع قطعہ زمین پر وہ واقع ہے۔ اس کے دونوں طرف مندر، گائوں اور اونچے اونچے درختوں کے جھنڈ ہیں۔ دریا کا پانی بھی کلکتہ کے مقابلے میں صاف ہے اور اس کو سرکاری بھرے اور گورنر جنرل کی ایک مستوی ناہوں نے ڈھک رکھا ہے۔ کشتیاں سبز رنگ سے رنگی ہوئی ہیں، اور ان پر خوبصورت سنہری کام ہو رہا ہے۔ کشتی بانوں کی وردیاں سرخ انگار ہیں۔ یہ دونوں رنگ بڑی بہادری سے ہیں، اور تمام نظارے میں ایک خاص کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ کوٹھی کے چاروں طرف انگریزی وضع کا چمن ہے اور مکان یہاں کے موسمی اعتبار سے خوب ہے۔ چاروں طرف برآمدہ ہے اور

کمرے نہایت وسیع ہیں۔
گورنر جنرل سینٹ پیٹرک کے تینے اور جبرائیل لگائے ہوئے کلکتہ کے ناچوں میں سب سے ممتاز نظر آتا تھا، لارڈ ویلنشا لکھتا ہے جس نے اس قسم کے کھیل تماشاؤں کو بہت کم خود دیکھا تھا کہ بچہ

ارمنی مردوں کا کالا لباس اپنی پوٹھوئی کے اعتبار سے بھلا معلوم تھا تھا، مگر ان کی عورتیں کا قیمتی لیکن ناموزوں لباس، افسروں، ایرانیوں، نوابوں اور ہندوستانیوں کے جگمگاتے ہوا رنگ کے تماشے سے مشابہت رکھتا تھا۔

اس کی دلچسپیوں کے کروفر میں رفاہ عام کے کام، فنون لطیفہ، تعلیم و تعلم بھی داخل تھے۔ وہ صرف بذات خود ذوق فنون نہ تھا بلکہ اپنی سرکاری حیثیت کے اعتبار سے انصافاً اسے علوم کی سرپرستی کا حق حاصل تھا۔ لہذا ہم اسے دور تجدد علوم کے عظیم الشان اور روشن دماغ حکمرانوں کے مثل شہروں کی تعمیر و ترقی میں مصروف دیکھتے ہیں۔
۱۶۔ جون ۱۸۳۷ء کی ایک روکڑا میں کلکتہ کی توسیع و ترقی کے متعلق اس کی تجاویز درج ہیں۔ اس میں اس نے گندمی موریوں اور حفظ صحت کے انتظام کے تفصیل

۱۔ ماخوذ از "ڈائجسٹ" انڈیا ٹریولرز، "تاریخ اور وضعی کے سفر، از جارج ڈاکٹر ویلنشا ملہ، علامہ یہ کتاب ویلزلی کے نام سے منسوب تھی۔ دیکھو جلد اول صفحہ ۳۹۔

۲۔ ڈائجسٹ انڈیا ٹریولرز، جلد اول صفحہ ۳۷۔

کو نظام کر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "گوٹنٹ کا مندرجہ اولین یہ ہے کہ اس عظیم الشان شہر کے باشندوں کے آرام و آسائش، صحت و سلامتی کی پوری پوری نگہداشت کرنے کے لیے سڑکوں، کوچوں، گندی سڑکیوں اور برساتی پانی کے نکاسوں کا ایک جامع و منضبط انتظام کرے، اور مکانات کی تعمیر اور سرکاری عمارتوں کی، شہر کے مختلف حصوں میں ضرورت کے مطابق، تقسیم کے متعلق مستقل قواعد بنادے اور ہر قسم کی تکلیف دہ حرکتوں کے لئے ضوابط قلمبند کر دئے جائیں۔"

شہر کے حسن و خوبصورتی کا باشندوں کے آرام و آسائش، صحت اور سلامتی سے ایک غیر منفک تعلق ہے، اور ہر ایسی اصلاح جو بازاروں، سڑکوں، گھاٹوں، گودیوں اور سرکاری عمارتوں اور عوام الناس کے مکانات کی منزلت اور شان کی، اسلوب و تناسب کو دوبالا کر دے۔ ضروری ہے کہ وہ آب و ہوا کو بھی صاف اور مستحضر کرے گی، اور اس طرح سے شہر کی صفائی کے ایک عمدہ ضابطے اور انتظام کے حصول کے ساتھ ہر چیز میں ترقی ہوگی۔"

ایک اور روئے میں جو ۲۶ جولائی ۱۸۰۰ء کو لکھی گئی تھی، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہندوستان کے حیوانات کے متعلق بحث کر رہا ہے۔ اس نے ڈاکٹر فرانسس بوکانن کو مقرر کیا کہ "وہ تمام ہندوستان کے صوبوں کے مشہور چوپایوں اور پرندوں کے متعلق صحیح صحیح حالات دریافت کرے، اور ہندوستان کے تمام طبی افسروں سے بھی اس موضوع پر اطلاع طلب کی۔ اس نے بیرک پور میں چڑیا خانہ قائم کیا، تاکہ بوکانن کی تحقیق و تفتیش میں اس سے مدد ملے۔ وہ لکھتا ہے۔"

ہندوستان کے حیوانات کے اس اہم شعبے کی ترقی و توضیح جو ایسے عظیم الشان مقاصد پر حاوی ہے، اور جس میں دنیا کے مخلوقات کے بڑے اجزاء شامل و داخل ہیں، ایک ایسی چیز ہے جو دولت انگلشیہ کی کپٹنی کی فرائض اور فیاضی کی مستحق ہے اور ان کا یہ کارنامہ ایک ایسی خدمت ہوگا جسے دنیا خوشی سے قبول کرے گی۔ اس میں تحقیق و تفتیش کے لیے ہمتیں بٹھانا اور سولیسٹس، ہمہ بینا ناما ایک ایسا فعل ہوگا جو اس علم کے دائرے کو وسیع کر دے گا اور بڑا نئی حکایت

لے۔ مراسلات ویلنی، جلد چہارم ص ۶۴۲۔ المیز

لے۔ مراسلات ویلنی، جلد چہارم ص ۶۴۲۔ المیز

کی ہندوستان میں موجودہ عالی حیثیت کے باعث اس پر یکام بطور فرض کے عائد ہو گیا ہے۔ ایک سال بعد اس نے ترقی زراعت کے متعلق ایک قیمتی روکھا دیکھی۔ اس میں وہ لکھتا ہے کہ اس بات سے قطع نظر کہ برطانوی حکومت کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ اپنی رعایا کی ہر ممکن ذریعہ سے حتی المقدور سود و بہبود کی فکر کرے، یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ رعایا کی خوش حالی اور دولت کی ترقی سے مالی طور پر خود بھی فائدہ ہوگا۔ چنانچہ اس نے تجویز کی کہ وہ ہر یک پور میں تجربہ کرنے کے کھیت اور نہرہ شتمل بنائیں، جہاں سیاہ رنگ کے مویشیوں کی نسل کو ترقی دیا جائے اور ساتھ میں زراعت کے متعلق زیادہ باضابطہ اصول سکھائے جائیں، اور وہاں یہ بھی طریقہ سکھایا جائے کہ اناج کم خرچ کے ساتھ کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے۔

یہ محض نمونے ہیں اس کی وسعت نظر کے۔ اس میں کلام نہیں کہ غافلہ الناس کے متعلق تمام معاملات میں اس کی خواہش یہ تھی، کہ وہ سب کے سردار اور سرپرست مانے جائیں۔ اور یہی حیثیت اس کے ولی منشا کے مطابق تھی۔ اور اس کے ادبی رنگ میں اس کا پرتو بھی نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اعلیٰ خیالات کا آدمی تھا، اور اپنے زبردست خیالات اور افکار کو مناسب الفاظ میں پیش کرتا تھا۔ میرٹھ رابرٹ لوئی اسٹیونسن نے جو بات برطانوی امیر البحرین کی نسبت بڑے فخر سے کہی ہے، وہ ویلزلی پر کسا یعنی صادق آتی ہے کہ ویلزلی نہ صرف بظاہر دھناتھما بلکہ اس کی تقریر بھی بڑی بلیغ ہوتی تھی۔ اس کی تقریروں میں ایک ایسی رفعت اور شان پائی جاتی ہے۔ جو مخصوص تقریبوں اور فوجی کانوں میں سننے میں آتی ہے، مگر اس کے الفاظ سے توصاف ظاہر ہوتا ہے، کہ وہ بہت بڑے دل کا آدمی ہے، کہ وہ عجیب قطعہ بیٹھ کے سامنے نہایت پرشکوہ الفاظ میں پوری نقل کے ساتھ ولف کے متعلق بیان کیا گیا تھا، کہ وہ کس طرح کنڈیل میں کسی کیسی عظیم الشان فتوحات حاصل کر چکا، ظاہر کرتا ہے کہ بعض اوقات بڑے بڑے آدمی بھی اترا نے آؤشمنی لکھا رہے لگتے ہیں۔ اس قسم کی باتوں سے گو ویلزلی کا اعلیٰ مذاق اسے بجائے رکھتا، لیکن انسان انسان ہی تو ہے، کہ اگر کن اعلیٰ ہونیکی حیثیت سے ویلزلی کے دل میں کچھ تو خیال ضرور ہونا چاہیے تھا۔ اسی کمزوری میں وہ علامت نظر آتی ہے جس نے اس کو اعلیٰ ترین منصب پر نہ پہنچنے دیا۔ ہمیں اس کے کارناموں کا اعتراف ہے۔ لیکن ہمیں اس بات کا خیال بھی نہیں آیا، ہم ان مشاہیر سے مقابلہ موازنہ کریں،

جنھیں انگلستان نے مشرق میں اس کے بعد بھیجا۔ ہم اسے نہ تو دلہا و زنی کا ہمہ پیشہ کرتے ہیں، نہ ہولاک اور گارٹون کا اور نہ ہم اس کو اس رعب المذلت شخص دارن ہیپسٹنڈو کی صف میں گھرا کر تسمیہ میں، جو ان سب میں بڑا تھا، اور جس کے ساتھ آخر شش اب ذرا ظہور انصاف کیا گیا۔

بہت سی باتوں میں رچرڈ ویلزی بہت شریف النفس تھا، اور اس کی سندھوتانی خدمات بلاشبہ عظیم الشان تھیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں، کہ اس کی تمام زندگی میں کس بات کی سخت کمی تھی؟ کیا یہ کوئی اخلاقی وصف تھا؟ اس کی کجی ان کی سیرت میں ملتی ہے۔ لیکن قومی تاریخ میں سیرت کا بہت کم لحاظ کیا جاتا ہے۔ اس کے معاملہ میں کسمپوش کردہ "بندہ عیش تھا"، اور ایسی سیرت میں خواہ وہ بتدیج کتنی ہی نکھر کیوں نہ جلتے، اور اس کا تزکیہ کیوں نہ ہو جائے، جیسا کہ اس کے ساتھ ہوا۔ تاہم امور عامہ پر اس کے اثر بدکارنگ کو نہایت ہلکا سہی، لیکن چرچہ ضرور جاتا ہے۔ ایک عیش پسند طبیعت ایسے موقع سے لطف اٹھائے بغیر کبھی باز نہیں رہ سکتی، جہاں انسانی افعال کی بالادور عیش و تنعم کے ہاتھوں میں ہو، یہی وہ نقص ہے، جس نے ایک ایسی روج کو جو بہت سے اعتباروں سے نہایت پاکیزہ تھی، داغ لگا دیا تھا۔ ایک اور نقص انگلستان تھا، جس نے ان جانبازوں کی ستائش و صلہ میں حصہ دار ہونے سے انکار کیا تھا۔ جنھوں نے اپنا خون جنگ میں بہایا تھا، اور پھر ایک وہ ویلزی تھا، جو پیرانہ مالی کے نرم انجمن لطف و انداز کے ساتھ ہر مہم میں کلکت چمن کرتا ہوا یاروں سے پرانے نقشہ دہرایا کرتا تھا۔ یہ تصویریں رنجیلے اور ماسکے نوکریوں کی تصویریں رائے کے مقابلہ میں کتنی خوشنما ہیں، جو ولبر فورس نے اپنے ایک خط میں لکھی، کہ اگر کسی بھی کہ "ہم سنا ہوں کہ دنیا دار لوگ بھی اس بات پر چین بچیں ہوتے ہیں کہ ایسے کمزور سیرت کے شخص کو مدارالہام سلطنت کر دیئے" ایک "انگریزی سلطان"، "انگریزی سلطان کے معنی خواہ کتنے ہی دلنواز کیوں نہ لیے جائیں، اس کا اہل نہیں کہ برطانیہ عظمیٰ پر حکومت کرے"۔

ہم نے اتنی بات ضروری سمجھا کہ اس لیے کہی کہ کہیں یہ خیال نہ کیا جائے کہ ویلزی کی سیرت اور قابلیتوں کو ہم نے حد درجہ سراپا ہے اور اس کی نسبتی کمزوریوں کو

نظر انداز کر دیا ہے۔ اور اس طرح اس کی آخری ناکامیابی کے راز کا انکشاف نہیں کیا بہت سے نہایت ہی بدتر آدمیوں نے انگلستان کی بساط سیاست پر بڑے بڑے کام کیے ہیں اور انگریز بدترین میں ان کے نام ویلنلی سے زیادہ مشہور و معروف ہیں۔ لیکن جیسا بھی کچھ تھا اس نے اپنے ہمسر امراء کے چرکوں کو تمکنت سے سہا اور حقارت کی نظر سے دیکھا، اور سلطنت کی خاطر بھی اس نے اپنی گردن کو نیچے نہ ہونے دیا۔

کو ریولینس کے مثل وہ بھی یہ کہتا تھا۔

مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں آزادی عمل کے ساتھ آپ کا خادم بنوں بمقابلہ اس کے کہ

آپ کے ساتھ لٹکا لٹکا پھروں۔

ان تمام باتوں کو پیش رکھ کر ہمیں اس بات پر تعجب نہیں کرنا چاہیے، کہ اس کے اعلیٰ اوصاف کی ابھی پوری داد نہیں دی گئی۔ جب اس کے کاغذات کی نہایت تحقیق اور ترقیق سے چھان بین ختم ہو جائیگی، اور اس کی ایک مکمل اور جامع سوانح عمری لکھی جائیگی تو ہم یقین ہے کہ وہ دنیا کے سامنے اب کے مقابلے میں کہیں زیادہ سربلند نظر آئے گا۔ اس اثنا میں ہمارے مشاہیر میں اس کے کانٹے اس کو سرفراز رکھیں گے۔ اس نے آئرلینڈ کے مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لیا، اور اس امر کی کوشش کی کہ کسی طرح اسکو حل کروں۔ معاشیات کے اصول مانچٹر سے پہلے ہی وہ آزاد تجارت کا حامی تھا۔ یہ کہنا ایک حد تک بالکل صحیح ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو نیپولین ہرگز زیر نہ کیا جاسکتا۔ شہنشاہ نیپولین نے خود اس امر کا اعتراف کیا کہ یہ ہسپانوی مدافعت ہی تھی جس نے اس کو تباہ کیا۔ اور اگر اس معاملے میں ویلنلی کا اصرار اور استقلال اپنا کام نہ کرتا تو پھر نہ تو اس مدافعت کا انتظام ہوتا اور نہ وہ عمل میں آتی، اور نہ کامیابی نصیب ہوتی۔ یہ ویلنلی ہی کی صاف نظری، غیر مغلوب استقلال، اور سادہ عزم تھا جس کے طفیل ویلنگٹن کو فوج و آلات حرب و ضرب میسر آ گئے۔ اگر یہ نہ ملتا تو فرانسیسی فوج کے مقابلے کی تاب لانا ویلنگٹن کے لئے محال تھا۔ یہ ویلنلی اور ویلنگٹن ہی تھے جنہوں نے آبنائے اسپین میں فتوحات کے جھنڈے اڑائے۔

لیکن اس کی سربلندی اور عظمت کا لاکلام ثبوت اس کی ہندوستانی نظم و نسق میں ہی نظر آتا ہے۔ جب وہ مشرق صناع عالم کی گونا گوں صنعتوں اور قدرتوں کا تماشا

دیکھتا ہو گا اور پھر لیڈن ہال کے اپنے آقاؤں کی طرف نظر دوڑاتا ہو گا تو اس کے دل میں ضرور یہ خیال گزرتا ہو گا کہ ”اس ارض صبح میں میری برطانوی سلطنت پیدا کر سکتا ہوں، اور میرے سوا کسی اور کا یہ ہوتا نہیں ہے کہ وہ اس کام کو انجام دے سکے“ ہندوستان میں جو کچھ اس نے کیا وہ ابھی تک مڑا نہیں اور نہ کبھی مٹ سکتا ہے۔ اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس کے ارباب بہت دکشاہ کی مخالفت کے باوجود ایک تجارتی کوٹھی سے بڑھا کر شاہی طاقت کے درجے پر فائز کیا؛ اس نے کمپنی کی حکومت کی عمارت کو جوائنٹوں کی بنی ہوئی تھی، سنگ مرمر کا بنا دیا۔ اس کے آنے سے پہلے انگریزی گورنر جیسا موقع پڑنا ایسی پالیسی کو استعمال کرتے تھے۔ اور یہ پالیسی اس کے بڑے بڑے مفصلوں کے ہاتھوں میں بھی محض دفعہ الوقتی کی پالیسی تھی۔ اس کے برعکس ویلزی نے وہ اصول وضع کیے جن سے انحراف کرنا اس کے ناگزیر نہیں کے لیے نا ممکن ہو گیا لیکن ان اصولوں کو توڑنے کا تجربہ بھی کیا گیا۔ کارنوالس نے آنے کے ساتھ ہی ویلزی کے دھڑے کو بالکل تلیٹ کر دیا اور نہایت مختصر مگر زوردار الفاظ میں یہ ظاہر کر دیا کہ ویلزی کی پالیسی غلط اور نکلے اصولوں پر قائم تھی، لیکن آخرش سب کو ماننا پڑا کہ ویلزی کا نظام بہترین نظام ہے۔ اور اسی کی جیت رہی ہے۔

جب وہ آیا تھا تو سرزمین ہند مختلف اقوام اور متفرق حکمرانوں کا ایک میدانِ جدال و قتال بنی ہوئی تھی، جس میں اپنے پڑوسی پر دست اندازی میں مصروف تھا۔ گورنمنٹ کی لاغری اور مرکزی حکومت کے فقدان کے باعث سوسائٹی پھر فطری حالت کی طرف عود کر رہی تھی جس کا ہا بس نے ذکر کیا ہے۔ آدمی کی زندگی اگرچہ بعض دفعہ تنہائی میں گزرتی تھی مگر اکثر اوقات وہ گندری، ظلم، انیز اور تصوراتی مدت کی لیے ہوتی تھی ویلزی نے یہاں کی قوموں کو یہ سبق پڑھادیا کہ اتحاد اور حکومت کے چشمے کہاں سے پیدا ہوتے ہیں۔ مہربان اس نے انگلستان کو بھی یہ سکھا دیا کہ اُسے اپنے ورثے کا سطح اندازہ اور اس پر کس طرح قبضہ کرنا چاہیے۔ جس ملک پر اس نے برطانوی جھنڈے کو اڑایا، وہ درحقیقت ایک وسیع اقلیم تھی، اس نے جنوب میں مسلمانوں کی ظالم اور خطرناک حکومت کو برباد کر دیا۔ اس نے او وہ کو بجائے خطرے کے اپنا پشت پناہ بنالیا۔ اور بنگال کو ہر طرف کے خارجی حملے سے آزاد کر دیا۔ اس نے سرحدوں کی

اتحادی سائرش کو اگر توڑا نہیں بیکار ضرور کر دیا۔ اس نے انگلستان کے نام کی سرحد ایرلین سے
 بحیرہ قلمزم تک تمام اقوام کے دلوں میں عزت بٹھا دی، اور اس کی شہرت کو اس طرح
 بلند کیا کہ جتنی فتوحات سے بھی ایسی شہرت حاصل نہ ہو سکتی۔ انگلستان کے حاکموں
 اس کے رسول افسروں، اس کے ججوں کو اس نے یہ بتا دیا کہ ان کی اصل قوت
 ان کی محنتوں کے کمال، انکی بریگی استواری، اور ان لوگوں کی سیرت اور علم میں نہیں
 ہے، جو ان کے سپرد کردیئے گئے ہیں۔ یہی علامت تھی اس کی عظمت اور بزرگی
 کی، اور یہی نشانِ امتیاز تھا اس کے کام کے مستقل ہونے کا کہ اسنے بھٹانیہ عظمیٰ
 کے بار ذمہ داری کا پورا احساس اور پورا اعتراف کیا۔ تجارت، سیاست، جنگ
 مذہب، ہر چیز میں ہی ایک صاف اور مجرب اصول تھا، جس پر وہ کار بند رہا۔
 وہ کہتا تھا، ہمارے ہاتھ میں اس عظیم الشان سلطنت کی قسمت ہے۔ اس کی
 آئندہ فلاح و بہبود اور اس کی نشوونما کے ہم نگران ہیں۔ اس لیے یہ انگلستان کا
 فرض ہے، کہ اسے اقوام میں سرفراز کر دے، ورنہ کلنگ کا ٹیکا ہماری پیشانی پر عیشہ
 کے لیے رہ جائیگا۔

غلطانا

صفحہ	طر	غلط	صحیح	صفحہ	طر	غلط	صحیح
۳	۳	۱۷۶۳ء	۱۷۶۳ء	۵۵	۱۲	خوفت	حفاظت
۲۵	۲۵	کواٹر کی ریویو	کواٹر کی ریویو	۵۹	۲۱	دعا دی	دعا دی
۶	۵	ٹائٹ	ٹائٹ	۶۲	۵	نظر	نظر
۱۳	۹	امداد	امداد	۶۷	۳	فنج	فنج
۸	۱۲	پھر	پھر	۷۰	۷۰	اور	اور
۲۱	۷	لاستے تھے	لاستے تھے	۷۵	۲	ٹائے	ٹائے
۲۵	۱۷	تشیف لاس میں	تشیف لاس میں	۷۱	۲۱	۱۸ اکتوبر	۸ اکتوبر
۱۸	۱۸	شکت فاش	شکت فاش	۸۸	۴	۵ سو برس	۳۵ برس
۱	۲۷	آواں	آواں	۹۰	۱۴	مغربی	مغربی
۶	۲۸	نرم دلی کی ٹے	نرم دلی کے ٹے	۹۶	۷	جاری تھی	جاری تھی
۲	۲۹	خطرے	خطرے	۱۰۱	۱۲	پینوں کے ٹے	پینوں کے سے
۱	۳۰	بالا بار	بالا بار	۱۰۷	۱۹	بطلانوی	بطلانوی
۲۳	۳۳	وز اپنے تلے الفاظ	وز اپنے تلے الفاظ	۱۱۶	۴	بے دست و پا کر رکھا تھا	بے دست و پا کر رکھا تھا
۱۵	۴۱	بالکلیہ	بالکلیہ	۹	۹	ور	ور
۶	۴۸	مصیبت	مصیبت	۱۱۷	۸	یک کھ کی	یک کھ کی
۲۰	۷	بجلیت	بجلیت	۱۱۸	۱۸	رکھے گی	رکھے گی
۲۰	۵۳	سے	سے	۱۱۹	۱۹	آب	آپ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۸	۲۰	شکرے	شکریہ	۱۳۵	۲۵	کبھی ہوئی	کبھی ہوئی
۱۲۲	۱۳	ٹھا	تھا	۱۳۶	۲۰	کنڈہ دوکنڈہ	کنڈہ دوکنڈہ
۱۲۵	۲۱	سپانیہ	ہسپانیہ	۱۳۷	۱۷	نوے کنس	نوے کنس
۱۲۶	۳	نصف	نصف	۱۳۹	۱۱	۱۸۲۹ء	۱۸۳۹ء
"	۱۳	اصلاح کاروں	اصلاح کاروں	"	۱۳	یوگولنیو	یوگولنیو
۱۲۷	۲۳	اس لئے	اس لئے	۱۵۲	۴	گائوں	گائوں
۱۳۶	۲	کنے	کتنے	"	۱۱	جراؤ	جراؤ
۱۳۷	۱۳	قواعد	قواعد	۱۵۷	۱۶	میدان	میدان
۱۳۸	۱۸	دارالہبائہ غفرلہم کافلہ	دارالہبائہ غفرلہم کافلہ				

